

## باب اول

### شولا پور کا لسانی، تاریخی، سیاسی و سماجی پس منظر

شولا پور ایک تاریخی، سیاسی، لسانی اور سماجی لحاظ سے بہت ہی اہمیت کا حامل شہر ہے۔ ریاست مہاراشٹر کے اس تاریخی شہر کی اہمیت دن بدن اور بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ موجودہ شہر شولا پور ایک ترقی یافتہ تعلیمی شہر کے روپ میں ابھر کر آیا ہے۔ یہ خوش آئند بات ہے۔ اس کی بہت ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ مختلف سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی اداروں کے علاوہ اب یہاں پر شولا پور یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ یونیورسٹی کے ذمہ داران آج کل اسے جدید تعلیم سے آراستہ کرنے اور الیکٹرانک یونیورسٹی بنانے پر گامزن ہیں۔

شہر شولا پور چونکہ ایک تعلیمی مرکز ہے۔ یہاں ہر شعبہ تعلیم کا انتظام ہے۔ اعلیٰ سطحی تعلیم کی سہولتوں کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی ادارے سرگرم ہیں۔ بہت ساری سہولتیں بہم پہنچائی جا رہی ہیں اور مزید سہولتوں کے لئے کوششیں جاری ہیں۔ شولا پور کے ارد گرد کے علاقوں، قصبوں اور گاؤں سے طالب علم یہاں پہنچ کر فیض یاب ہو رہے ہیں۔ ان علاقوں کے لوگوں کے لئے شولا پور کا تعلیمی ماحول ایک نعمت سے کم نہیں۔ جبکہ ماضی میں طالب علموں کے لئے بڑی دشواریاں تھیں۔ اردو ذریعہ تعلیم کے اداروں کی بھی یہاں کمی نہیں۔ پرائمری سے لے کر پوسٹ گریجویٹ تک یہاں اردو مضمون کی سہولت ہے۔ یہ سہولت اردو اداں طبقے کی بڑی تعداد کی وجہ سے فراہم کی گئی ہے۔ انگریزی، مراٹھی، ہندی، تیلگو، کنڑ زبانوں میں بھی یہاں تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

تعلیمی مرکز کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں بھی آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ شہر دور دور تک پھیلتا جا رہا ہے۔ تعمیرات فروغ پا رہی ہیں۔ روزگار کے مواقع بھی فراہم ہو رہے ہیں۔ اس کے باوجود غربت اپنی جگہ قائم ہے۔ مقامی باشندوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے لیے سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ بہر حال شہر شولا پور اپنے ماضی قریب اور ماضی بعید کے مقابل میں ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔

یہاں کی ملی جلی آبادی میں بھائی چارگی اور اتحاد کا مزاج ملتا ہے۔ یہاں پر فنون لطیفہ کے فروغ کے لئے بھی کوششیں جاری ہیں۔ ثقافتی پروگرامس بھی ہوتے رہتے ہیں۔ نائٹ، ڈراموں کا بھی چلن عام ہے۔ اس شہر میں اردو ڈرامہ نے ترقی کے ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ جس کا تفصیلی ذکر اسی مقالے کے ڈرامے کے باب میں آئے گا، دیگر زبانوں میں بھی یہاں ڈرامے ہوتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر مراٹھی ڈرامہ یہاں شوق سے دیکھا جاتا ہے۔

اُردو سماج میں شعر و ادب کی وجہ سے گرما گرمی نظر آتی ہے۔ یہاں کے مشاعروں میں اردو والوں کے علاوہ غیر اُردو داں حضرات بھی دلچسپی لیتے اور تعاون دیتے ہیں۔ تہذیبی اور ثقافتی پروگرامس کی وجہ سے شہر شولا پور میں یکجہتی کا ماحول قائم ہے اور اس میں مزید ترقی کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہ ماحول یوں ہی نہیں بنا۔ اس کے پیچھے اس کی اپنی تاریخی، تہذیبی، ثقافتی اور لسانی بنیادیں ہیں جن کی جڑیں مضبوط اور مستحکم ہیں۔

اب آئیے اس شہر کے ماضی بعید کی بات کریں۔ ماضی کی طرف دیکھا جائے تو اس شہر کے آباد ہونے، بسنے اور ترقی کرنے کی کوئی مکمل اور مستند تاریخ نظر نہیں آتی۔ اس کی وجہ تاریخ دانوں کی لاپرواہی اور کم توجہی ہے۔ یہ ہوا کہ باہر سے آنے والوں نے مقامیت کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی اور یہ بھی ہے کہ مراٹھی اور اُردو میں شولا پور کی تاریخ، جغرافیہ، تہذیب اور ثقافت پر جو کتابیں شائع ہوئیں اور اعتراضات، اختلافات کی نذر ہو گئی۔ بہر حال راقم الحروف نے لائبریریوں اور شخصی کتب خانوں کا جائزہ لیا۔ بڑی تگ و دو کے بعد چیدہ چیدہ، کہیں کہیں کچھ باتوں کا انکشاف ہوا اور کچھ باتوں کی تصدیق بھی ہوئی۔ ہر صورت میں یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ شہر شولا پور ایک ایسا شہر ہے جس کو بسانے میں جہاں ہندو راجاؤں نے دلچسپی لی۔ وہیں مسلمان بادشاہوں کی بھی سرپرستی رہی۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ شہر ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کا گہوارہ رہا ہے۔

۹۰ قبل مسیح سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کے شولا پور کے حاکموں اور دور حکمرانی کی تواریخ کے بارے میں عبدالرشید جٹوا کر ایڈوکیٹ نے مارچ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی کتاب ”شولا پور۔ تاریخ کے آئینے میں“ (مرتب ونگراں: فاروق سید، مدیر نسیم مٹان) میں ”شولا پور کا تاریخی پس منظر“ کے عنوان سے جو مضمون تحریر کیا ہے وہ خاصہ اہم اس لیے ہے کہ اس شہر کے بارے میں یہ معلومات بھی غنیمت ہے کہ اس سے تحقیق کے گوشے اجاگر ہو سکتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ان کے مضمون کا ایک اہم اقتباس ا

”شہر شولا پور کی قدیم تاریخ دستیاب نہ ہو سکی پھر بھی جو معلومات حاصل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ شہر ۹۰ ق م سے ۳۰۰ سن عیسوی تک شتکرنی راجاؤں کے زیر حکومت رہا۔ ۶۰۰ء سے چالوکیہ خاندان کے راجاؤں کے زیر ماتحت رہا پھر اس کے بعد ۹۷۳ء تک راشٹر کوٹ اور پھر اس کے بعد ۱۱۸۴ء تک نیوچالوکیہ کے زیر اثر رہا۔ پھر اس کے بعد دیوگری کے راجاؤں کے حکومت میں شامل رہا۔ ۱۳۱۸ء سے مغل راجاؤں کے صوبیداروں کے زیر نگرانی رہا۔ ۱۳۴۸ء میں بہمنی حکومت میں شامل ہوا۔ گلبرگہ جب صوبہ بنا تو شولا پور، حسن آباد صوبے میں آ گیا۔ بعد میں صوبے دار خود مختار ہونے کے بعد ۱۵ نئی ریاستیں وجود میں آئیں تو شولا پور احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت کے زیر حکومت رہا۔ ۱۷۹۷ء شولا پور نظام شاہی اور عادل شاہی سلطنت کی حد پر رہنے سے یہاں قلعہ کی تعمیر ہوئی اور شولا پور کی اہمیت بڑھ گئی۔ شولا پور کے دو حصے بن گئے۔

قلعہ شولا پور جہاں فوج رہتی تھی اور جہاں شہری رہنے لگے وہ حصہ قصبہ کہلانے لگا۔

ایڈوکیٹ عبدالرشید جنواڑ کر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ۷۔

شولا پور میں کل ۱۷ لڑائیاں ہوئیں اس کے نتیجے میں شولا پور کبھی عادل شاہی تو کبھی احمد نگر کی نظام شاہی حکومت کے زیر اثر رہا ہے۔ مغلوں کے بیجا پور پر حملہ کرنے کے بعد جو صلح ہوئی اس کے تحت شولا پور عادل شاہ کو واپس مل گیا۔ پھر دوبارہ مغلوں نے اس کو فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیا اور، اورنگ زیب کے دور حکومت تک مغلوں کے قبضے میں رہا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد بھی کچھ دنوں مغلوں کے قبضے میں رہا۔ مگر ۲۳ء میں حیدر آباد کے نظام کے قبضے میں چلا گیا۔ ۵۷ء میں جب کہ یہاں خلیل الدین خاں قلعہ دار تھے۔ اس دوران نانا صاحب پیشوا نے قلعہ دار کو ۲۵۰۰ روپے دے کر اپنے قبضے میں کر لیا اور شولا پور ۱۸۱۸ء تک مرہٹوں کے قبضے میں رہا۔ ۱۸۱۸ء میں انگریزوں نے اسے جیت کر اپنی حکومت میں شامل کر لیا جو ۱۹۷۴ء تک ان کے قبضے میں رہا۔“ ۲

مندرجہ بالا اقتباس مختصر مگر پُر مغز اور پُر اثر ہے کہ ایڈوکیٹ عبدالرشید نے انتہائی اختصار میں شولا پور کے حکمرانوں کا ذکر کیا۔ اس سے اس شہر کی تاریخی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر کتنی دشوار گزار راہوں سے گذرا، اس کے نشیب و فراز اور عوامی زندگی کی بے چینیوں اور پریشانیوں کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایڈوکیٹ صاحب نے سال اور سن اور وقفہ اقتدار کی جوشندانہ ہی کی ہے وہ اہم ترین ہے۔ پتہ نہیں موصوف نے کتنی جدوجہد کی ہوگی اور کتنے صفحات پڑھ کر اس مواد کو حاصل کیا ہوگا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ اس علاقے میں ہمیشہ مسلمان رہتے بستے آئے ہیں اور ان کے بارے میں منفی ریکارڈ نہیں ملتا۔ یہاں اختلافات ہوئے تو سیاسی اور جنگیں بھی ہوئیں تو سیاسی لیکن عوام میں اتحاد ہمیشہ قائم رہا۔ شہر کی اس زندگی کا یہ قدیم کردار اب بھی اپنا وقار رکھتا ہے۔

شولا پور کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں میں مجاہد القاسمی کا نام بھی نمایاں ہے۔ انھوں نے ”تاریخ شولا پور و مختصر تاریخ دکن“ نام کی ایک کتاب تحریر کی ہے۔ کتاب کے صفحات ۸۳ ہیں۔ یہ کتاب موصوف نے ۱۰، سہارا نگر شولا پور سے خود شائع کی ہے۔ افسوس اس کتاب پر سن اشاعت نہیں ہے اس لئے راقم الحروف سن بتانے سے قاصر ہے۔ مصنف کی یہ بھول محققین کے لئے تجسس کا باعث ہے۔ اور آنے والے وقتوں میں بھی یہ تجسس برقرار رہے گا۔

زیر تبصرہ اس کتاب میں شولا پور کے علاوہ دکن کی تاریخ کے بہت سارے واقعات ایسے ملتے ہیں جسے پڑھ کر قاری چونک اٹھتا ہے اور مجاہد القاسمی کی جدوجہد اور لگن کی داد دیئے بغیر نہیں رہتا۔ کتاب کے صفحہ نمبر پر مصنف نے ”پہلے یہ پڑھیے“ نام سے ایک مضمون تحریر کیا ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ ۳

”تاریخ میرا پسندیدہ مضمون ضرور ہے مگر تاریخ نگار بننا بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ میں نے صرف یہ کیا ہے کہ ”تاریخ فرشتہ“، ”تاریخ جہانگیر“ اور ”تاریخ شاہ جہاں“ نیز شولا پور گزٹ میں جو مختلف صفحات میں مختلف موضوعات کے تحت تاریخی مواد بکھرا ہوا تھا اسے سن وار مرتب شکل میں پیش کر دیا ہے۔ کتاب ہر خاص و عام کے لئے ہو، اس کے لئے تاریخ کا انداز، بیانیہ رکھا اور یہی قرآن کا اسلوب بھی ہے۔ قرآن میں ماضی کے واقعات بیانیہ انداز کے ملتے ہیں تاکہ وہ سب کے لیے باعثِ عبرت ہوں۔ اب تک جو شولا پور کی تاریخیں محدود پیمانے پر مختلف زبانوں میں منظر عام پر آئی ہیں وہ زیادہ تر ۱۸۱۸ء کے بعد کی یا پھر زیادہ سے زیادہ مراٹھا دور تک کی ہیں۔“

مجاہد القاسمی مسلم دور حکومت پر زور دیتے ہوئے آگے لکھتے ہیں: ۴

میں نے مسلم دور کو زیادہ اہمیت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کیونکہ یہی دور شولا پور کے وجود و ترقی کا اولین دور ہے۔ ساتھ ہی پوری کوشش اس بات کی بھی کی ہے کہ شولا پور کو دکن سے، دکن کو پورے بھارت سے اور بھارت کو باقی دنیا سے جوڑے رکھوں، اس طرح شولا پور کا تعلق پورے ملک سے تاریخ میں برقرار رہے۔ اس کوشش میں اصل مضمون میں جھول آ گیا ہوتا تو یہ ممکن ہے مگر یہ ضروری تھا۔

اپنی کئی ہوئی بات کو مستند ثابت کرنے کے لیے موصوف نے تاریخ فرشتہ سے استفادہ کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ ۵  
حوالے کے لئے تاریخ فرشتہ اور اس کے مولف محمد قاسم فرشتہ پر انحصار اس لئے زیادہ کیا ہے کہ فرشتہ مرحوم خود اسی تاریخ کا حصہ رہ چکے ہیں۔ احمد نگر کے ملازم رہے پھر بیجا پور کے ملازم صدر شعبہ تاریخ و ثقافت کے ہیڈ بنے۔ احمد نگر اور بیجا پور آتے جاتے شولا پور بھی ان کی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ اس طرح انکی تالیف ”تاریخ فرشتہ“ کی حیثیت ایک خود نوشت سرگزشت کی سی ہے۔ انھوں نے جو کچھ دیکھا، پایا، پرکھا اور لکھ دیا۔ شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مسلم دور حکومت کی تاریخ بیان کرنے کا مقصد کوئی ریکارڈ قائم کرنا نہیں بلکہ قوم کو یہ دکھانا ہے کہ ہم نے کیا پایا تھا اور کیوں پایا تھا کیا کھویا اور کیوں کھویا کیونکہ جب تک کسی چیز کے کھونے کا احساس نہ ہو اس کے پانے کی طلب بھی نہیں ہوتی۔“

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجاہد القاسمی نے تاریخ فرشتہ کا جب مطالعہ کیا تو شولا پور کے تاریخی واقعات انہیں ملنے لگے۔ دلچسپی بڑھی تو انھوں نے تاریخ جہانگیر، تاریخ شاہ جہاں اور شولا پور گزٹ کا بھی بغور مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ شولا پور اور دکن کی تاریخ لکھی جائے۔ انھوں نے اقتباس میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اب تک شولا پور کی جو تاریخیں محدود پیمانے پر لکھی گئیں وہ زیادہ سے زیادہ ۱۸۱۸ء کے بعد یا پھر مراٹھا دور تک ہی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دیگر زبانوں میں لکھی ہوئی شولا پور کی تواریخ کا بھی مطالعہ کیا اور یہ دیکھا کہ مسلم دور حکومت کے بارے میں کم معلومات ہیں۔ جبکہ ان کا خیال ہے کہ یہی دور شولا پور کے وجود و ترقی کا دور ہے اس لیے مجاہد القاسمی نے مسلمانوں کے اقتدار کو مرکزیت

دے کر یہ تاریخ مرتب کی ہے۔ ان کی یہ کوشش قابل ستائش اور لائق مطالعہ ضرور ہے کہ اس میں دکن کے حوالے سے زیادہ باتیں کی گئی ہیں اور ہندوستان میں مسلمانوں کی ابتدائی زندگی کی بھی باتیں موثر ڈھنگ سے پیش کی گئی ہیں۔

عبدالرشید جناور کراڈ وکیٹ نے شولا پور کی سیاسی تاریخ کے بارے میں سلسلہ وار جو معلومات دی ہے جسے راقم الحروف نے مضمون کی شروعات میں رقم کیا ہے۔ وہ مستند اور معتبر لگتی ہیں جبکہ اس میں کتابیات کے حوالے نہیں ہیں۔ شاید اختصار کی وجہ سے چھوٹے سے مضمون میں انہوں نے حوالے دینا مناسب نہیں سمجھا۔ جبکہ مجاہد القاسمی نے تاریخ کے حوالوں کے ساتھ شولا پور کی تاریخ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مسلم حکمرانوں کو مرکزیت دینے کے باوجود راجاؤں کے حوالے بھی اس میں موجود ہیں لیکن یہ تاریخ بھی دیگر مواد اور دکن کی تاریخ کی وجہ سے زیادہ واضح نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اس میں شولا پور کے بارے میں تاریخی معلومات نہیں کے برابر ہے لیکن یہ جو کسی نہ کسی حوالے سے شولا پور کی بات ہوئی ہے تو یہ بات کہنے کا ایک موقع اور طریقہ ہو سکتا ہے لیکن خالص شولا پور کی تاریخ پر پوری طرح سے روشنی نہیں پڑتی۔ اس کے باوجود راقم الحروف مجاہد القاسمی کی کاوشوں سے متاثر ہے کہ انہوں نے شولا پور کی تاریخ کے کچھ ایسے گوشوں کو سامنے لایا ہے جو اہل شولا پور کی آنکھوں سے اوجھل تھے۔ جیسے شولا پور شہر کے نام کا وجہ تسمیہ، حسن گنگو بہمنی کا ایک معمولی غریب آدمی سے بادشاہ بننا وغیرہ۔

یہ ایک ایسا حقیقی واقعہ ہے کہ اس سے ہندو مسلم اتحاد کی سچی کہانی جڑی ہے کہ حسن نام کا ایک شخص گنگو نام کے برہمن کے پاس کھیت میں کام کر رہا تھا اور ہل چلاتے وقت خزانہ ہاتھ لگا۔ گنگو نے بادشاہ وقت محمد تغلق کے سامنے پیش کیا اور بادشاہ نے اس کی ایمانداری کی بنا پر امیر مقرر کیا۔ گنگو کو یقین تھا کہ یہ آگے چل کر اقتدار حاصل کرے گا تو گنگو نے ایک خواہش کا اظہار کیا بلکہ یہ شرط رکھی کہ تو میرے نام کو اپنے نام کے ساتھ رکھے گا۔ حسن نے اس بات کو قبول کیا اور اپنے نام کے ساتھ گنگو برہمنی کا اضافہ کر لیا۔ یہی برہمنی آگے چل کر بہمنی کہلانے لگا۔ شولا پور کے انتہائی عروج کا زمانہ بہمنی سلطنت میں ہی ہوا۔ حسن گنگو بہمنی کی حکومت دکن میں قائم ہوئی۔ یہیں سے بہمنی راج شروع ہوا جس کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ بہمنی راج میں ہندو اور مسلمان مل جل کر رہتے تھے۔ ان بادشاہوں نے دونوں قوموں کو ترقی کے پورے پورے مواقع فراہم کئے۔ ۶

مجاہد القاسمی نے اپنی کتاب میں بہمنی خاندان کے بارے میں کئی تاریخی واقعات تحریر کئے ہیں۔ ان واقعات میں شولا پور کا حوالہ بھی ہے جس سے شولا پور کی تاریخ بھی ظاہر ہوتی چلی گئی ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے دیباچہ میں تحریر کیا کہ کئی تواریخ کے مطالعہ سے جو واقعات ملتے چلے گئے انہوں نے اسے اپنی تحریر میں پیش کیا۔ بہر حال یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ آج اس کتاب سے ہم نہ صرف شولا پور بلکہ دکن کی تاریخ سے بھی واقف ہو سکے۔ اس کے ساتھ ہی مسلم بزرگوں اور مسلم حکمرانوں کے بارے میں بھی ہمیں جاننے کا موقع ملا۔ اب آئیے محل وقوع اور وجہ تسمیہ کے بارے میں بات کریں۔ ۷

## ☆ محل وقوع:

مشہور دریادریائے زربد ابھارتی سطح مرتفع کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ شمالی سطح مرتفع اور جنوبی سطح مرتفع جسے عموماً سطح مرتفع دکن کہا جاتا ہے۔ حالیہ زلزلے کے بعد جو تحقیق سامنے آئی ہے اس کے مطابق سطح مرتفع دکن چار سے چھ لاکھ سال پرانا سطح مرتفع ہے۔ اس سطح مرتفع پر انسانی آبادی پہلی بار کب آباد ہوئی۔ اس سلسلے میں صرف قیس کیا جاسکتا ہے۔ اندازہ ہے کہ ۱۵۰۰۰ سال پہلے دکن کی سطح مرتفع میں یایوں کہیے کہ شولا پور کے اطراف کے علاقے میں پہلا شخص پایا گیا۔ یہ زمانہ قدیم پتھروں کا زمانہ کہلاتا ہے۔ البتہ آریں دور کا پہلا شخص چار صدی قبل مسیح دکن میں آیا۔ یہ وہ دور تھا جب لوہے کا استعمال شروع ہو چکا تھا۔ یہ جدید ماہرین کی رائے ہے۔ قدیم ماہرین کی رائے جو تاریخ فرشتہ نے لکھی ہے۔ جدید ماہرین کہتے ہیں کہ: جس طرح شمالی سطح مرتفع کے دو اہم دریاؤں گنگا، جمنہ کے درمیانی علاقے کو دو آبہ کہا جاتا ہے اور پیداوار کے لحاظ سے اس حصہ زمین کو انتہائی زرخیز اور قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح سطح مرتفع دکن کے دو اہم دریاؤں گوداوری اور کرشنا کے درمیانی علاقے کو پرانے زمانے میں دو آبہ کہا جاتا تھا اور اسے پیداوار کے لحاظ سے بہت اہمیت حاصل تھی۔ اس دو آبہ میں بھی بھیما، مانجرا، سینا نام کی چھوٹی بڑی ندیاں مزید پائی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ علاقہ اور بھی زرخیز اور قیمتی ہو گیا۔ اسی زرخیز اور قیمتی علاقے کا اہم شہر شولا پور ہے۔ ۵

شولا پور سطح سمندر سے ۱۸۰۰ فٹ بلندی پر واقع ہے۔ نیشنل ہائی وے نمبر ۹ یہاں سے گذرتی ہے۔ ممبئی مدراس، ممبئی بنگلور، ممبئی حیدرآباد ٹرینیں اور روڈ شولا پور سے ہی ہو کر گذرتی ہیں۔ یہ مہاراشٹر میں واقع کرناٹک و مہاراشٹر کا سرحدی شہر ہے۔ اسی لیے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ قدیم زمانے سے ہی یہ شہر گونا گوں سیاسی ہنگاموں، سماجی تبدیلیوں اور مختلف تجارتی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔

## ☆ وجہ تسمیہ:

کچھ تاریخ نویسوں کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ شہر (۱۶) سولہ عدد دیہاتوں کا صدر مقام تھا۔ اس لیے یہ سولہ پور کہلایا اور پھر سولہ پور سے شولا پور بن گیا۔ وہ ۱۶ دیہات پرانی تحریروں میں اس طرح ملتے ہیں۔ عادل پور، احمد پور، چیل پور، فتح پور، جامدار واڑی، کھانڈے راؤ کی واڑی، کڑچ پور، کھڈار پور، محمد پور، رانا پور، صندلا پور، شیخ پور، شولا پور، سونلگی، سونا پور، وید کا واڑی وغیرہ۔ لیکن اس خیال میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے کہ جن سولہ دیہاتوں کا ذکر ہے اس میں خود شولا پور بھی پایا جاتا ہے۔ ۹

یا اُس دور زمانے کی جو تحریریں ملتی ہیں اس میں سونلگی کا نام دیا گیا ہے۔ مورخ تاریخ فرشتہ نے اپنی تاریخ فرشتہ میں ایک جگہ اسے صندلا پور لکھا ہے۔ قلعہ سے جو تحریریں برآمد ہوتی ہیں اس میں اسے کہیں سونلا پور اور کہیں صندلا پور لکھا ہے۔ ۱۰

## ☆ شولا پور اورنگ زیب:

اورنگ زیب عالمگیر نے ساڑھے چار سال تک شولا پور ضلع میں رہ کر ہندوستان کا انتظامیہ سنبھالا۔ اس طرح شولا پور چار سال تک ہندوستان کا عارضی دارالخلافہ رہا۔ اسی دوران انھوں نے یہاں پر اپنی اسلامی اور سماجی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں، مسجدیں بھی بنائیں اور عید گاہ کی بھی تعمیر کی۔ ان کے دور کی تفصیلات یہاں درج کی جا رہی ہیں۔

## ☆ شولا پور کی تاریخ کے تین اہم واقعات:

۱۔ سنبھاجی کو کوکن میں سنگمیشور میں قید کیا گیا۔ شولا پور کے اکلوج (اسدنگر) میں انھیں بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔

۲۔ عادل شاہ اور نظام کے درمیان معاہدہ ہوا، اس کے تحت نظام کی شہزادی چاند بی بی کو علی عادل شاہ کے نکاح میں دے دیا گیا۔ شولا پور کا قلعہ جو ان دنوں کے درمیان جنگ کا باعث تھا۔ عادل شاہ کو تحفہ میں دیا گیا۔

۳۔ انگریزوں کے زمانے میں شولا پور میں اسپنگ اور یونگ مل قائم ہوئی۔ جو شولا پور کے لوگوں کے روزگار کا ذریعہ بنی، اس کا شمار بہت بڑی ملوں میں کیا جاتا تھا۔ اس وقت اس میں تیس ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ ۳۳

## ☆ شولا پور کی ٹکسالی اہمیت:

۱۶۸۲ء اور ۱۶۸۵ء ان دو سالوں اورنگ زیب عالمگیر کے نام کے سکے یہیں ڈھلا کرتے تھے۔ شولا پور کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ کم عرصے تک ہی سہی مغلیہ دور کا ٹکسال یہاں رہا۔ اورنگ زیب کے بعد ان کے جانشین شاہ عالم اول نے بھی سونے اور تانبے کے سکے شولا پور میں ہی ڈھالے اس کے بعد مغل بادشاہ جہاں دار نے بھی یہیں سے اپنے نام کے سکے جاری کئے۔ ڈاکٹر وائٹ کنگ کی تحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مغل بادشاہ فرخ سیر نے بھی شہر شولا پور سے اپنے نام کا سکہ جاری کیا تھا پھر یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ شہنشاہ عالمگیر نے سونے اور چاندی کے سکے بھی جاری کیے تھے۔ ان کا وزن ۷۳ گرین تھا۔ یہ سکے برٹش میوزم کلکتہ میں آج بھی نمائش کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ شولا پور کے ٹکسال میں دھلے سکوں کا وہاں ایک کیٹلاگ ہے جس میں ۱۵۳۶ء اور ۱۵۳۷ء نمبر کے سکے ہیں۔ ان سکوں پر مندرجہ ذیل شعر کندہ ہے۔

سکہ در جہاں چوں بدر منیر

شاہ اورنگ زیب عالمگیر

ان سکوں پر سن جلوس ۳۰ اور ۳۱ ہے۔ یہ سکے انگریزی تاریخ کے مطابق ۱۸ دسمبر ۱۶۸۲ء کو شولا پور کی ٹکسال میں

ڈھالے گئے تھے۔ مندرجہ بالا شعر نیچے سے اوپر کی طرف پڑھا جاتا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سونے کے سکے پر کندہ شعر میں مہر منیر لکھا جاتا تھا اور چاندی کے سکے پر اس شعر میں لفظ بدر منیر لکھا ہوا ہوتا تھا۔“ ۳۴

سکوں کے تعلق مندرجہ بالا اقتباس ایڈوکیٹ عبدالرشید جناڑ کر کے ایک مختصر سے مضمون سے لیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شولا پور کو مغلوں نے اہمیت دی، فروغ دیا اور آباد رکھا۔ اس دور میں اس شہر کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہوگی۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہاں ہندوستان کے مختلف مقامات سے آنے والوں کی تعداد بھی اچھی خاصی رہی ہوگی۔ سرکاری اور غیر سرکاری تاجر اور اہل کاروں کی آمد و رفت اور قیام سے یہاں کی تہذیب میں تبدیلی اور اضافہ ہوا ہوگا۔ لسانی اور سماجی لحاظ سے بھی اس شہر پر گہرا اثر پڑا ہوگا۔ شولا پور کے اصل باشندوں کے ساتھ شادی بیاہ کے بھی سلسلے رہے ہوں گے اور آگے چل کر ایک مخلوط سماج ابھر آیا ہوگا لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ شہر شولا پور پر دکن کی زبان اور تہذیب کے اثرات زیادہ رہے جس کی جھلکیاں آج بھی نظر آتی ہیں۔

شولا پور جہاں تاریخی، سیاسی، سماجی اور تجارتی لحاظ سے ایک مقام رکھتا ہے وہیں لسانی اعتبار سے بھی اس کا اپنا ایک مخصوص کردار ہے۔ زمانہ قدیم میں ہندوستان کے مشرق، مغرب، شمال، جنوب کے جو باشندے یہاں آتے رہے ہیں۔ وہ اپنی بولی بھولی بھی ساتھ لاتے رہے ہیں خاص طور پر ہندوی زبان جو کہ آگے چل کر ہندی اور اردو میں بٹ گئی اس کے الفاظ بھی شولا پور کی بولی میں رہ گئے، لیکن دکن کی خاص بولی اور دکنی زبان کو یہاں کے لوگوں نے زیادہ قبول کیا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ یہاں کی دکنی لفظیات اور لہجہ کے لحاظ سے کچھ مختلف ہو گئی اس کی وجہ مراٹھی زبان کے الفاظ ہو سکتے ہیں جو دکنی میں گھل مل گئے اور پھر یہاں پر تلگو، کنڑ اور کچھ گجراتی بھی بولی جاتی ہے لیکن مراٹھی زیادہ بولی، لکھی اور پڑھی جاتی ہے تو اس کا اثر لازمی طور پر یہاں کی اردو پر بھی پڑا ہے اس لیے یہاں کی بولی کا ایک الگ انداز پیدا ہو گیا ہے۔ اسی کو ہم شولا پور کی بولی کا نام دے سکتے ہیں لیکن یہ بولی بول چال اور کبھی کبھی یہاں اسٹیج پر ہونے والے ڈراموں میں سنائی دیتی ہے لکھی نہیں جاتی۔ لکھنے کی زبان وہی ہے جو ”اردو“ ہے ہر جگہ لکھی پڑھی جاتی ہے مگر یہاں کی اردو میں بھی کچھ بولی یا رومرہ کے الفاظ آ جاتے ہیں۔ یہ ایک فطری عمل ہے جو علاقائی اثر رکھتا ہے۔ اس سب کے باوجود شولا پور کی زبان اور تہذیب پر شمال کے اثرات کم اور جنوب کے اثرات زیادہ ہیں اور یہاں کا ادبی شعور حیدر آباد دکن سے مستعار ہے۔ شاید زبان اور بولی کی وجہ سے ہی یہاں کے ادیبوں شاعروں نے دکنی اور دکن کی اردو کو ذہنی طور پر قبول کیا ہے۔ بہر حال شولا پور میں آج بھی اردو زبان اور اس کی تہذیب نہ صرف برقرار ہے بلکہ پھل پھول بھی رہی ہے۔ زبان سے محبت اور ادب سے دلچسپی کا ایک جوش اور جذبہ یہاں کے لوگوں میں ہے جو نسل در نسل سینہ بہ سینہ منتقل ہو رہا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری طور پر حوصلہ افزائی ہوتی رہے تو اردو کا یہ قلعہ مضبوط ہو سکتا ہے۔



راقم الحروف کا پیشہ اردو درس و تدریس ہے اور شوق بھی اردو ادب کا مطالعہ ہے تو راقم بھی کئی اور اساتذہ کی طرح شولا پور کی ادبی اور علمی روایتوں کو قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھانے میں کوشاں ہے۔ نئی نسل میں اردو سے شوق اور تہذیب سے لگاؤ کو دیکھتے ہوئے راقم یہ کہنے کے موقف میں ہے کہ شولا پور مستقبل میں اردو کا ایک اہم مرکز بن کر ابھرے گا جس کی شروعات ہو چکی ہے۔ آج مہاراشٹر کے کئی علاقوں کے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں شولا پور کے بے شمار تربیت یافتہ اساتذہ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں اور بہتر نتائج بھی برآمد ہو رہے ہیں۔

شولا پور میں شولا پور یونیورسٹی کے قیام کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں بیتا۔ فی الحال یہ یونیورسٹی جدید تعلیم اور معیاری نصاب پر توجہ کر رہی ہے۔ اس کے لیے یونیورسٹی ڈاکٹر مجید بیدار (عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد) اور ڈاکٹر مدحت الاختر (ناگپور یونیورسٹی، ناگپور) جیسی قدآور شخصیتوں سے استفادہ کر رہی ہے۔ دیگر زبانوں کے شعبے قائم ہیں۔ اردو شعبہ بھی قائم ہوگا اس کا یقین ہے۔ فی الحال یونیورسٹی کے ذمہ داران نے یہاں اردو سے پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے والے طالب علموں کو سہولتیں دے رکھی ہیں۔ یہ ایک طرح سے اس یونیورسٹی کے شعبہ اردو کی بنیاد ہے۔

### حواشی

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	ناشر	سن اشاعت
(۱)	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔	نسیم منان	اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور	۱۹۹۹ء
	(شولا پور کا تاریخی پس منظر / عبدالرشید جنوا ڈکر)			
(۲)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔
(۳)	تاریخ شولا پور مختصر تاریخ دکن۔	مجاہن القاسمی۔	مجاہن القاسمی، اسہارا نگر، شولا پور	ندارد
(۴)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔
(۵)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔
(۶)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔
(۷)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔
(۸)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۹)
۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۰)
				شولا پور تاریخ کے آئینے میں	(۱۱)
۴۴	۱۹۹۹ء	اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔	لسم منان۔	(حضرت اورنگ زیب، شولا پور کی سرزمین پر)	
۴۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۲)
۴۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۳)
۴۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۴)
۴۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۵)
۱۱۲	۱۹۷۷ء	حکومت مہاراشٹر	حکومت مہاراشٹر۔	شولا پور گزیٹ ۱۹۷۷ء	(۱۶)
۴۷	۱۹۹۹ء	اصلاحی و فلاحی تنظیم	لسم منان۔	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔	(۱۷)
۴۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۸)
۴۸	۱۹۹۹ء	اصلاحی و فلاحی تنظیم	لسم منان۔	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔	(۱۹)
۴۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۰)
۴۸	۱۹۹۹ء	اصلاحی و فلاحی تنظیم	لسم منان۔	عہد عالمگیر کے درباری اخبار۔	(۲۱)
۴۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۲)
۴۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۳)
۷۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۴)
۷۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۵)
۷۴	۲۰۰۰ء	سید شاہ غازی الدین۔ ادارہ برائے مطالعہ و تحقیق تاریخ	دکن شولا پور	عہد عالمگیر کے درباری اخبار۔	(۲۶)
۷۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۷)

۸۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۸)
				۸۲	
۸۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۹)
				۸۲	
۸۲	سید شاہ غازی الدین۔ ادارہ برائے مطالعہ و تحقیق تاریخ ۲۰۰۰ء	دکن شولا پور۔		عہد عالمگیر کے درباری اخبار۔	(۳۰)
۸۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۱)
۸۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۲)
۵۲	۱۹۹۹ء	اصلاحی و فلاحی تنظیم۔	سیم منان۔	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔	(۳۳)
۵۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۴)





ریاستوں سے یہاں آکر بس گئے۔ اس طرح لنگایت، مرہٹہ، برہمن، تلنگے، مسلم لوگوں کی ملی جلی آبادی اور تہذیب یہاں نظر آتی ہے۔ شولا پور اور یہاں کا قلعہ بیجا پور اور احمد نگر حکومتوں کے درمیان برسوں تک جنگ کی آماجگاہ بن رہا۔ اس لئے یہاں تباہی اور بربادی ہر وقت ہوتی رہی۔ شولا پور کا بغائرِ نظر مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علاقہ بڑا قبرستان ہی ہے۔ اس کی وجہ لگاتار ہونے والی جنگیں، قحط خطرناک قسم کی بیماریاں ہیں۔ تعلیم و تربیت کا کوئی معقول انتظام نہ ہونے سے خاص طور پر مسلمانوں میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ ۱۔

مذکورہ بالا اقتباس میں نسیم منان نے شولا پور کی تاریخ کا پس منظر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد سماجی حالات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں۔

”مسلمانوں کے ایمانوں کو روشنی بخشنے، انہیں نیک پاک اسلامی راستے پر گامزن رکھنے کا کام یہاں آنے والے ہمہ اقسام کے سلسلوں کے صوفیاء کرام اور بزرگانِ دین نے کیا ہے۔ ان اولیائے کرام اور صوفیاء نے اپنی تعلیمات کے لیے سیدھی اور عام فہم شاعری کا بھی سہارا لیا اور ان کی شاعری نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ اس شاعری میں ان صوفی شعراء کے مقدس خیالات اور اسلامی پیغامات کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ خدا اور رسولؐ سے عشق دنیا کی غلط کاریوں سے عوام کو بچانا، نیک راستے پر سب کو چلانا ان کی شاعری کا مقصد تھا اور اس شاعری میں ایسے رموز و نکات بھی پوشیدہ تھے جو بندے کو خدا اور رسولؐ کی قربت عطا کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔“ ۲۔

مندرجہ بالا اقتباس سے ماضی کے شولا پور کے ماحول کی اصل صورت و شکل اُبھر آتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اندھیرا پھیلتا ہے وہاں روشنی بھی نمودار ہوتی ہے اور ایمان کی روشنی ایسی روشنی ہے جو انسان کے اند اور باہر کے اندھیروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹا دیتی ہے۔ اس زمانے میں صوفیائے کرام کا کیا ہوا یہ کام آج بھی شولا پور کی مسلم معاشرت میں دیکھا بھی جاسکتا ہے اور محسوس بھی کیا جاسکتا ہے۔ صوفی حضرات نے یہ کام اپنے ذکر، وعظ سے بھی کیا ہے اور شاعری کے ذریعے بھی انجام دیا ہے۔ دونوں ذرائع اہم ہیں لیکن شاعری کے ذریعہ کیا گیا کام برس ہا برس تک زندہ اور تابندہ رہ جاتا ہے۔ راقم الحروف نے اس سلسلے میں کئی لوگوں سے ملاقاتیں بھی کی ہیں۔ باتیں بھی کی ہیں۔ مطالعہ بھی کیا ہے۔ آگے کی سطور میں جو مواد ہے اسی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ صوفیائے کرام کے ادبی خدمات کی بات ہم کلامِ عتیق ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے کرتے ہیں۔ ۳۔

صفاتِ معتبر سے جب ہوئی تحریر بسم اللہ  
وجودِ آب و گل میں ہو گئی تعمیر بسم اللہ

کسی عارف سے پوچھو رمز بسم اللہ کا نکتہ  
یقیناً من عرف کی جان ہے تفسیر بسم اللہ

الف کو پڑھ رہے ہو پہلے بسم اللہ کو پڑھ کر  
ذرا سوچو تو کیا ہے سر بہ سر تقریر بسم اللہ

یہ بابر کا ت نعمت ہے عتیق آگاہ کر دیجیے  
مقدر کا دھنی ہے جس نے کی توقیر بسم اللہ

مندرجہ بالا کلام عتیق میں شاعر نے بسم اللہ کی برکت، اہمیت، صفات اور مقصد کے مضامین شعری پابندیوں اور آہنگی زبان میں تحریر کیا ہے۔ جس کو پڑھنے سے شاعر کا پیغام برائے راست قاری کے دل تک پہنچتا ہے۔ ”تخیلاتِ عتیق“ پیر احمد شاہ قادری کا مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ سارا کلام معرفت کا کلام ہے۔ صوفیانہ نظریات مجموعہ کے ہر صفحے پر روشن ہیں۔ جو دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ اس مجموعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔ اب راقم الحروف چاہے گا کہ صوفیانہ کلام کے ذکر سے پہلے شولا پور کے اولیا کرام کے بارے میں بات کی جائے۔

شولا پور کو جہاں یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں پر شہنشاہ عالمگیر جیسے بادشاہ نے قیام کیا۔ وہاں یہ عظمت بھی حاصل ہے کہ اس سرزمین پر اولیائے کرام کے مزارات موجود ہیں۔ برس ہا برس پرانے یہ مزارات عقیدت مندوں کو فیض پہنچاتے ہیں۔ ان اولیاء کے بارے میں معلومات کم ہی سہی لوگوں کے اذہان میں محفوظ ہے اور ان کی عقیدتوں سے لوگوں کے دل متور ہیں۔ ان کی آمد قیام اور تبلیغ کی وجہ سے شولا پور کے مسلمانوں کو جو فوائد ہوئے وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ یہ اللہ پاک کی مہر بانی رہی کہ ان کی وجہ سے شولا پور کے مسلمانوں کو ایمان کی روشنی نصیب ہوئی۔ بقول نسیم مٹان شولا پوری:

۴

”ان میں ایسے بزرگانِ دین بھی موجود ہیں جن کو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا جن

کے بارے میں لوگوں سے بہت کچھ سنا ہے اور انہوں نے اس بات کو محسوس کیا ہے کہ یہ  
بزرگانِ دین خدا اور رسولؐ سے خاص محبت کرنے والے تھے اور بندگانِ خدا کی خدمات  
اور تکلیفات کو دور کرنا ان کا خاص مقصد رہا ہے اور اسی مقصد کے لئے انہوں نے اپنی زندگیوں کو  
وقف کر دیا ہے اور اسی لئے یہ لوگ ان کا احترام کرتے ہیں۔ ان آستانوں کو عزت و توقیر  
کی نظر سے دیکھتے ہیں۔“

مندرجہ بالا اقتباس سے بزرگانِ دین کی ضرورت اور اہمیت اور ان کے نیک مقصد پر روشنی پڑتی ہے۔ ان بزرگوں  
نے اپنے نیک اعمال سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اپنا مرید بنایا اور عمل کی طرف راغب کیا۔ اہل شولا پور ان کے احسانات کا  
جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ راقم الحروف محسوس کرتا ہے کہ ان تمام بزرگانِ دین کی حیات کا رناموں اور خدمات پر تحقیقی کام  
ہو، عمر رسیدہ لوگوں سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کی جائے، پرانے رسائل اور اخبارات سے ان کے بارے میں  
معلومات تلاش کئے جائے۔ فی الحال نسیم متان صاحب نے جو ان کے بارے میں تحقیق کر کے معلومات حاصل کی ہے وہ بہت  
ہی قیمتی اور قابلِ قدر ہے۔ پیش ہے ان معلومات کی تلخیص۔

☆ شہنشاہ شولا پور حضرت پیر حاجی سید شہاہ ظہور قادری الشطاری خاکسار اہم پور:

آپ کا عرس مبارک ۱۱، صفر کو منایا جاتا ہے۔ آپ شولا پور کے تمام اولیا کے شہنشاہ کہلاتے ہیں۔ سدھیشو رتالاب کے  
پاس آپ کا آستانہ ہے۔ ہر مذہب اور فرقے کے لوگوں کا یہاں ہجوم رہتا ہے۔ آپ بغداد شریف اور اورنگ آباد سے ہوتے  
ہوئے یہاں آئے۔ وہ دور عادل شاہی دور تھا۔ ملتان سے تشریف لائے اس بزرگ کو ’خاکسار‘ اور ’اپر مپار‘ کے القاب  
سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سدھیشو ر مہاراج آپ کے ہم عصر تھے۔ بادشاہ بھی آپ کی قدر کرتے تھے۔ آپ کے نام زمینیں بھی  
مختص کی تھیں۔ حضرت سلطان شاہ اور حضرت پٹھان صاحب کے مزارات بھی آپ کے مزار کے قریب ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ  
یہ آپ کے مریدین میں سے تھے اور آپ ہی کے ساتھ شولا پور آئے تھے۔ ۵

☆ حضرت ملنگ شاہ ولی:

آپ کا آستانہ کلکٹر آفس کے گیٹ کے پاس ہے۔ یہاں زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ ۱۵، ربیع الاول کو آپ کا عرس  
منایا جاتا ہے جس میں ہر قوم کے لوگ عقیدت سے شرکت کرتے ہیں۔ ۶

☆ حضرت پیر حاجی حافظ احمد علی شاہ چشتی نظامی محمودی (بارہ امام چوک):

آپ کا مزار بارہ امام چوک شنوار پیٹھ میں ہے۔ آپ حاجی بھی تھے اور حافظ بھی۔ آپ خواجہ سراج الدین چشتی احمد

آباد کے خاندان سے ہیں اور حضرت خواجہ سراج الدین چشتیؒ برہان پور کے حضرت خواجہ مخدوم علاء الدینؒ کے جد کے بھائی ہیں۔ شولا پور کے احمد صاحب چندرگی خاندان میں آپ کا جُبہ، عمامہ، عصا اور کچھ اسباب آج بھی موجود ہیں۔ آپ کے آستانے سے معتقدین فیض پاتے ہیں۔ آپ کا عرس یکم ربیع الاول کو دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ ۷

☆ سید السادات حضرت پیر عارف اللہ شاہ قادریؒ: (بیگم پیٹھ، مُرشد کُتہ)

آپ کا مزار بیگم پیٹھ میں ہے۔ آپ کا عرس ۲، ربیع الاول کو منایا جاتا ہے۔ آپ احمد آباد سے تشریف لائے تھے۔ آپ کی دعا سے قحط دور ہوا تھا۔ ۸

☆ حضرت پیر جنگ بہادر صلابت خاں، عرف صلابت جنگؒ: (بھیا چوک)

آپ کا آستانہ بھیا چوک میں ریلوے گراؤنڈ کے پاس ہے۔ ساتھ ہی مسجد بھی ہے۔ آپ کا عرس انگریزی تاریخ ۱۴، اپریل کو منایا جاتا ہے۔ ۹

☆ حضرت بزرگ ولی شاہؒ: (جمعہ پیٹھ)

آپ کا مزار جامع مسجد کے قریب جمعہ پیٹھ میں ہے۔ یہ بزرگ سب سے زیادہ بزرگ ولی مانے جاتے ہیں۔ نئے شادی شدہ جوڑوں کو آپ کے آستانے پر لے جایا جاتا ہے اور نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ ۱۰

☆ حضرت عبدالرحیم بابا انصاری قادری چشتیؒ عرف حضرت رحیم بابا انصاری چشتیہ قادریہؒ: (مسلم بادشاہ پیٹھ)

آپ کا آستانہ مسلم بادشاہ پیٹھ، (پدم شالی چوک، حیدر آباد روڈ) پر ہے۔ ہندو مسلم آپ کے عقیدت مندوں میں ہیں۔ ۸۶ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ عرس ۲۲ صفر کو منایا جاتا ہے۔ ۱۱

☆ حضرت عطا ولی شاہ قادریؒ: (شکر پیٹھ)

شکر پیٹھ پولیس چوکی کے پیچھے آپ کا آستانہ شاہی انداز کا بنا ہوا ہے۔ آپ کا عرس ۲۸، رمضان کو بیر یا مسجد کے ٹرسٹیوں کی طرف سے منایا جاتا ہے۔ ۱۲

☆ حضرت روشن علی شاہؒ: (تیلنگی بادشاہ پیٹھ)

آپ کا مزار مبارک تلنگی پاچھا پیٹھ میں ہے۔ جہاں آپ کے نام سے نوجوانوں کو ورزش کرنے کے لئے ایک ہال بھی بنایا گیا ہے۔ ۱۱، ربیع الثانی کو عرس منایا جاتا ہے۔ ۱۳



☆ حضرت چمن شاہ ولیؒ: (مکہ مسجد کے قریب، چمن ساہ ولیؒ ٹیکڑی)

آپ کا مزار مکہ مسجد کے پیچھے ٹیکڑی پر ہے۔ یہ جگہ بھی چمن شاہ ٹیکڑی کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۱، ربیع الاول کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ ۱۴

☆ حضرت شاہ عبداللطیف قادری عرف نیلور والے باباؒ: (جڑے صاحب قبرستان)

آپ کا مزار جڑے صاحب قبرستان میں ہے۔ بلا ناعہ لوگ مزار پر حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کا اسم مبارک شاہ عبداللطیف قادری ہے۔ آپ کی حیات میں ہی آپ کے چاہنے والوں کا حلقہ بڑھ چکا تھا۔ آپ نیلور شریف سے تشریف لائے تھے۔ ۱۹۴۱ء میں آپ کا وصال ہوا۔ آستانے کی تعمیر یسین قادری عرف بنگالی بابو نے کرائی۔ ہر سال عرس ہوتا ہے۔ ۱۵

☆ حضرت حاجی خواجہ فرید الدین چشتیؒ: (ہوگی)

ہوگی گاؤں میں آستانہ ہے اطراف سنگی احاطہ ہے۔ بہت قدیم زمانے کے بزرگ ہیں۔ بادشاہوں نے بھی آپ کی قدر کی، زمینات سے نوازا کہا جاتا ہے کہ محمد تغلق کے زمانے میں جو اولیاء دولت آباد آئے تھے۔ آپ ان میں شریک تھے۔ آپ نے حج کی بھی سعادت حاصل کی تھی۔ ۱۶، شعبان کو بڑے پیمانے پر آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ ۱۶

☆ حضرت اعتبار علی شاہ قادریؒ: (حاجی ماہی چوک)

قریشی مسجد حاجی ماہی چوک میں آپ کا مزار ہے۔ آپ حضرت شاہ ظہور ولیؒ کے سلسلے کے بزرگ ہیں۔ آپ نے قریشی مسجد میں ۴۰ سال تک امامت کی ہے۔ آپ کی وصیت تھی کہ مسجد کے صحن میں دفن کیا جائے تاکہ پنج وقتہ نمازوں کی اذان کی صدا میرے کانوں میں پڑتی رہے۔ آپ نے یہاں پر بندگان خدا کی خدمت کی۔ دین اسلام کی تبلیغ کا کام انجام دیا۔ عرس شریف ۱۳، شعبان کو منایا جاتا ہے۔ ۱۷

☆ حضرت عبدالوہاب قادری عرف حضرت بمبئی والے مرشدؒ: (جڑے صاحب قبرستان)

اسم مبارک عبدالوہاب قادریؒ ہے۔ شولا پور میں بمبئی والے مرشد بابا کے نام سے مشہور ہیں۔ پاکباز اور تقویٰ پرست بزرگ تھے۔ حیات میں ہی معتقدین کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ آپ کا آستانہ جڑے صاحب بنگلہ جڑے صاحب قبرستان میں موجود ہے۔ اس آستانے کی تعمیر بھی یسین قادری عرف بنگالی بابو نے کرائی۔ ہر سال ۸ شوال کا آپ کو عرس منایا جاتا ہے۔ ۱۸

☆ حضرت ہدایت اللہ شاہ سرمست عرف حضرت حاجی ماہیؒ: (حاجی ماہی چوک)

آپ کا مزار شریف حاجی ماہی چوک (دٹ چوک) میں موجود ہے۔ آپ صاحب گنبد ہیں اور آپ ہی کے نام پر چوک کا نام حاجی ماہی چوک رکھا گیا ہے۔ آپ کا پورا نام حضرت ہدایت اللہ شاہ سرمستؒ ہے۔ ۱۱، محرم کو آپ کا عرس مبارک منایا

جاتا ہے۔ آپ کعبۃ اللہ کے حرم میں رہا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کا لقب حاجی حرمین بھی ہے۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت زندہ شاہ مدار کے جانشین حضرت لمباچاک معشوق ربانی<sup>۲</sup> (مکھن پور) ہیں۔ آپ کئی مرتبہ حج بیت اللہ شریف سے مُشرف ہو چکے ہیں۔ آپ کے مرید کا نام پیرا شاہ تھا۔ یہ بھی آپ کے ساتھ شولا پور آئے اور یہاں آپ نے تبلیغ اسلام کا کام انجام دیا۔ آپ کا وصال ۱۰۹۲ء میں ہوا۔ اس کے ۵ دنوں کے بعد آپ کے مرید کا بھی وصال ہوا۔ ان دونوں بزرگوں کے مزارات گنبد میں موجود ہیں۔ ۱۹

### ☆ حضرت قتال حسینی اشرف ثانی: (بھارتیہ چوک)

آپ کا مزار بھارتیہ چوک شنوار پیٹھ میں ہے۔ آپ اشرفیہ سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ والد کا نام سید نظام الدین حسینی ہے۔ کولم پلی کے حضرت قتال حسینی خاندان کے آپ چشم و چراغ ہیں۔ تصوّف و عرفان میں یکتا تھے اور عوام الناس کو دین محمدیؐ اور اخلاقیات کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ پردہ ہونے سے پہلے آپ نے شہر قاضی کو اپنی موت کی خبر سنائی تھی۔ عید الفطر کے دن آپ کا وصال ہوا۔ آج جس جگہ آپ کا مزار شریف ہے وہیں دفن کیے گئے لیکن پاس میں مندر ہونے کے سبب ہندوؤں نے پولیس میں شکایت کی، مقدمہ چلا، چار مہینے کے بعد کلکٹر نے جو انگریز تھا۔ قبر کھودنے کا حکم دیا۔ لاش تو تازہ اور کفن بے داغ تھا۔ اس منظر کا ہر قوم کے فرد کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ کلکٹر نے بصدا احترام قبر کو وہیں رکھنے کا حکم دیا۔ عید الفطر کے دن سے ہی آپ کے عرس کا اہتمام ہوتا ہے اور ہر سال یہ عرس ۱/ شوال کو (عید الفطر کے دوسرے دن) دھوم دھام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ آپ کا وصال ۱۳۹۰ء میں ہوا۔ ۱۰

### ☆ حضرت غوث محی الدین عرف ملا بابا: (ملا بابا ٹیکڑی، بیجا پور بیس)

بیجا پور بیس میں لکشمی مارکیٹ کے پاس جو ٹیکڑی ہے اس پر مزار ہے۔ اب یہ ٹیکڑی ملا بابا ٹیکڑی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کا پورا نام غوث محی الدین ملا بابا تھا۔ مجذوب تھے لیکن آپ کی مجزوبیت سے لوگوں کو فیض حاصل ہوتا تھا۔ ۷۱ سال تک ایک ہی جگہ پر بیٹھے رہے اور ۱۹۴۸ء کو اچانک اٹھکر سڑکوں پر چلا تے ہوئے بھاگنے لگے ”آگ لگ گئی، آگ لگ گئی“ اور اس کے دوسرے ہی دن حیدر آباد کا پولیس ایکشن ہوا۔ مجذوبیت کی حالت میں آپ سے کئی کرامات ظاہر ہوئیں۔ جن کا سارے شولا پور پر گہرا اثر ہوا اور آپ عقیدت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ ۸، دسمبر ۱۹۵۰ء کو آپ کا وصال ہوا اور اسی دن ہر سال آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ اس دن اُردو پرائمری اسکولوں کو تعطیل بھی دی جاتی ہے۔ ۲۱

### ☆ حضرت مغرب علی شاہ: (مانک چوک)

آپ کا مزارِ مبارک مانک چوک میں ہے۔ ہندو مسلم دونوں میں آپ کے معتقدین کی تعداد زیادہ تھی۔ آپ نے ہر مذہب، ہر قوم کو ایک نظر سے دیکھا۔ ہر جمعرات کو آپ اپنے مقام پر بھجن کا بھی اہتمام کرتے تھے جس میں ہندو بھی بڑی کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ گنتی کے جلوس کے وقت آپ بڑے گنتی کی موتی کو اپنے ہاتھوں سے ہار ڈالتے تھے۔ اس کی وجہ سے شہر میں امن و امان کی اور دوستی کی فضا قائم رہتی تھی۔ آپ کا وصال ۲۶ مارچ ۱۹۲۳ء کو ہوا۔ اسی دن حضرت کا عرس منایا جاتا ہے۔ ۲۲

### ☆ حضرت سید شاہ نور الدین حسین قادری عرف اکبر قاسم صدیقیؒ: (اکبر قاسم مسجد)

آپ کا مزار شریف شکر پیٹھ میں سید شاہ نور الدین حسین قادری مسجد میں ہے اور اب یہ مسجد آپ ہی کے نام سے ”اکبر قاسم مسجد“ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ تصوف، عرفان کے سمندر تھے اور ایک اونچے درجے کے صوفی شاعر تھے۔ مراٹھواڑہ عثمان آباد سے آپ شولا پور تشریف لائے۔ آپ کو خاندانی خلافت حاصل تھی لیکن اس کے باوجود روحانی اور خانقاہی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ نے ادھونی کے شیخ المشائخ حضرت سید شاہ نور الدین حسین قادریؒ کو اپنا پیر و مرشد تسلیم کر کے روحانی تعلیم پائی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم مبارک حضرت خواجہ احمد صدیقی نقشبندیؒ ہے آپ شیخ المشائخ تھے۔ جب آپ لوہارے سے شولا پور تشریف لائے تو اس وقت یہاں حضرت سید قتال حسینیؒ اور حضرت اقرار علی شاہؒ موجود تھے۔ آپ بزرگوں نے بھی آپ کی بڑی عزت کی۔ حضرت شاہ اکبر قاسم صدیقیؒ آپ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ عربی، فارسی، اردو میں دستگاہ رکھتے تھے۔ یہاں رہ کر آپ نے کلام اور بیانات کے ذریعے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دی، اخلاقیات سمجھائے اور اپنے مریدین کو تصوف کی باتیں سمجھائیں اور اپنے کلام کے ذریعے عام و خاص کو نیکیوں کی تعلیم دی۔ خُدا اور نبی کریم اور ان کے آل کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کی۔ آج بھی آپ کے ہزاروں کلام کو یاد ہیں اور مختلف مجالس میں پڑھے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ خیر النضرؒ، حضرت فاتح صدیقیؒ اور حضرت غلام محی الدین جہانیؒ آپ ہی کے خاندان کے بزرگ ہیں جو شاعری میں مشہور ہوئے۔ آپ کا عرس مبارک ۱۳ جماد الثانی کو مسجد اکبر قاسم کے ٹرسٹیوں کی جانب سے ہر سال منایا جاتا ہے۔ ۲۳

آپ کا کلام آج بھی راقم الحرف کے پاس موجود ہے۔ آپ کا کلام آج بھی آپ کے مریدین اپنے حلقوں میں گاتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ یہ کلام شائع نہ ہو سکا۔ آپ کا کلام آپ کے سجادوں کے پاس محفوظ تھا لیکن اب وہ ضائع ہو چکا ہے۔ ہر ہفتے آپ کے مرید آپ کا کلام گایا کرتے تھے۔ سجادے اس کلام کو اپنے حد تک ہی محدود رکھتے تھے۔ کسی کو دیکھنے کی بھی اجازت نہ ہوتی۔ ”آئینہ وفا“ کے خالق حضرت الحاج حافظ عباد اللہ شاہ قادریؒ جو اس وقت شہر کے سب سے

بزرگ پیر و مرشد ہیں اور آپؑ کے سلسلے کے ہیں بچپن سے یہ کلام سنا کرتے تھے۔ سن سن کر آپ کے بہت سے کلام آپ نے حفظ کیا۔ آپ کا حافظہ بہت تیز ہے۔ آپ کو حفیظ جالندھری کا مکمل ”شاہ نامہ اسلام“ زبانی یاد ہے۔ علاوہ ازیں دیگر صوفی شعراء کا کلام آج بھی از بر ہے۔ آپ بذاتِ خود شاعر ہیں۔ اسی ذوق و شوق میں آپؑ نے اپنی بیاض میں اس کلام کو محفوظ کیا۔ آج سے دو تین سال پہلے اکبر قاسمؒ کا سواں (۱۰۰) عرس منایا گیا۔ کچھ معتقدین نے کوشش کی کہ اس موقع پر آپ کا کلام کتابی صورت میں منظر عام پر آئے لیکن یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ آپ کے کلام کو کمپیوٹر پر ٹائپ کیا گیا لیکن ٹرسٹیان پیسوں کی قلت کی وجہ سے اسے شائع نہ کر سکے۔ کمپیوٹر کی ایک کاپی کو بائینڈنگ کر کے اس کا اجراء کیا گیا۔ راقم الحرف نے اس کاپی کو زیرِ عکس کر کے اپنے پاس محفوظ کیا ہے۔ اور انشاء اللہ مستقبل میں اس کو منظر عام پر لانے کی پوری کوشش کرے گا کیوں کہ راقم کو اس کی اہمیت کا احساس ہے۔ آپ کے اس مجموعہ میں حمد، نعت، منقبت، صدی میل، پاکھنڈ اور متصوفانہ کلام ہے لیکن یہاں اسی بیاض سے کچھ کلام بطور نمونہ حافظ عباد اللہ شاہ قادری کا بے انتہا شکر ادا کرتے ہوئے پیش کرتا ہے۔ کیوں کہ یہ کلام آج محفوظ ہے تو محض موصوف کی کوششوں کی بدولت ہے۔

### روایت عشق اللہ جوگی

عشق اللہ ہمارا جوگی کیوں سارے جمع کو  
 بانوا ہیں ملنگ اور خاکی عشق اللہ ہے سارے جمع کو  
 جتنے پاکھنڈ اور ٹانک پنتی سیوڑا جوگی کو  
 نمودار لیس کہتے ہیں جوگی عشق اللہ سارے جمع کو  
 پنت قادر کا ہے اکبر قاسمؒ سبھی بنتوں پہ قادر  
 نوار الدین قادریؒ تیرا ہادی عشق اللہ ہے سارے جمع کو

### نعت

جن خواب میں دیکھا ہے رسول عربی ﷺ کو  
 آنکھوں میں چھپاے لیا وہ خوش فقی کو  
 جب چھپ گئی آنکھوں میں وہ تصویرِ محمد ﷺ  
 ہر شے میں تصور کیا وہ مصطفوی کو  
 جو عاشق احمد ہیں مست ہیں مخمور

بھالے گا وہ کب دل مستی ہے اپنے ربی کو  
 پیدا ہوئے دنیا میں جس روز نبی ﷺ ہیں  
 تسبیح زباں پر تھی رواں بخش امتی کو  
 شاہ اکبر قاسم قادری نعلین نبی ﷺ ہے  
 ہے گاہ شفیق دست پکڑ آل نبی ﷺ کو

### روایت صدی

آہ افسوس صد افسوس الہی ڈوبا  
 شت کر بلا میں محمدؐ کا پیارا ڈوبا  
 سخت دل کیسے تھے اور کافرنگی یارو  
 ایک بیعت جو اسے مارے اسی کو ڈوبا  
 تن ناز کو کیے لہو میں غلطاں یارو  
 سبھی ایک پل میں ہوا لہو میں غلطاں ڈوبا  
 تین دن پیاسا رہا دشت کے میداں اندر  
 قافلہ جس کا رہا برسر عریاں ڈوبا  
 کیاستم ظلم کیے سید الشہداء اوپر  
 گھر دیا، سر کو دیا، راہ میں حق کے ڈوبا  
 سید المرسلین احمدؐ کو پیارا یارو  
 پھول سانا زک بدن تیغہ نقشاں ڈوبا  
 سیدہ جلتا ہے تیرا غم سے اے اکبر قاسم  
 اب قلم تیرا رہا غم کے لہو میں ڈوبا

### روایت صدی میل

اے مومنو شہید ہے سرور نماز میں --- امت کے واسطے  
 تن سے جدا جو ہو گئے سرور نماز میں --- امت کے واسطے

ہے کس نبیؐ کی آل نے سر کو کٹا دیا۔۔۔ امت کے واسطے  
 اور کون ہے حسینؑ سا صابر نماز میں۔۔۔ امت کے واسطے  
 سجدہ میں سر تھا اور خیال امتی کا تھا۔۔۔ امت کے واسطے  
 بارِ الہی بخشش ہے اکثر نماز میں۔۔۔ امت کے واسطے  
 اے اکبر قاسم تیرا خامہ رواں ہے۔۔۔ ماتم حسین ہے  
 محشر تلک رہے گا وہی سر نماز میں۔ امت کے واسطے

گویا کہ آپؐ کے کلام میں لوازمات فنِ ناپید ہیں لیکن آپؐ کے پیغام اور آپؐ کے پند نے شولا پور کے غریب مسلمانوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔

☆ حضرت غیبی پیرؒ : (ہونگی روڈ)

آپؐ کا مزارِ مبارک سہارا نگر کے پاس ہونگی روڈ پر ہے۔ روزانہ زائرین کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ آپکا شمار شولا پور کے قدیم اولیاء میں ہوتا ہے۔ آپؐ کے سلسلے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہو سکی۔ اسم مبارک ”غالب علی شاہؒ“ ہے۔ غیبی پیرؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ مشہور صنعت کار محمد حنیف کا ریگر نے درگاہ کی تعمیر کروائی۔ عرسِ بقرعید کے دوسرے دن منایا جاتا ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ کو جشنِ چراغاں ہوتا ہے۔ ۲۴

☆ قطب الاقطاب حضرت خواجہ مخدوم علاء الدین چشتیؒ : (برہان پور تعلقہ اکلوت ضلع شولا پور)

آپؐ کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول بروز پیر ۶۹۷ھ کو ہوئی اور وصال ۱۲ ربیع الاول بروز پیر ۸۲۶ھ کو ہوا۔ آپؐ کا آستانہ مبارک برہان پور تعلقہ اکلوت ضلع شولا پور میں واقع ہے۔ ہر وقت زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ آپؐ کے فیوض و برکات عوام الناس میں عام ہیں۔

ساڑھے پانچ سو سال پہلے آپؐ دہلی سے برہان پور تشریف لائے۔ یہاں دوسری شادی کی۔ عربی، فارسی، سنسکرت کے ماہر تھے اور حکمت پر کمال حاصل تھا۔ آپؐ کے والد بزرگوار حضرت شاہ کمال الدین سے جدی خلافت تھی۔ خانقاہی اور روحانی تعلیم کی غرض سے آپؐ کے والد محترم کے ماموں حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کی شاگردی میں رہے اور آپؐ ہی کو اپنے پیر و مرشد تسلیم کر کے روشن ضمیری حاصل کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ برہان پور میں آپؐ نے لوگوں کے لئے رشد و ہدایات کا سلسلہ شروع فرمایا۔ لوگوں کی بلیات، تکلیفات، امراض آپؐ کی دعاؤں اور دواؤں سے دور ہو جاتی تھی۔ اس لیے ہمیشہ ایک جم غفیر آپؐ کے اطراف میں رہتا تھا۔ اسی مقام پر آپؐ نے عربی، فارسی کی درس گاہ شروع کی جہاں تشنگانِ علم

اپنی پیاس بجھانے کے لیے آتے تھے۔ یہاں کی خانقاہی تعلیم سے ہزاروں بندگانِ خدا فیض یاب ہوئے۔ اس دور کی مشہور ہستیوں میں آپ کا شمار رہا۔ آپ کی عظمت اور برکت پر فدا ہو کر ہزاروں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کیا اور دینِ اسلام قبول کیا۔

آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت شاہ کمال الدین چشتی سے لے کر حضرت شاہ محمد علی الدین اور حضرت صاحبِ حسینیؒ سجادہ نشین و متولی سے چشتیہ سلسلہ جاری رہا اور آج بھی حضرت سید شاہ ساجد حسینیؒ صاحب کے ذمہ درگاہ شریف کی سجادگی جاری ہے۔

درگاہ کی تعمیر علی شاہ نے کی ہے۔ اس کا طرزِ تعمیر سارے ہندوستان میں انوکھا ہے۔ ہندوستان کے بادشاہوں انگریز گورنروں نے آپ کے اہلِ خاندان کو زمینات و جاگیرات سے نوازا ہے۔

آپ کا عرس شریف ہر سال ۱۳ ربیع الاول کو منایا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی رشد و ہدایات کے لئے اردو زبان کا استعمال کیا۔ آپ کا لکھا ہوا کلام محفوظ تھا مگر اب ضائع ہو گیا ہے۔ راقم الحروف نے اسے حاصل کرنے اور تلاش کرنے کی بہت کوشش کی، کئی لوگوں سے ملاقات کی، بہت ساروں نے کلام کے موجود ہونے کی بات کہی مگر کسی کے پاس سے بھی یہ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ ۲۵

☆ حضرت جلال الدین شاہ بخاری قادری چشتی علویؒ : (کمر تالاب، بیجاپور روڈ)

بیجاپور روڈ پر ریلوے پل کے پاس آپ کا مزارِ مبارک ہے۔ معتقدین کی بھیڑ روزانہ یہاں نظر آتی ہے۔ فیوض و برکات کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ بخارہ سے یہاں تشریف لائے تھے اور یہاں رشد و ہدایات کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ آپ کی درگاہ کی تعمیر میں ایک پارسی جہانگیر والا سیٹھ کا بھی حصہ ہے جو آپ کا معتقد تھا۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک ۱۳ ذی الحجہ کو منایا جاتا ہے۔

☆ حضرت خواجہ سلطان چشتی غازی اقرار علی شاہؒ : (اقرار علی مسجد)

آپ کا مزارِ مبارک شکر پیٹھ میں اقرار علی مسجد میں ہے۔ آپ ہی کے نام مبارک سے یہ مسجد موسوم ہے۔ ہر سال مسجد کے ٹرسٹیوں کی جانب سے ۲۸، شوال کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ آپ لشکر میں تھے۔ یہ بات مشہور ہے۔ شولاپور آنے کے بعد آپ نے سپہ سالاری سے استعفیٰ دے کر جہاں آج مسجد ہے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ آپ صاحبِ علم و فضل اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ اس جگہ آپ نے رشد و ہدایات کا سلسلہ جاری کیا اور ہزاروں بندگانِ خدا کو آپ کا فیض پہنچتا رہا اور آج بھی یہ فیض جاری و ساری ہے۔ آپ کے دستِ مبارک پر ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے۔ آج بھی آپ کا فیض

جاری ہے۔

آپؒ کے مُرشدِ اعلیٰ کا اسمِ مبارک حضرت خواجہ اسرار علی شاہ سلطان چشتیؒ کو اپنی خلافت بخشی تھی۔ آج آپکا سلسلہ جاری ہے۔ آپؒ ایک اچھے شاعر تھے لیکن آپ کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ ایک شعر زبانِ زدِ عام ہے

اقرار ہے کیا کام مجھے شرک و کفر سے  
میں نے خدا کو دیکھ لیا اپنی نظر سے

آپؒ کا زمانہ دو ڈھائی سو سال پہلے کا ہے۔ آپؒ کا عرس ۲۸، شوال کو ہوتا ہے۔ ۲۶

☆ حضرت خواجہ اسرار علی سلطان شاہ چشتیؒ عرفِ کملی والے باباؒ : (جڑے صاحبِ قبرستان)

آپؒ کا مزارِ مبارک بڑے قبرستان جڑے صاحبِ بنگلہ میں ہے۔ عرفان و تصوف میں آپؒ کا درجہ بلند ہے۔ آپ عوام الناس میں کملی والے باباؒ کے نام سے مشہور تھے۔ ہمیشہ آپؒ کے کندھے پر کمبل پڑا رہتا تھا۔ ایک عرصے تک آپؒ احمد آباد میں جمال پورہ کے مقام پر رہے۔ یہاں آپؒ نے ایک عربی مدرسے کی بنیاد ڈالی، لوگوں کو دینِ نبویؐ سے رغبت دلانی اور رشد و ہدایات کا کام کرتے رہے۔ آپؒ کے مُرشد حضرت خواجہ درقر علی شاہ سلطان چشتیؒ قدس اللہ سرہ العزیز ہیں۔ جن کا مزار اقدس ہبلی میں ہے۔ حضرت اسرار علی شاہؒ کے خلفاء اور مریدین کی بڑی تعداد شولا پور میں موجود ہے۔ آپؒ تصوف کے ایک اعلیٰ پائے کے شاعر بھی تھے۔ آپ کا اسم شریف عبدالرحمن صاحب چیتا پورے تھے۔ مرنے سے کچھ دن پہلے شولا پور آ گئے اور اپنے بھائی احمد علی شاہ چیتا پورے کو جو گلبرگہ کی مسجد میں پیش امام تھے۔ انہیں بلا کر خلافت بخشی، احمد علی کے طریقت کا نام نور الحق ہے۔ حضرت نور الحسن نے اپنے بیٹے محمد اسحاق کو خلافت بخشی، جن کے طریقت کا نام 'سراج الحق' ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہر سال آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ آپ کا وصال ۲۸، ذی الحجہ ۱۳۵۵ء کو ہوا۔ آپؒ کا عرس شریف ۲۸، ذی الحجہ کو منایا جاتا ہے۔ ۲۷

مندرجہ بالا بزرگانِ دین کے بارے میں مواد اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان بزرگوں کے دینی، ادبی، علمی کارناموں اور خدمات شہر شولا پور میں اتنی رہی ہیں کہ اس شہر کے اسلاف علم دین و ادب سے مالا مال رہے ہیں۔ ان ہی کی نسلیں جواب تک چل رہی ہیں ان میں انہی اسلاف کا خون ہے اور ان کے عادات و اطوار اور عمل میں دین، انسانیت اور ادب کی خوب بھی ہے۔ یہاں کے باشندے جو کہ ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں بھی وہی خصوصیات ہیں۔ اس طرح شولا پور دینی علم اور ادب سے اب تک مالا مال ہے۔

وہ بزرگانِ دین جن کے مزارات آج بھی شولا پور میں موجود ہیں۔ ان کی کرامات بھی مشہور ہیں۔ یہ تو وہ بزرگ ہیں



جو کہ ظاہر ہوئے تھے۔ ناچیزان کے بارے میں بھی سوچتا ہے کہ جو چھپے رہے۔ عام آدمی کی زندگی عام لوگوں میں بتائی اور پردہ کر گئے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ ایسے بے شمار بزرگ رہے ہوں گے اور ہو سکتا ہے اب بھی ہوں جن کی وجہ سے شولا پور ہزاروں انقلابات، بلاؤں، بیماریوں اور قحط سالی کے باوجود محفوظ ہے۔

اس قدیم شہر شولا پور اور اس کے اطراف و اکناف کے علاقے بزرگانِ دین کی فیض یابی سے ہمیشہ منور رہے ہیں۔ ان بزرگانِ دین کا دیدار کرنے والے ان سے فیض پانے والے کچھ ضعیف بزرگ اب بھی حیات ہیں اور ان میں سے وہ بھی ہیں کہ جنہیں ان کے باپ دادا نے ان بزرگانِ دین کے بارے میں بتایا تھا۔ کچھ چشم دید لوگوں کے بیانات اور اسلاف سے سنی ہوئی باتوں کی روشنی میں جو باتیں قرطاس پر محفوظ ہو گئیں تو ہو گئیں جو باتیں رہ گئیں رہ گئیں۔ جو محفوظ ہو گئی ان پر غور و فکر کریں تو معلوم ہوگا کہ شہر شولا پور غربت و افلاس کا بھلے ہی مسکن رہا ہو لیکن کردار انسانیت، دین و ایمان اور ادب و زبان کے لحاظ سے کسی سے کم نہیں۔ ان ہی بزرگوں کی دعاؤں کا اثر ہے کہ شولا پور کے باشندوں کے لئے روزی روٹی کے مواقع بھی فراہم ہوتے رہے ہیں۔

ان بزرگانِ دین میں کئی بزرگ شاعر بھی تھے، صوفی بھی، دانشور بھی تھے اور زبان داں بھی اور کچھ ایسے صوفی شاعر بھی تھے جنہوں نے اردو زبان میں شاعری کی اور اپنی شاعری کے ذریعہ پیغامِ دین کو عام کیا۔ اس طرح یہاں پر زبان بھی پھلی پھولی اور ادب بھی پروان چڑھتا رہا۔ شولا پور کی اب تک کوئی ایسی تاریخ مرتب نہیں ہوئی ہے جس میں کہ اس شہر کے تہذیبی، علمی، ادبی، سیاسی اور لسانی معلومات ترتیب وار بہ لحاظ سن و سال رقم کئے گئے ہوں۔ جو بھی مواد ہے وہ ادھر ادھر سے چیدہ چیدہ ہی دستیاب ہوتا ہے۔ اردو زبان کے علاوہ دیگر زبانوں میں مسلمانوں اور اردو زبان کے متعلق تو اتنا بھی مواد نہیں۔ دراصل یہ غلطی شولا پور والوں سے ہی سرزد ہوئی ہے جسکی وجہ سے صد فی صد صحیح تاریخ پس پشت ہو گئی۔ اگر صحیح تاریخ مرتب ہوتی تو اس کا سب سے روشن باب ”صوفی ازم“ ہوتا جو کہ اس شہر میں پھلا پھولا اور پروان چڑھا، جو معلومات ملتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خانقاہوں میں ہونے والی مجلسوں میں جو پیغامات تھے جس سے کہ لوگ متاثر ہوتے تھے۔ جاہل اور کم علم آدمی علم حاصل کرتا تھا۔ راہ سے بھٹکے ہوئے انسان منزل پالیتے تھے۔ غیر مذہب کے لوگ مذہبِ اسلام قبول کر لیتے تھے۔ کم عقیدہ لوگوں کے عقائد مضبوط ہو جاتے تھے۔ وہ بزرگانِ دین کی تقریریں ہی تو ہوتی تھیں جو یہ انقلاب برپا کرتی تھیں اور سونے پر سہاگہ تو شعراء کا عمل ہے کہ اخلاقیات اور تبلیغِ اسلام کے مضامین وہ اپنے اشعار میں باندھ کر محفلوں میں سنا کر متاثر کرتے تھے۔ جو بات شعری زبان میں کہی جاتی ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ غنائیت کے ساتھ خوبصورت طرزِ بیان ہو تو اس کا اثر فوراً ہوتا ہے اور جو باتیں نظم کی صورت میں پیش کی جاتی ہیں۔ وہ دماغوں میں بھی محفوظ ہو جاتی ہیں اور کتب و رسائل اور اخبارات

میں بھی۔ راقم الحروف نے قدیم صوفی شعراء کے کلام کے حصول کے لئے بہت کوشش کی ہے اور ان شعراء کے حالات زندگی کو بھی جاننے کی سعی کی ہے تاکہ صوفی ازم کے ان شیدائیوں کی صحیح تاریخ مرتب ہو سکے۔ کوشش کے باوجود زیادہ کچھ حاصل نہیں ہو سکا۔ جو کچھ حاصل ہوا وہ کچھ راقم کے ذوق و جستجو اور بہت کچھ دیگر محققین کی تلاش کا نتیجہ ہے۔

راقم الحروف کی سمجھ اور استطاعت کے مطابق علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری علم کا تعلق، دنیا کے کئی ذیلی علوم سے ہے جس کا چلن عام ہے اور کارہائے جہاں میں یہ کام آتا ہے۔ جس کا جاننا، پانا اور برتنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ یہ ظاہری علم ہی ہے جس کے ذریعہ انسان دنیاوی معاملات اور معمولات میں ترقی کی منزل طے کرتا ہے۔ اسے عام اصطلاح میں ہم سائنس بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بھی کئی گوشے ہیں کئی گڑ ہیں۔ کئی گتھیاں ہیں۔ بہر حال دنیاوی علم (ظاہری علم) نہایت ضروری ہے جسے آدمی ایک زندگی میں جو کچھ اس کے حصے اور اس کی قسمت میں آتا ہے سیکھ پاتا ہے۔

ایک علم ہے باطن، اس علم کا حصول ذرا مشکل اور پیچیدہ ہے۔ اس کے اصول اور ضوابط ظاہری علم کے مطابق نہیں بلکہ مختلف ہیں۔ اس کے لئے صدق دل سے حصول علم کی طرف راغب ہونا اور پوری توجہ سے اس کے لئے جد و جہد اور ریاض کرنا اشد ضروری ہوتا ہے۔ اس علم کے لئے کسی رہبر یا استاد یا پیر کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن بتانے والا صرف راہ بتا سکتا ہے اور اپنے تجربات بیان کر سکتا ہے اور مسئلے مسائل پر غور و فکر کر کے نتائج اخذ کر سکتا ہے لیکن کوئی صد فی صد تو الگ بات نصف سے کم بھی ساتھ نہیں دے سکتا۔ باطنی علم ذاتی جد و جہد، ریاض اور شوق سے حاصل ہوتا ہے۔ جس کی جتنی کوشش ہوگی اس کو اتنا علم حاصل ہوگا۔ یہ سارا علم قیاس اور ذاتی خیال پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسی لئے اس میں بحث و مباحث کی گنجائش بھی نکلتی ہے۔ باطنی علم بیکراں سمندر ہے۔ اس علم کی نہریں بہت ہیں۔ اس علم اور اس کی ذیلی لہروں یا شاخوں سے کسی کو دلچسپی ہو جائے تو اسے کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی جاتا ہے۔ جو خود کے بھی کام آتا ہے اور دوسروں کے بھی۔ ایک بات راقم کی سمجھ میں آئی کہ باطنی علم کا اظہار وہی شخص کر سکتا ہے جس کو کسی زبان پر عبور ہو اور وہ اظہار کے طریقے موثر ڈھنگ سے جانتا ہو۔ ہماری اردو زبان میں بہت سارے ایسے بزرگ مقرر، مصنف اور شاعر گزرے ہیں اور موجود بھی ہیں جو علم باطن سے واقف ہیں اور اپنی زبان دانی کی بنیاد پر قوت اظہار رکھتے ہیں۔ ماضی قریب اور ماضی بعید میں خانقاہوں میں ذکر، مسجدوں میں وعظ اور مدرسوں میں تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے لیکن طور طریقے اور جگہیں بدل گئی ہیں۔ کتابوں کے ذریعے بھی باطنی علم کا اظہار ہمیشہ ہی کیا جاتا رہا ہے۔ اب بھی سلسلہ جاری ہے۔ عربی اور فارسی زبانوں میں تو اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ جس سے یہ علم حاصل کرنے والے اکثر فیض یاب ہوتے ہیں۔ ظاہری علم کی طرح باطنی علم کی دنیا بہت وسیع ہے۔ فی الحال یہاں پر ہم تصوف پر بات کرتے ہیں اور اس کلام پر بات کرتے ہیں۔ جو بزرگ صوفی شعراء کے افکار کا نتیجہ ہے۔

اسی بات میں شولا پور کے صاحب مزار کچھ ایسے بزرگانِ دین کا بھی ذکر آیا ہے جو کہ بہت ہی کہنہ مشق اور پُرگو شاعر بھی تھے۔ ان کے صوفیانہ کلام نے اپنے وقت میں لوگوں کو متاثر کیا اور ان کے کلام کا کچھ حصہ آج بھی لوگوں کو ازبر ہے اور بہت ہی کم کلام کتابوں اور رسالوں میں محفوظ ہے۔ ان کے علاوہ بھی شولا پور میں بہت سارے شعراء صوفیانہ طرز کی شاعری کرتے رہے ہیں۔ بہت سارے تو گننام ہی رہے اور کچھ شعراء شولا پور یا ارد گرد کے کچھ حلقوں تک ہی محدود رہے جس کی وجہ سے تحقیق میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ راقم الحروف کی تحقیق اور مطالعہ میں جو کچھ آیا وہ آگے کے صفحات میں ہے۔ بزرگوں کے صوفیانہ کلام کی مقبولیت کو راقم شولا پور میں اردو زبان کی برقراری اور ترقی ہی خیال کرتا ہے۔

بزرگانِ دین اور دیگر صوفی شعراء کے کلام کی وجہ سے شولا پور میں ایک دینی اور ادبی ماحول پروان چڑھتا رہا۔ ناچیز کے خیال میں شولا پور میں اس ماحول کا ہی نتیجہ ہے کہ آج تک دینی، علمی اور ادبی بات بنی ہوئی ہے۔ بلکہ عوامی اور ادبی شاعری کے ساتھ ساتھ صوفیانہ شاعری آج بھی تخلیق پارہی ہے۔

ڈاکٹر غلام دستگیر عبدالغفور شیخ اپنے ایک مضمون میں بھی رقم طراز ہیں۔

”اسلامی اصطلاح میں علمِ باطن کو تصوف کہتے ہیں۔ تصوف عشقِ رسول کا دوسرا نام ہے۔ تصوف پر عقیدہ رکھنے والوں کو صوفی کہتے ہیں اور صوفی وہ ہوتے ہیں جو دل سے خواہشوں کو دور کر کے خدا کی طرف دھیان لگائے۔ پشیمند پوش ہو، متقی پرہیزگار اور ایسا ہو کہ اپنے دل کو غیر حق سے پاک صاف رکھے۔ علمِ تصوف کے متعلق اختلافِ رائے ہے۔ ہر مسلمان کو اس اختلاف کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے میں دلچسپی ہونا چاہیے کیونکہ ہر قسم کا عمل قوموں کی روحانی زندگی سے ایک اہم اور گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس کے سلسلے میں ہمیں دینی اعتبار سے اس حقیقت کو سمجھنے اور جاننے کی بے حد ضرورت ہے۔ علمِ ظاہر اور علمِ باطن کا امتیاز واقعی اور حقیقی ہے اور علمِ باطن علمِ ظاہر سے بزرگ تر ہے۔“ ۲۸

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوا کہ علمِ باطن کی بڑی اہمیت اور افادیت ہے اور یہ علم، علمِ ظاہر سے برتر علم ہے۔ یہ علم متقی پرہیزگاروں کا علم ہے۔ بتایا گیا کہ اس علم کے بارے میں اختلافات بھی ہیں تو یہ علمی اور دینی بحث ہے لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے اور جو کہ تسلیم شدہ ہے کہ علمِ باطن تصوف کو کہتے ہیں اور تصوف عشقِ رسول کا دوسرا نام ہے اور اس پر یقین رکھنے والے صوفی کہلاتے ہیں۔ ہمارا موضوع بھی صوفی شعراء اور ان کے کلام کے اوصاف سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک مشہور بزرگ صوفی شاعر حضرت پیر احمد شاہ عتیق شولا پوری کے مجموعہ کلام ”تخیلاتِ عتیق“ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ فرماتے ہیں۔

”صوفی کا علم سمندر کی مانند ہوتا ہے۔ کل کائنات کو اپنے اندر سمیٹ کر بھی اپنے آپ کو سادہ، خاکسار اور خادم سمجھتا ہے اور دنیا کو بھی یہی بتاتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع اس کا اول اور آخر مقصد ہوتا ہے۔ یہی ان کی اولیت اور یہی ان کی آخرت ہوتی ہے۔ احمد اور محمد کے عشق میں سرشار ہو کر کہتے ہیں۔

نبیؐ کے چاہنے والے تو گھبراتے نہیں غم سے  
ہمارے عشق کا رشتہ ہے سرکارِ دو عالم سے  
خدا خود جانتا ہے حشر میں پوچھے گا کیا ہم سے  
ہمیں کیا فکر جنت کی ہمیں کیا ڈر جہنم سے

مدد پر ہیں رسول اللہؐ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ۲۹

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوا کہ صوفی کا علم کیا ہوتا ہے اور اس کا دینی و علمی کردار کیا ہے اور وہ اپنے آپ میں علم کی دولت اور کائنات رکھ کر بھی اپنے آپ کو سادہ اور خاک سمجھتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مشہور و مقبول صوفی شاعر پیر احمد شاہ عتیق شولا پوریؒ کے ایک مقبول نظم کا ایک بند بطور نمونہ پیش کر کے صوفیانہ کلام کا معیار اور وقار ظاہر کیا ہے۔

حضرت عتیقؒ کا مجموعہ کلام ”تخیلات عتیق“ کا مطالعہ راقم الحروف نے بھی کیا ہے۔ ان کے صوفیانہ کلام کو جاننے اور سمجھنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس مجموعہ کا ہر ورق بار بار پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ کلام کو پڑھنے سے ایک روحانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

”تخیلات عتیق“ کی اشاعت مارچ ۱۹۸۰ء میں عمل میں آئی۔ اسے ادارہ بحر الفیض شولا پور نے شائع کیا۔ قیمت ۸ روپے تھی۔ اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدر آباد میں چھپی۔ یہ کتاب ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ سارا کلام علمِ باطن پر مبنی ہے۔ اس میں نعتیں بھی ہیں حمد بھی اور منقبتیں بھی۔ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ اس کتاب کا پہلا کلام ہے۔ ملاحظہ فرمائے۔ پہلا شعر (مطلع)

صفاتِ معتبر سے جب ہوئی تحریر بسم اللہ  
وجودِ آب و گل میں ہو گئی تعمیر بسم اللہ ۳۰

اس کتاب کی پہلی نظم ”شوقِ دیدار“ ہے۔ اس میں حضرت عتیقؒ کی شعری صلاحیتیں اور ان کا صوفیانہ مزاج شباب پر

نظر آتا ہے کہ اس میں رسولِ پاکؐ کا اللہ سے تعلق اور اس تعلق کا اثر شاعر پر ظاہر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

کب تلک خود کو میری جان ہے چھپانا تیرا  
دیکھنے والوں نے دیکھا ہے ٹھکانا تیرا  
شوق دیدار لیے طور پر پہونچے موسیٰ  
راز ہی راز ہے جلوہ بھی دکھانا تیرا  
اس قدر کیوں ہے توشیدائے محمدؐ اے خدا  
یہ معمہ بھی کسی نے نہیں جانا تیرا  
ہے سرا سرتیرے محبوب محبت کی دلیل  
شبِ معراج محمدؐ کو بلانا تیرا  
کیوں لگانے لگے ہم دیو حرم کے چکر  
ہے رگِ جاں سے بھی نزدیک ٹھکانا تیرا  
دمبدم ہوتا ہے سرمستی عرفاں حاصل  
خوب ساتی ہے، نگاہوں سے پلانا تیرا  
ہو کے مسرور عتیق عزمِ سفر کرتے ہیں  
جب سے کہ جان گئے آنا و جانا تیرا

۳۱

”تخیلاتِ عتیق“ میں مختلف عنوانات کے تحت کلام موجود ہیں۔ جیسے آرزوئے مدینہ، بہت اعلیٰ ہے مرتبہ احمد مختار کے گھر کا، خانہ دل، جام و صبو، اللہ کے حبیب، چہرہ حق، مقامِ غوث، فیضِ رواں، عرب کا چاند، محمدؐ کی کملی ہے قدرت کی چادر، تعویذ، گیسوئے تابدار، درویش، یا محیط اور بھی کئی عنوانات ہیں جس کے تحت کلام علم اور نور کی روشنی بکھیرتا ہے اس کے علاوہ بھی ”متفرقات“ کے باب میں کئی ایسی نظمیں ہیں جو مانوس اور سنی سنائی لگتی ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ کلام برسوں سے مشہور ہیں۔ فقیروں اور خانقاہوں میں پڑھا اور گایا جاتا رہا ہے۔ راقم الحروف کا بھی مشاہدہ ہے کہ حضرت عتیق کا کلام سینہ بہ سینہ پھیلتا ہوا اکیس ویں صدی کی اُردو تہذیب تک پہونچ چکا ہے۔ ان کے کئی اشعار تو مولوی اور واعظ اپنی تقریروں میں استعمال کرتے ہیں۔ اور فقیروں میں بھی ان کا کلام مقبول ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت عتیق کا باطنی علم شہرت پا کر ہر خاص و عام

میں پھیل چکا ہے۔

حضرت عتیق کا کلام سماع میں بھی پڑھا اور گایا جاتا رہا ہے اور قوال حضرات نے تو ان کے کلام کو گا کر سارے ہندوستان میں پھیلا دیا ہے۔ اس صوفی شاعر کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ کئی جگہوں پر ان کا کلام شہور ہے لیکن بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ کلام عتیق شولا پوری کا ہے۔ ہاں یہ ہے کہ شولا پور اور اس کے ارد گرد کی بستیوں، گاؤں اور شہروں میں یہ کلام ان کے نام سے سنا سنا جاتا ہے۔

حضرت عتیق کی ایک نظم ”جو ہوگا دیکھا جائے گا“ ایک شاہکار نظم کا درجہ رکھتی ہے۔ راقم الحروف یہ کہنے کی بھی جسارت رکھتا ہیکہ یہ کلام ہر اس جگہ پر موجود ہے جہاں اردو اور اردو تہذیب موجود ہے۔ یہ جسارت ناچیز نے اس لئے کی کہ یہ حقیقت ہے اور حقیقت کو چھپانے کا پردہ اس سرزمین پر ایجاد ہی نہیں ہوا۔ بس دیکھنے اور تاڑنے والے کی نظر چاہیے حقیقت ہزار پردوں کے پیچھے سے اپنی جھلک دکھا ہی دیتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ وہ شاہکار نظم۔

جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

اٹھالے جام الا اللہ جو ہوگا دیکھا جائے گا

تو پی لے پڑھ کے بسم اللہ جو ہوگا دیکھا جائے گا

کسی سے ہے تجھے نسبت تو پھر کانٹوں پہ چلتا ہے

سراپا عشق بن کر عشق کے سانچے میں ڈھلنا ہے

محبت کے بھڑکتے تیرا نگاروں پہ چلتا ہے

لباس ہستی فانی اگر تجھ کو بدلنا ہے

لگالے ضرب الا اللہ جو ہوگا دیکھا جائے گا

نبیؐ کے چاہنے والے تو گھبراتے نہیں غم سے

ہمارے عشق کا رشتہ سے سر کا دو عالم سے

خدا خود جانتا ہے حشر میں پوچھے گا کیا ہم سے

ہمیں کیا فکر جنت کی ہمیں کیا ڈر جہنم سے

مدد پر ہیں رسول اللہ جو ہوگا دیکھا جائے گا

میرے سر پر کسی کامل کا ہے دستِ کرم ورنہ

معاذ اللہ زمانہ زندگی دشوار کر دیتا  
 وسیلہ لے کے آیا ہوں وسیلہ سے ہوا پیدا  
 مددگاروں کا کوئی نام پوچھے گا تو کہہ دوں گا  
 عتیق اللہ کریم اللہ، جو ہوگا دیکھا جائے گا  
 ملا قربانی کا جس وقت حکم یا وِ محشر  
 مسرت سے اچھل پڑتے اسمعیل یہ سن کر  
 خلیل اللہ سے بولے ذبیح اللہ یہ ہنس کر  
 چھری کو تیز کر کے اور رکھ کر میری گردن پر  
 پھر ادو پڑھ کے بسم اللہ جو ہوگا دیکھا جائے گا  
 نگاہوں کے مقابل میں جمال یار تو ہوگا  
 دل مضطر بہارِ حسن سے سرشار تو ہوگا  
 جو پردے میں ہے پوشیدہ وہ جلوہ یار تو ہوگا  
 بلا سے طور جل جائے مگر دیدار تو ہوگا  
 یہی سوچے کلیم اللہ جو ہوگا دیکھا جائے گا ۳۳

مندرجہ بالا کلام عتیق کے روحانی وجدان کی ایک مثال ہے۔ ان کی ساری شاعری میں اسی طرح کی کیفیات موجزن ہیں۔ جہاں تک اس شاہکار کلام کی بات ہے۔ اس کے ساتھ یہ ہوا ہے کہ اسے جب قوالوں نے گایا تو کبھی کہیں اپنا نام بھی کسی مصرعے میں لے لیا اور گرہ لگالی، گرہ لگانے والے شعراء نے بھی کسی نہ کسی مصرعے میں اپنے تخلص کا بھی استعمال کر لیا لیکن بنیادی کلام کا استعمال تو انہیں ہر صورت میں کرنا پڑا۔ ایسا ہوتا ہی ہے لیکن یہ کیا کم ہے کہ ہر حال میں حضرت عتیق کے خیالات اور جذبات لوگوں کے دلوں کو گرما رہے ہیں اور موزِ حیات پر سوچنے پر اکسار رہے ہیں۔ حضرت عتیق کو جاننے ماننے اور چاہنے والوں کی کمی نہیں۔ ذیل میں ان کے کچھ مداحوں کے خیالات درج کیے جا رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ عتیق صاحب کی شخصیت کتنی اعلیٰ و ارفع ہے اور ان کے خیالات اور جذبات کا معیار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

☆ محمد عبدالعزیز نازاں شولا پوری:

محترم عتیق صاحب زمانہ دراز سے کمترین کے ہم مجلس رہے۔ میں نے ہر زاویہ نگاہ سے آپ کا مطالعہ کیا۔ آپ کے دینی اور ملی خدمات قابلِ صدا افتخار ہیں۔ اللہ پاک زیر سایہ اولیاء ہر کام پر موصوف کو کامرانی بخشے۔ اور تشنہ دہن آپ کے دستِ حق پرست سے اپنی طلب کا کاسہ بھریں۔ ۳۳

☆ سرگرو فقراء صدر منڈل شولا پور حضرت سید امان اللہ شاہ قادری صاحبِ طرطوی :

جناب پیر احمد شاہ قادری عتیق ایک با ادب اہل طریق ہیں۔ یقیناً اپنے مرشدانِ کاملین کے فیضان سے مشرف ہیں۔ ہزاروں عقید مند آپ سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہر دلعزیزی آپ کا زیو طبعی رہا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ بہ فیضِ بختِ تن پاک بہ وسیلہ قدیری آپ کے سلسلے کو دراز فرمائے۔ آمین ۳۴

☆ جناب حافظ عباد اللہ شاہ قادری صاحب :

(نبیرہ عارف با کمال حضرت اکبر قاسم شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ و جمیع برادرانِ طریقت، شکر پیٹھ شولا پور)

ہم جمیع برادرانِ طریق دعا کرتے ہیں کہ رب العالمین موصوف عتیق صاحب کو مقبولِ خاص و عام بنادے اور آپ کے علم و ادب سے ماحول روشنی پائے۔ آمین ۳۵

☆ جناب نسیم مٹان صاحب :

محترم عتیق صاحب مئے عشق حقیقی کے نشے میں سرشار ہیں۔ ان کا کلام ابتدا تا آخر جذب و کیف کی مستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اگر شاعری دلی کیفیات کے اظہار کا نام ہے تو عتیق صاحب اس میں کامیاب ہیں۔ یقیناً آپ کا کلام مقبولِ خاص عام ہو گا۔ ۳۶

☆ جناب یکتا صاحب شولا پوری :

عزیز گرامی حضرت احمد شاہ قادری عتیق کے اور میرے مراسم بہت دیرینہ ہیں۔ وہ ایک صوفی منش سادگی پسند با اخلاق شخصیت ہیں۔ جہاں تک میں نے محسوس کیا وہ اپنی طبیعت کے تقاضے کے مطابق وہی اپنے صوفیانہ خیالات و اردات جو ان کا خاص ورثہ ہے۔ من و عن بلا کسی تصنع و تکلف کے نہایت سادگی کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ سادگی نشتر کا بھی کام کر جاتی ہے اور یہی شعر گوئی کے فن کا کمال ہے۔

”اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ“ ۳۷

☆ ”وسیلہ“ (شعری مجموعہ) الحاج حافظ اکبر علی عباد اللہ شاہ قادری قدیری



حافظ اکبر علی کا شمار شولا پور کے معتبر و معزز ہستیوں میں ہوتا ہے۔ آپ کا کلام عرفانِ حق اور عشق اور عشقِ رسولؐ کی عقیدت سے معمور ہے۔ آپ کم کم کہنے مگر خوب کہنے کے عادی ہیں۔ اہل شولا پور کا ایک مخصوص حلقہ آپ کے کلام کا شیدائی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ”وسیلہ“ آپ کا دوسرا مجموعہ کلام ہے۔ جسے شولا پور کے ایک مشہور ادارہ ”بزمِ غالب“ نے شائع کیا ہے۔ حافظ اکبر علی نے ”میں شکر گزار ہوں“ کے تحت اپنی بات اس طرح کی ہے۔

”الحاج حضرت خواجہ سید ابراہیم شاہ قادری چشتی یمنی بندہ نوازی المخلص صاحبِ قدیریؒ سجادہ نشین آستانہ قدیری ہلکٹہ شریف کا جن کی سرپرستی میرے لئے باعثِ رحمت ہے۔ ۳۸

اس کے ساتھ ہی انہوں نے ان کے برادرِ طریق سید عارف نعمانی کی رہنمائی اور جناب بشیر پرواز کے ان کے کلام پر نظر ثانی کرنے کا، جناب عبدالشکور شعور کے تعاون کے ساتھ اپنے اور کچھ احباب کا بھی شکریہ ادا کیا۔ آخر میں مجموعہ کلام کو شائع کرنے کی ذمہ داری لینے پر بزمِ غالب شولا پور کا بھی شکریہ ادا کیا ہے۔

اس شکریے نامے کا ذکر یہاں اس لئے ضروری ہے کہ شاعر کی عقیدت اور محبت اپنے بزرگوں اور دوستوں سے ظاہر ہو اور یہاں یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ شاعر نے اس کے علاوہ اس کتاب میں نہ اپنے بارے میں کچھ لکھا اور نہ ہی اپنی شاعری کے بارے میں۔ اور ”عرضِ ناشر“ کے عنوان سے ادارہ بزمِ غالب کی طرف سے جو تحریر شائع ہوئی ہے۔ اس میں اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ادارے کی جو خدمات ہیں اس کے بارے میں ہی لکھا ہے۔ ”وسیلہ“ کو اشاعتی پروگرام کی ایک کڑی بتایا ہے۔ اس میں شاعر کے بارے میں ایک دوسرے کے علاوہ کچھ نہیں جبکہ ناشر اور شاعر دونوں کو چاہیے تھا کہ شاعر اور شاعری کے بارے میں اپنے خیالات کا ذکر کرے۔

زیر تبصرہ کتاب کا انتساب فرزندِ فہیم احمد اور دخترِ اشرف جہاں کے نام منسوب کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کا پیار دلا اپنے بچوں سے بہت ہے۔

یہ شعری مجموعہ ”وسیلہ“ شاعری کا مجموعہ ضرور ہے لیکن اسے ”کتاب“ کا درجہ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ صرف دو جڑوں پر مشتمل ہے یعنی صرف ۳۲ صفحات۔ اس لئے اسے کتابچہ کہا جائے گا۔

مجموعہ کلام ”وسیلہ“ کا پہلا کلام نعتِ پاک ہے۔ جس کا پہلا شعر ملاحظہ فرمائیں۔

حرفِ ثنائے حق تو اجالوں کا نام ہے

اور نعتِ پاک دہر میں خوشبو تمام ہے ۳۹

اس مجموعہ کے ابتدائی صفحات پر نعتیں شائع ہوئی ہیں۔ ہر نعت اپنی جگہ پر مغز اور بامعنی ہے۔ کہیں کہیں پر تو نعت

کے شعر پڑھ کر دل نور سے بھر جاتا ہے اور دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر نعتوں کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

وجہ تخلیق کائناتِ خدا

اس کے ہادی و رہنما تم ہو

۴۰

ایماں کی کسوٹی ہے کھری سیرتِ نبیؐ

پاکیزہ یہاں ایسا کوئی مرحلہ نہیں

۴۱

ہجر نبیؐ کی آگ نے دل کو کیا کباب

اس آگ کا شرارہ تو اب تک جگر میں ہے

۴۲

تڑپ ہجر احمدؐ کی ہے نعمتِ رب

عطا جس کو یہ ہو وہ اعلیٰ فنی ہے

۴۳

ہیں سراپا نور، نور اللہ آپؐ

اس کامیں پر تو بنا ہوں یا رسولؐ

۴۴

اپنائے جو حیات میں کردارِ مصطفیٰؐ

جائے جہاں سے دائمی اشہر لئے ہوئے

۴۵

مندرجہ بالا نعت کے اشعار محض نمونہ پیش کئے گئے ہیں لیکن ان نعتوں کا ہر ایک شعر رسول اکرمؐ کی محبت اور عقیدت سے پر ہے۔ کچھ جگہوں پر تو گمان ہوتا ہے کہ شاعر یا درسولؐ میں اتنا محو ہے کہ اسے اپنی سدھ بدھ نہیں۔ توجہ سے نعت پڑھتے وقت اس بات کی خوب محسوس کی جاسکتی ہے۔ راقم الحروف پر ان کے لفظوں نے بہت اثر کیا جس کا اظہار اپنے لفظوں میں ناچیز نہیں کر سکتا۔

نعت کا فن بہت ہی مشکل اور نازک فن ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح رباعی کا فن ہے لیکن یہ تو رہی صرف شاعری کے فن کی بات، اگر مضمون پر بات کریں تو شاعری میں مضمون بندی کے لحاظ سے اگر کوئی صنف شاعری مشکل اور نازک ہے تو وہ ہے نعت گوئی یہی بات حمد گوئی کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے لیکن حمد میں اللہ تعالیٰ کی ثنا ہوتی ہے جو کہ دونوں جہانوں کا مالک گل ہے اور جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے لیکن شعراء نعت کے مقابلے میں حمد آسانی سے کہہ سکتے ہیں۔ اپنے من پسند مضامین نظم کر سکتے ہیں لیکن نعت میں شاعر کو ثنا اور توصیف کے لئے بھی ایک حد مقرر کرنا پڑتا ہے۔ نعت میں سیرتِ نبیؐ اور اوصاف، عادات اور پیاماتِ نبیؐ کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے اور اس کے علاوہ نبیؐ کریم سے محبت اور عقیدت ایسی بھی نہ ہو کہ نعت کا شعر حمد کا شعر دکھائی دے۔ اس لحاظ سے بھی دیکھیں تو عباد اللہ صاحب نے نعتیں بڑے احترام اور احتیاط سے کہی ہیں۔ یہ ان کے پختہ شعور کی علامت اور مشقِ سخن کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ صاحب جنہوں نے شولا پور کے شعراء کے کلام پر تنقیدی مضامین لکھے ہیں اور ”شہر شولا پور کے روشن چراغ“ نام کی کتاب شائع کی ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے عباد اللہ قادری کی نعتیہ شاعری پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے جو کتاب کا پہلا مضمون ہے۔ اس میں انہوں نے کہا کہ ”نعت گوئی کا آغاز خود حضورؐ کی حیاتِ مبارک میں ہوا۔ تمام صحابہ شاعری میں ملکہ رکھتے تھے۔ حضورؐ کی خدمت میں جذبہ عقیدت و محبت کے نذرانے پیش کرتے تھے۔“ اسی میں ڈاکٹر صاحب نے نعت کے سلسلے میں ڈاکٹر محمد شرف الدین کا ایک اقتباس پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”نعت کے لغوی معنی وصف ہیں لیکن شاعری کی اصطلاح میں نعت اس صنف کو کہتے

ہیں جس میں حضرت محمدؐ کے وصف مجموعہ کو بیان کیا جائے اور آپ کے اخلاق و فضائل

کا حقیقی تذکرہ کیا جائے۔“ ۳۶

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں بھی دیکھیں تو حافظ اکبر علی کی نعت گوئی پوری اترتی ہے۔ نعت کو صنف شاعری کہا جاتا ہے لیکن یہ کوئی صنف نہیں، شاعری کی صنف اسے کہیں گے جس کا کوئی فارم ہو، کوئی اصول، کوئی طریقہ ہو، کوئی پابندی یا بندش ہو۔ نعت کہنے میں ایسے کسی اصول کی ضرورت نہیں بس یہ ہے کہ وہ منظوم ہو اور اس میں بقول ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحلِ حجرِ محمدؐ کے وصفِ محمود کو بیان کیا جائے اور آپ کے اخلاق و فضائل کا حقیقی تذکرہ کیا جائے۔ راقم الحروف حافظ اکبر علی کی نعت گوئی سے اس وقت متاثر ہوا جب ان کی کئی نعتیں توجہ سے پڑھیں ایک ایک شعر کئی بار پڑھا اور سمجھنے کی کوشش کی تو شعر کی گرہیں کھلتی چلی گئیں۔ ایسی نعتیں کم ہی پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں بقول غلام دستگیر شیخ۔

”نعت لکھنا گویا پل صراط سے گزرنا ہے نعت لکھنا جتنا آسان ہے اتنا ہی مشکل

بھی نہ تو اس میں غلو کی اجازت ہے اور نہ ہی ہجو کی گنجائش ہے۔ معمولی سی بے احتیاطی

شرک کے دہانے پر لاکھڑا کر دیتی ہے اس لیے اس میں احتیاط شرط ہے۔“ ۴۷

مندرجہ بالا اقتباس کے بعد یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حافظ اکبر علی ایک معتبر نعت گو شاعر ہیں۔

”وسیلہ“ میں ایک ”منقبت“ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پر ہے۔ یہ منقبت بہت سی خوبیاں اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس میں موسیقیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور منقبت کے معیار پر بھی یہ پوری اترتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے قاری کے ذہن میں غنائیت اور موسیقیت کی لہریں اٹھنی شروع ہوتی ہیں اور اختتام پر ایک سرور سا محسوس ہوتا ہے۔ یہ منقبت مشہور بھی ہے۔ اسے قوال اور دیگر گانے والے سماع کی محفلوں میں اور مخصوص اہل ذوق کی محفلوں میں سراور تال کے ساتھ گاتے ہیں تو سننے والے جھوم جھوم اٹھتے ہیں۔ راقم الحروف نے بھی قوالوں سے یہ منقبت سنی ہے۔ اشعار میں حضرت کے اوصاف کو موثر ڈھنگ سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کا آخری شعر ملاحظہ فرمائیں۔

گرویدہ عباد اللہ ہے آپؐ کی الفت کا

نظر کرم کا صدقہ خواجہ معین چشتیؒ

۴۸

حافظ اکبر علی، عباد اللہ تخلص استعمال کرتے ہیں۔ تخلص کا استعمال بھی کمال فن ہے۔ جو ہر شاعر کی قسمت میں نہیں۔ لیکن حافظ اکبر علی تخلص کا استعمال جانتے ہیں۔ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت فن شاعری کے ایک ایک گر سے خوب خوب واقف ہیں۔ اس مختصر سے کتابچے میں علم و فضل کی ایک دنیا آباد ہے۔ غزل کے فارم میں یہ نظمیں آپ اپنا جواب ہیں۔ انھیں غزل مسلسل بھی کہا جاسکتا ہے۔

”وسیلہ“ کے کلام پر تنقید، تبصرہ یا اظہار خیال کرنے والوں نے تو بہت کیا لیکن راقم الحروف نے بحیثیت قاری اس کا مطالعہ کیا ہے اور یہ کہنے کے موقف میں ہے کہ واقعی اس کو زے میں ایک سمندر بند ہے۔ راقم کی یہ بساط نہیں کہ ایک ایک شعر کی تشریح کرے اس لیے اس کتاب سے چند اشعار پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ یہ اشعار پڑھنے کے بعد اندازہ ہو جائے گا کہ حجرت کا کلام کس معیار اور مرتبہ کا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں چند شعر۔

موت ہی ہے وصلِ رب کا واسطہ

وقتِ نزع اس سے ہم کترائیں کیا

۴۹

ہے ترے لیے یہ شش جہت، یہاں رکھ اسی سے توانسیت  
جو سمجھ لے اپنی تو فوقیت، تو خدائی تجھ سے لپک گئی!

۵۰

عشق سے ہو بعیدِ مُردہ دل  
حق کی ہر بات سے مکر جائے

۵۱

اپنی حیات کر لے محدود ذکر حق میں  
محشر میں شاد ہو گا یہ دل پکھل یگل کے

۵۲

لگٹھا تو آیا اور بلایا تو چل دیا  
اس درمیان ہجر کے صدمے سہا ہوں میں

۵۳

آدم سے لے کے عیسیٰ تلک سارے نام پاک  
اسمِ جیب جیسا کوئی نام نہیں ہے!

۵۴

جو جنوں میں جب بھی خدا یاد آ گیا  
کھوئی ہوئی خودی کا پتہ یاد آ گیا!

۵۵

غرض صوفیائے کرام نے شولا پور میں اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں کافی اہم رول ادا کیا ہے۔ یہ ان ہی بزرگوں کا فیضان ہے کہ شولا پور میں اردو شاعری ترقی کی منازل طے کرتی ہوئی ادبی شاعری کی کسی کسوٹی پر پوری پوری اترنے کے لائق بنی ہوئی ہے۔ راقم الحروف مولوی عبدالحق کے قول پر اپنی بات کو ختم کرتا ہے کہ:

”میں صوفیائے کرام کو محسنِ اُردو خیال کرتا ہوں۔“

### حواشی

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	ناشر	سن اشاعت	صفحہ
(۱)	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔				
	(شولا پور کا تاریخی، پس منظر، عبدالرشید جنواڑ کر نسیم منان)		اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور	۱۹۹۹ء	۱۰۹
(۲)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۰۹
(۳)	تخیلات عتیق۔	پیر احمد شاہ قادری عتیق	بحر الفیض ضلع شولا پور، مہاراشٹر	۱۹۸۰ء	۱۶
(۴)	شولا پور تاریخ کے آئینے میں				
	(شولا پور کے صوفی شعرا کے کرام / نسیم منان) نسیم منان۔		اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور	۱۹۹۹ء	۵۸
(۵)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۵۹
(۶)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۰
(۷)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۰
(۸)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۰
(۹)	شولا پور تاریخ کے آئینے زمین				
	(شولا پور کے صوفی شعرا کے کرام / نسیم منان) نسیم منان۔		اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔	۱۹۹۹ء	۶۱
(۱۰)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۱
(۱۱)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۱
(۱۲)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۲
(۱۳)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۲
(۱۴)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۲

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۱۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۲
۱۶	شولا پور تاریخ کے آئینے میں			
	(شولا پور کے صوفی شعرا کے کرام / نسیم منان) نسیم منان۔	اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔	۱۹۹۹ء	۶۲، ۶۳
۱۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۳
۱۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۳
۱۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۳، ۶۴
۲۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۴
۲۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۳، ۶۴
۲۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۴، ۶۵
۲۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۵
۲۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۶
۲۵	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔			
	(شولا پور کے صوفی شعرا کے کرام / نسیم منان) نسیم منان۔	اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔	۱۹۹۹ء	۶۶، ۶۷
۲۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۸
۲۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۶۸، ۶۹
۲۸	شولا پور کے روشن چراغ			
	(شاعر تصوف)	ڈاکٹر غلام دستگیر	این آر بیریا میموریل ٹرسٹ شولا پور	۲۰۰۶ء
۲۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۱۵
۳۰	تخیلات عتیق۔	پیر احمد شاہ قادری عتیق	بحر الفیض ضلع شولا پور، مہاراشٹر	۱۹۸۰ء
۳۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۷
۳۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۹۰

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔ (عقیق اپنے مداحوں کی نظر میں)۔	(۳۳)
۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۴)
۱۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۵)
۱۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۶)
۱۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۷)
۵	۲۰۰۶ء	بزم غالب، شولا پور۔	عبداللہ شاہ قادری	وسیلہ (میں شکر گزار ہوں)	(۳۸)
۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۹)
۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۰)
۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۱)
۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۲)
۱۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۳)
۱۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۴)
۱۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۵)
۸	۲۰۰۶ء	این۔ آر بیریا میموریل ٹرسٹ شولا پور	ڈاکٹر غلام دستگیر	شہر شولا پور کے روشن چراغ	(۴۶)
۱۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۷)
۱۴	۲۰۰۶ء	بزم غالب، شولا پور	عبداللہ شاہ قادری	ایضاً۔	(۴۸)
۱۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۹)
۱۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۰)
۱۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۱)
۱۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۲)
۱۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۳)



۲۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۴)
۲۲	۲۰۰۶ء	بزم غالب، شولا پور	عباد اللہ شاہ قادری	وسیلہ (۵۵)



## باب سوم

### شولاپور میں اردو شاعری کی روایت اور رفتار

شولاپور میں شاعری کی روایت بہت ہی قدیم اور بہت ہی وسیع ہے۔ اس روایت کے تئیں جو کام ہونا تھا اب تک نہیں ہوا ہے۔ اصل میں صوفیائے کرام کی شاعری ہی شولاپور کی بنیادی روایت ہے۔ جو بزرگوں کی محفلوں میں پل کر عہد شباب کو پہونچی اور اب جبکہ برس ہا برس گزر چکے ہیں۔ تو وہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ آگے بڑھ رہی ہے۔ مذہبی اور صوفیانہ شاعری کے علاوہ بھی اسی زمانے میں شعراء حضرات غزلیں بھی لکھا کرتے تھے اور شاعری کے مختلف اصناف میں طبع آزمائی بھی کیا کرتے تھے۔ ادبی نشستیں بھی ہوتی تھیں اور مشاعرے بھی منعقد کئے جاتے تھے۔ بہر حال اردو شاعری کا اچھا خاصہ ماحول بنا ہوا تھا۔ دور دراز مقامات سے آ کر یہاں بسنے والے شعراء کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی۔ یہاں کے مشاعروں میں شولاپور کے شعراء کے علاوہ دکن کے نامی گرامی شعراء بھی شرکت فرماتے تھے۔ اس کے باوجود یہاں عوامی مشاعروں کا رواج عام نہ ہو سکا۔ مخصوص اہل ذوق سامعین ہی ان مشاعروں سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے اور نشستوں میں بہت ہی کم سامعین آتے مگر شعراء کی تعداد زیادہ ہوتی۔ غیر طرحی نشستوں کے علاوہ طرحی نشستیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ یہاں کے استاد شعراء مخلص اور فن دان تھے وہ اور روشنی پھیلتی رہی۔ شعراء اور عوام کا شعری رشتہ قائم رہا اور یہ سلسلہ آگے آگے اور آگے بڑھتا ہی رہا اور اکیسویں صدی تک آپہونچا۔ شولاپور کے ادب میں نثر سے زیادہ سرمایہ شاعری کا ہے۔ لیکن یہاں کے شعراء کی فنکارانہ لاپرواہی کی وجہ سے اس سرمائے کا بہت بڑا حصہ محفوظ نہ رہ سکا۔ راقم الحروف نے بہت کوشش کی کہ پرانی کتابیں مجموعے اور مطبوعات حاصل ہوں تاکہ اس زمانے کی شاعر پر غور و فکر کر کے کسی نتیجے پر پہونچا جائے لیکن کوشش کے باوجود کچھ زیادہ حاصل نہ ہو سکا جو کچھ ملا برائے نام آثار کے طور پر ملا اور پھر راقم الحروف نے ستر اسی برس کے ادبی ذوق رکھنے والوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ یہاں ان کی یادداشت کا مسئلہ درپیش رہا۔ یہ معلوم ہوا کہ ماضی میں آج کے مقابل یہاں خاصہ ادبی ماحول رہا ہے۔ بزرگوں کی گفتگو میں شگفتہ بیانی تھی دیکھے ہوئے ماحول کی شگفتہ بیانی تھی دیکھے ہوئے ماحول کی شکستہ مگر خوشگوار باتیں تھیں؟ ان باتوں کو راقم ضبط تحریر میں اس لئے نہیں لاسکتا کہ ان کی باتوں میں صداقت تو نظر آئی مگر شک و شبہ کی گنجائش بہت تھیں۔ اگر کوئی بڑی عمر کے بزرگ شاعر ہوتے تو بہت ساری باتیں ثبوت کے ساتھ مل جاتیں۔ اس لئے راقم الحروف نے یہ طے کیا کہ جو بھی مجموعے ہاتھ لگ جائیں انہیں کا مطالعہ کیا جائے اور اپنی سمجھ اور بساط کے مطابق اظہار کیا جائے۔ ماضی قریب ہو کہ ماضی بعید شعراء حضرات کا کلام کتابی شکل میں شائع ہو جانا بہت بڑی بات سمجھی جاتی تھی۔ ایک تو معیاری انتخاب اور بے عیب شعر کا معاملہ

تھا اور دوسرے چھپائی کی صعوبتیں الگ تھیں، کتابت اور طباعت کی خرچ بھی ہر شاعر برداشت نہیں کر پاتا تھا اور نہ ہی اس وقت اکاڈمیاں تھیں کہ جس سے جزوی مدد کتاب کی اشاعت کے لیے مل جائے اور نہ ایسے خانگی ادارے تھے جو اس سلسلے میں مدد کر سکیں۔ ادبی کتابوں کی ناشرین کی ہر دور میں کمی رہی ہے کیونکہ ان کتابوں کی نکاسی ہونے میں پاتی ہے۔ ایسا یہاں بھی رہا لیکن بیسویں صدی کے آخری دہائی سے لے کر اکیسویں صدی کے اس دہے تک ہماری دنیا میں کتابوں کی اشاعت جس بڑی تعداد میں ہوئی ہے۔ وہ پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ شولا پور کے شعراء کا کلام اس عرصے میں زیر طباعت سے بچ کر عوام کے سامنے آیا۔ یہ خوش آئند بات ہے اور آئندہ بھی امید ہے کہ بہت اچھے اچھے معیاری شعری مجموعے منظر عام پر آئیں۔

شولا پور کے اہم شعراء کے جو مجموعے منظر عام پر آ کر مقبول ہو چکے ہیں۔ اور جو راقم الحروف کو دستیاب ہو سکے۔ ان تجزیے، تبصرے ملاحظہ فرمائیں۔

### سرمدی نغمے

”سرمدی نغمے“ حاجی شولا پوری کا مجموعہ کلام ہے۔ ان کا اصلی نام سید رسول تھا۔ ادبی حلقوں میں حاجی کے نام سے جانے مانے جاتے تھے۔ ان کے بارے میں شہر میں کسی سے بھی کچھ معلومات نہیں ملی۔ راقم الحروف نے کئی بزرگوں سے ان کے بارے میں پوچھا۔ بس اصل نام معلوم ہو سکا۔ حالات زندگی بتانے والا کوئی نہ ملا۔ ان سے واقف دو بزرگ ملے بھی تو بس انھیں بحیثیت شاعر جاننے والے ملے ان کی یادداشت بھی ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ راقم الحروف کو تجسس اس لیے پیدا ہو کہ ”سرمدی نغمے“ کا جو نسخہ دستیاب ہوا وہ بہت ہی بوسیدہ حالت میں تھا کاغذ بھی بے حد پرانا تھا اور کتاب پر سن اشاعت درج نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسا مضمون جس میں حاجی صاحب کی زندگی اور ان کے فن پر لکھا گیا ہو۔ دیباچہ حاجی صاحب نے خود لکھا وہ بھی ۷ سطروں کی ملاحظہ ہو ”دیباچہ“

”اہل ذوق حضرات سے میں یہ عرض کر دینا انتہائی ضروری سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے میرے کلام میں ذوق سلیم کی پذیرائی کا سامان موجود نہ ہو۔ اس کے نقو ادان سخن اور اہل فن کلام کو بہ نظر تنقید دیکھنے کا خیال کریں گے تو میرے گہرائے ہوئے ضمیر کی بے اطمینانی شاید کچھ اور بڑھ جائے گی۔ مختصر یہ کہ یہ اوراق پریشاں صرف ان لوگوں کے پڑھنے کے لائق ہیں جو میری طرح اشعار نہ لکھ سکتے ہوں مگر لکھتے ضرور ہوں۔ لہذا میں ان ہی کے نام ان اوراق کو منسوب کرتا ہوں۔“

اہل نظر غور فرمائیں کہ حاجی صاحب نے یہ جو بات کہی ہے کہ ”میرے کلام میں ذوق سلیم کی پذیرائی کا سامان موجود

نہ ہو۔ آپ کی خاکساری اور انکساری ہے، جو صوفیائے کرام کا خاصہ ہے یہ لوگ سب کچھ جانتے ہیں، سمجھتے ہیں مگر خاموش رہتے ہیں۔ اپنی ذات کی نمائش نہیں کرتے۔ چوں کہ آپ کے کلام میں عشق رسول کی کارفرمائی ہے۔ تصوف کے روموز ہیں۔ اس سے ان کی متصوفانہ شخصیت کا انداز ہوتا ہے کہ انھوں نے خود نمائی نہیں کی۔ ان کے اس بیان سے ان کا قد اور بڑھ گیا ہے۔

یہ مجموعہ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ راقم الحروف کی تحقیق سے یہ پتہ چلا کہ حضرت میلاد و سماع کی محفلوں میں جاتے یا بلائے جاتے تھے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ بہت اچھی طرح کلام پڑھا کرتے تھے۔ ان کے مشاعروں یا شعری نشستوں میں آنے جانے کی بات کسی نے بھی نہیں کی۔ شاید ان کا کلام اخبارات اور رسائل میں شائع بھی نہ ہوا ہو اور اس بات کا پتہ چلا کہ ان کا ایک مجموعہ اور شائع ہوا جس کا نام ”ذکر جمیل“ تھا۔

زیر تجزیہ مجموعہ ”سرمدی نغمے“ کے آخری اوراق کے ایک ورق پر چلی حروف میں ”ذکر جمیل“ یہ عنوان پورے صفحہ پر درج ہے۔ اس کے بعد (اگلے صفحات پر) مذہبی موضوعات پر نظمیں ہیں۔ شاید یہی وہ مجموعہ کلام ہو جو پہلے شائع ہوا تھا یا اس کا انتخاب اس دوسرے مجموعے میں چھاپا گیا ہے۔ ہاں یہ بات ہے کہ کتاب کے ٹائٹل پر حاجی شولا پوری کے کلام کا دوسرا مجموعہ لکھا ہوا ہے۔ ناشر جمعیتہ القریش اکاڈمی، حاجی ماہی چوک ۲۵۰ شولا پور لکھا ہوا ہے۔ بشیر احمد قریشی (ناظم) قطب الدین قریشی (مہتمم) کے نام بھی شائع ہوئے ہیں۔ قیمت دو روپے ہے۔ ٹائٹل پیج پر ہی ایک پریس لائین لکھی ہوئی ہے۔ نیشنل فائین پرنٹنگ پریس، چارکمان۔ حیدرآباد۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا تعلق قریش برداری سے تھا چوں کہ اس زمانے میں شولا پور میں کوئی پریس نہیں تھی یا اردو پریس کی چھپائی تسلی بخش نہیں ہوتی تھی اس لیے یہ کتاب حیدرآباد سے چھپوائی گئی۔ اس زمانے میں اکثر کتابیں حیدرآباد یا گلبرگہ سے ہی چھپوائی جاتی تھیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ مجموعہ کلام قدیم ہے اور یہ بھی صحیح معلوم ہوا کہ حاجی صاحب اپنے زمانے میں بہت مشہور تھے۔ ان کی مذہبی شاعری عقیدت سے بھرپور شاعری ہے۔ مترنم بحروں میں کہی گئی اس شاعری میں ساز پر گانے یا گنگنانے کے تمام گن ہیں۔ راقم الحروف نے اس بزرگ کے مجموعے کو شوق سے پڑھا ہے۔ نمونہ ان کے کلام کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

کہنا تو بہت چاہتا ہے جی میرا لیکن  
منہ میں ہے زباں اور وہ کہنے نہیں دیتے  
یوں ضبط کی تاکید کہ آنسو نہ چھلک جائے  
اٹھتا ہے دھواں اور وہ کہنے نہیں دیتے

۳

مٹائیں گے کیا ہمیں خاک منکر الفت  
بجھتے دلوں میں ہیں باقی ابھی شرارے بھی

۴

وقت کے ایسے بدلتے ہوئے تیور دیکھے  
خاک میں مٹتے ہوئے قیمتی گوہر دیکھے

۵

سر محفل کوئی رشکِ قمر کی بات کرتے ہیں  
تڑپ اٹھتے ہیں تو درِ جگر کی بات کرتے ہیں  
شبِ تاریک میں وقتِ سحر کی بات کرتے ہیں  
نظر والے بھی کیا قاتلِ نظر کی بات کرتے ہیں

۶ وہ کس انداز سے اہلِ ہنر کی بات کرتے ہیں

مرنے کا سلیقہ سیکھ تو لے جینے کا قرینہ آئے گا  
اس طور سے خنجر کے آگے جب تان کے سینہ آئے گا  
ذروں کی حقیقت کیا معنی سورج کو پسینہ آئے گا  
طوفاں سے نہ ڈر موجوں سے گذر ساحل پہ سفینہ آئے گا

۷ پھر سامنے آنکھوں کے تیری دربارِ مدینہ آئے گا

بنیں گے لٹیرے یہ انسان کب تک  
بگڑتے رہے گا اور ایمان کب تک  
اسی طرح چھوڑو گے قرآن کب تک  
دلوں پر رہے حاوی شیطان کب تک

۸ بھٹکتے رہیں گے مسلمان کب تک

کہاں ہوتا بِنظارِ ارجو جلوہ دیکھ لیں حاجی

خدا کے نور سے معمور ہیں جلوے مدینے کے

۹

بڑے ادب سے بڑی التجا سے معافی مانگ  
تیری خطاؤں کی مسلم، خدا سے معافی مانگ  
بہائے اشک تو دستِ دیا سے معافی مانگ  
فسردہ؟ دل ہے کیوں قبلہ نما سے معافی مانگ

۱۰ بنے گی بات تیری مصطفیٰ سے معافی مانگ

### سریلے گیت

”سریلے گیت“ نسیم منان شولا پوری کے بچوں کے لیے لکھی گئیں نظموں کا مجموعہ ہے جو شکر پیٹھ شولا پور سے شائع ہوا۔ ۲۸ صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ بچوں کی دلچسپی کے تمام سامان لیے ہوئے ہے۔ یہ شولا پور کے سبھی لوگ جانتے ہیں کہ نسیم منان نے زندگی بھر درس و تدریس کے پیشے کو اپنائے رکھا اور اس کے ساتھ اردو زبان، تہذیب اور ادب کے فروغ کے لیے دن رات کوششیں کیں، کچھ نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کر کے انھیں آگے بڑھایا۔ منان صاحب ایک فرض شناس مدرس ہی نہیں تھے بلکہ ایک ذمہ دار ادیب و شاعر بھی تھے۔ انھوں نے صحافت بھی کی ”انوارِ قمر“ کے نام سے ہفت روزہ اخبار بھی نکالا، مضامین بھی لکھے افسانے بھی، ڈرامے بھی لکھے اور بچوں کے لیے نظمیں بھی لکھیں۔ ان کے ڈرامے اور دیگر اصنافِ ادب کا ذکر اسی مقالے کے دیگر ایواب میں آئے گا۔ فی الحال راقم الحروف ان کے بچوں کے لیے لکھی ہوئی نظموں کے مجموعے ”سریلے گیت“ کا سرسری جائزہ لینا چاہے گا۔

”سریلے گیت“ کی اہمیت اس طرح بڑھ جاتی ہے کہ اس کتاب کا مقدمہ مستند اور معروف ماہرِ لسانیات، نقاد شاعر ڈاکٹر عصمت جاوید نے لکھا تھا۔ جس زمانے میں یہ کتاب شائع ہوئی اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب ایس۔ ایس۔ اے آرٹس اینڈ کامرس کالج شولا پور کے پرنسپل تھے۔ عصمت صاحب کا اس کتاب پر مقدمہ لکھنا بذاتِ خود ایک سند کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ عصمت صاحب نے اپنی زندگی میں جو بھی ادبی کام کیا وہ معیاری اور قابلِ اعتبار کام رہا ہے۔ منان صاحب کی بچوں کے لیے لکھی یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے۔ مقدمہ پڑھنے کے بعد راقم الحروف نے منان صاحب کی نظموں کو سمجھنے کی کوشش کی، عصمت صاحب نے اپنے مضمون میں نظموں کی خوبیاں کچھ اس طرح بیان کی تھیں کہ نظموں کو پڑھنے اور سمجھنے میں مدد ملی۔

عصمت صاحب نے اپنے مقدمے میں بڑی تفصیل سے منان صاحب کی نظموں کا فنی جائزہ لیا ہے جو پڑھنے سے

تعلق رکھتا ہے۔ راقم الحروف اس مقدمے سے ایک اقتباس پیش کرنا چاہے گا۔ ملاحظہ فرمائیں۔  
 ”سریلے گیت“ کی نظمیں پڑھنے سے آپ کا اندازہ ہوگا کہ نسیم منان بچوں کی  
 دلچسپیوں کا کس قدر خیال رکھا ہے۔ نظم ”پہچانو میں کون ہوں“ میں اگر وہ بچوں  
 کے ذوق تجسس کو ابھارتے ہیں تو ”گڈے میں کاسہرا“ سنا کر گڑیوں کی  
 شادی میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ کہیں منے اور منی کے ساتھ ”کاغذ کی ناؤ“  
 چلا رہے ہیں تو کہیں ”گلہری“ کی چلت پھرت سے خوش رہے ہیں۔ کہیں  
 ”مور“ کے ناچ میں مگن ہیں تو کہیں کم کم بادوباراں دیکھ کر ”سیر چمن“ کو نکل  
 پڑے ہیں۔ لیکن ان کا کمال یہی ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ صرف بچہ بن  
 کر نہیں رہ جاتے بلکہ اس انداز سے نصیحت کرتے جاتے ہیں کہ بچے انھیں غیر  
 شعوری طور پر قبول کر لیتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔“ ۱۱

مندرجہ بالا اقتباس سے منان صاحب کی شاعری کے فن کی دلیل ملتی ہے کہ وہ بحیثیت بچوں کے شاعر کتنے کامیاب  
 ہیں۔ آگے عصمت صاحب نے فنی اور؟

عروضی جائزہ لیتے ہوئے منان صاحب کی شعری مشاق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ایک اور اقتباس۔  
 ”اوپنچی اوپنچی باتوں میں یہ سب سے اوپنچی بات ہے  
 جو محنت کا ساتھ نبھائے دنیا اسکے بات ہے۔“

”اس نظم میں بحر کا انتخاب قابل ستائش ہے۔ یہ بحر آپ کو اردو کے مروجہ عربی عروض میں  
 نہیں ملے گی۔ اس میں ہندوستانی نغمے کی کھنک اور ہندوستانی مٹی کی بوباس ہے۔ صرف  
 اسی نظم پر موقوف نہیں نسیم منان نے دوسری نظموں میں بھی ایسی ہی ہندی بحروں سے پورا  
 پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ مثلاً یہ نظمیں پڑھیے ”پیارادیش ہمارا“ ”پہچانو میں کون ہوں“  
 ”موسم گرما اور مور“ وغیرہ۔“ ۱۲

مندرجہ بالا اقتباس میں عصمت صاحب نے عروضی حوالے سے شاعر کی داد دی ہے۔ اصل میں راقم الحروف نے  
 عصمت صاحب کے مقدمے کو برے غور سے پڑھا ہے۔ اس کے بعد میں جب منان صاحب کی نظمیں پڑھیں تو لطف دو بالا  
 ہو گیا۔ ہر نظم اپنی جگہ بہت ہی اچھی ہے اور بچوں کے نفسیات کو مد نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ زبان کی سلاست اور بیان کی دلکشی کا  
 خاص طور پر قاری پر اثر پڑتا ہے۔ ”حمد“ کا پہلا بند ملاحظہ فرمائیں۔

اے خدا کار سازِ بزمِ جہاں      سب اشاروں پہ تیرے چلتے ہیں  
تیرے ہلکے سے اک اشارے پر      دشتِ گلزار میں بدلتے ہیں!  
آگ میں بھی تری عنایت سے  
تیری رحمت کے پھول کھلتے ہیں۔

۱۳

نعتِ کارنگِ ملاحظہ فرمائیں۔  
محمدؐ ہمارے تمہارے نبی      بڑی آن والے ہیں پیارے نبیؐ  
حلیمہ کی گودی کے وہ چاند ہیں      ہیں آقا وہ سب کے دلارے نبیؐ  
ہے شیدا خدا جن کے ہر بات پر      فدا جن کے جلوؤں پہ سارے نبیؐ  
ہیں جن کے سبب یہ زمیں آسمان      وہ عالم کی آنکھوں کے تارے نبیؐ

۱۴

منان صاحب کی بچوں کی شاعری مقصدی شاعری ہے۔ ان کے طرزِ سخن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بچوں کی ذہن سازی کر رہے ہیں انھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے پہلے تو وہ ان کا پسندیدہ موضوع لیتے ہیں پھر دلچسپی سے اپنی بات کہنے لگتے ہیں۔ جب بچہ پوری طرح سے دلچسپی لینے لگتا ہے تو وہ سلیقے سے نصیحت کرتے ہیں جو ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ ان کی اکثر نظموں میں انھوں نے ایسا ہی رویہ اختیار کیا ہے اور وہ اپنے مقصد یعنی نصیحت کرنے میں کامیاب ہیں۔ راقم الحروف کے اس خیال کی دلیل کے لیے کچھ نظموں کے ایسے شعر پیش خدمت ہیں جن میں نصیحت خوبصورت طریقے سے کی گئی ہے۔

ختم ہوئیں چھتیاں، کھل گئے مکتب تمام  
بھولنا بہتر ہے اب کھیل تماشے کا نام

۱۵

آہ اسی راہ پر دوستو ہم چلیں  
چھوڑ دیں آوارگی جانبِ مکتب چلیں

۱۶

جو ڈرے اللہ سے ہر وقت وہ انسان ہے



جو خدا کو بھول جائے بس وہی شیطان ہے

۱۷

جو روئے تقدیر کا رونا، رونا اس کے ساتھ ہے  
جو محنت کا ساتھ نبھائے دنیا اس کے ساتھ ہے

۱۸

جو بھی تم کو سیکھنا ہے جی لگا کر سیکھ لو  
سقت جو کھوتا رہے اس کا بھلا ہوتا نہیں

۱۹

چلن سب نیک ہوں جن کے  
کر و تم دوستی ان سے

۲۰

علم سارے زمانے کا سلطان ہے  
علم کے دم سے انسان انسان ہے

(ص ۲۴)

اس مجموعے میں منان صاحب کی بہت سی نظمیں ہیں ان میں مختلف رنگ و آہنگ ہیں موضوعات کے اعتبار سے بھی گونا گوں ہیں۔ نسیم صاحب نے حب الوطنی کے ساتھ ساتھ، بابائے قوم، ”گاندھی جی“ کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے۔ ”باپو ہمارے“ اس کی بہترین مثال ہے۔ یہاں ان کی نظموں کے عنوانات درج کئے جاتے ہیں۔ جن کے مطالعے سے راقم کے قول کی وضاحت ہو جائے گی۔

حمد پیارے نبیؐ، صبح کی سیر، جانبِ مکتب، ہم پاس ہو گئے ہیں، سلمہ پری کا خط، باپو ہمارے، امی میں اسکول چلا، پیر چمن، گڈے میاں کا سہرا، اچھی باتیں، محنت، انمول بول، پیارا دلش ہمارا، پچانو میں کون ہوں؟، مسرت بھرے دن، موسمِ گرما، اے بادلوں کے ٹکڑو، برسات کے تحفے، کاغذ کی ناؤ، گلہری، مور، جی چاہتا ہے، علم، پیارے بچے، کالی مرغی، بھارت کا ترانہ۔

”سریلے گیت“ سے پہلے نسیم صاحب کے دو مجموعہ کلام ”ہنستے گیت“ اور ”رسلے گیت“ شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن افسوس کہ کافی تلاش و تحقیق کے باوجود مل نہ سکے۔ اس ضمن میں راقم الحروف نے شولا پور میں بہت سے لوگوں سے ملاقات کی

یہاں تک کہ نسیم صاحب زادے بابا قدیر سے بھی یہ نسخے طلب کیے مگر صاحبزادہ نسیم صرف ”سریلے گیت“ اور ”اکڑ و جگورا“ ہی مہیا کر پائے۔ افسوس کہ یہ نسخے اب دستیاب نہیں ہیں۔

نسیم صاحب عملاً بچوں کے ادب کی ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ آپ نے ایک ادارہ قائم کیا تھا جس کا نام ”بزمِ انجم“ تھا۔ آپ اس کے معتمد تھے۔ اس بزم میں شامل شعراء بچوں کے لئے نظمیں لکھا کرتے تھے۔ منان صاحب ممبئی سے نکلنے والے اخبار ”ہندوستان“ میں اسے چھپواتے تھے۔ اس طرح سے خود بھی ادبِ اطفال کو فروغ دیا اور اوروں سے بھی یہ کام کروایا۔ نسیم صاحب شولا پور کے ادبِ اطفال کو فروغ دینے والے واحد شخص ہیں۔ ”رسلے گیت“ کو مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کی طرف سے انعام بھی حاصل ہوا ہے۔ بے شک منان صاحب اس کے حق دار بھی تھے۔ راقم الحروف کی نظر میں ادبِ اطفال کے فروغ کے لئے جو کام مولوی اسماعیل میرٹھی، اور افسر میرٹھی نے کیا ہے وہی کام شولا پور میں نسیم منان نے کیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر انھوں نے ان بزرگوں کی روایت اور ورثے کی حفاظت کی اور اس کو آگے بڑھانے کی عملاً کوششیں کی۔ انھیں شولا پور کے اسماعیل میرٹھی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

### غبارِ کارواں

”غبارِ کارواں“ یکتا عدنی شولا پوری کا مجموعہ کلام ہے۔ اس میں نظمیں، غزلیں اور قطعات ہیں۔ یہ مجموعہ فیض عام اردو سرکل (شولا پور) کے ملی روتعاون سے مارچ ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ یکتا صاحب کا اصلی نام شیخ یعقوب ابوالقاسم عدنی اور تخلص یکتا ہے اور پیشہ مدرسے۔ اس کتاب میں کسی کی رائے، شائع نہیں کی گئی ہے۔ پیش لفظ یکتا صاحب نے خود ہی لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے بارے میں مختصر سی معلومات دی ہیں۔ راقم الحروف ان ہی کے لفظوں میں ان کے دیباچے کا ایک اقتباس دینا چاہے گا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”میر والد بزرگوار مرحوم کی پیدائش عند (عربیہ) میں ہوئی تھی۔ وہ بول چال کی عربی نہایت روانی سے خاص عربی لہجے میں بولتے تھے۔ وہ تہجد گزار بھی تھے، میری والدہ ماجدہ مرحومہ کراچی (پاکستان) میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان میں بھی مذہبی رجحان کافی تھا۔ مختصر یہ کہ میرا گھریلو ماحول مذہبی قسم کا تھا اور اسی لیے میں اخلاق و عادات کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط رہا ہوں۔

میں کوئی دس برس کی عمر میں پونہ، احمد نگر ہوتا ہوا اپنے والدین کے ہمراہ شولا پور آیا اور یہیں ہمیشہ کے لیے متمکن ہو گیا۔ یہیں کے اساتذہ کرام کی زیر نگرانی میں نے تعلیم

پائی ہے۔ شولا پور شہر سے مجھے گہری محبت ہے۔ میرے اس شہر کے لوگوں نے بھی مجھے  
دل کی گہرائی سے چاہا، مجھ سے بے انتہا خلوص و محبت کا برتاؤ کیا۔ میں نے اس شہر میں مکمل  
چالیس سال تک پرائمری مدارس میں بحیثیت مدرس اپنے فرائض انجام دیے اور آخر دس بارہ  
سال صدر مدرس کے بھی فرائض انجام دیکر وظیفہ یاب ہو گیا ہوں۔“ ۲۱

مندرجہ بالا اقتباس سے ان کے خاندانی حالات اور شولا پور سے ان کی محبت اور ان کے پیشے کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں  
نے اپنی فن شاعری سے بارے میں کچھ نہیں لکھا یہی کہ ۷

”خدائے اقدس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک عرصہ دراز کے بعد میرا یہ مجموعہ کلام  
”غبارِ کارواں“ طباعت و اشاعت کی منزلیں طے کر کے آپ کے ہاتھوں میں  
پہنچ گیا ہے۔ یہاں تک پہنچنے میں اسے جن مراحل سے گزرنا پڑا وہ میرے  
حالات کے پیش نظر نہایت ہی دشوار گزرا بلکہ حوصلہ شکن تھے۔ لیکن بعض  
احباب کے پر خلوص و ہمدردانہ اقدامات نے اس دشواری کو میرے حق میں آسان  
کر دیا۔ میں دل کی گہرائی کے ساتھ ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“ ۲۲

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ اپنا مجموعہ کلام چھپوانے میں انھیں بہت سی دشواریاں پیش آئیں لیکن کچھ  
احباب نے ان کی خواہش کی تکمیل کی۔

یگتا صاحب کا یہ مجموعہ کلام راقم الحروف نے جب پڑھا تو جگہ جگہ چونکنا پڑا کہ ان کے پاس جو زبان و بیان ہے اور  
موضوع کو برتنے کا انداز ہے وہ دلوں کو چھو لیتا ہے۔ کچھ اشعار نے راقم کو بہت متاثر کیا ملاحظہ فرمائیں چند شعر ۷

ان اندھیروں سے ملا گیتا جا لے کا نشان  
کفر لایا ہے مجھے کھینچ کے ایماں کی طرف

۲۳

ہر رازِ حقیقت کھل جائے ہر جلوہ عریاں ہو جائے  
آپ اپنی حقیقت کا جس دم انساں کو عرفاں ہو جائے

۲۴

اب جنگیں بھی ہوتی ہیں امن کی خاطر ہی  
لڑنے کو بہانہ بھی کیا خوب تراشا ہے

۲۵

وہ چاند سے عارض پہ وہ بکھری ہوئی زلفیں  
اک وقت میں گویا سحر و شام کو دیکھا

۲۶

انساں نے اپنے آپ کو محدود کر لیا  
ورنہ یہ دو جہان کی وسعت نظر میں ہے

۲۷

شوق میکر کر رہا ہے خوہی میری رہبری!  
جو قدم رکھتا ہوں منزل آشنا رکھتا ہوں میں

۲۸

جگر کے خون سے ملتی ہے فن کو زندگی تیکتا  
میرے ہر شعر کے قالب میں ہے روح رواں میری

۲۹

مندرجہ بالا اشعار تیکتا صاحب کی غزلیہ شاعری سے لیے گئے ہیں۔ اندازہ ہو کہ اس شاعر میں فن شاعری کے بہت سارے گن پائے جاتے ہیں۔ اور اندازِ غزل بالکل منفرد ہے۔ نہ کسی شاعر کی چھاپ ہے اور نہ ہی پرانے گھسے پٹے موضوعات کو دہرایا گیا ہے۔ تیکتا کے شعر بس تیکتا کے شعر معلوم ہوتے ہیں۔

تیکتا صاحب نے قطعات بھی خوب کہے ہیں۔ ان کے قطعات میں ان کے تجربات، احساسات اور خیالات بڑی ہی خوبصورتی سے پیش ہوئے ہیں۔ قطعات میں انکا کچھ اور ہی رنگ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کچھ قطعات ے

قلب مردہ، روح مردہ بے حسی ایک موت ہے  
زندہ وہ انسان ہے جس میں زندگی کے جوت ہے  
روح، اسیر تن ہے تیری، تن اسیر روزگار  
زندگی سمجھا ہے جس کو اصل میں، وہ موت ہے

۳۰

سچے کوچے، جھوٹے کو سب جھوٹ نظر آتا ہے  
 عکس آئینہ ہمارا ہمیں دکھلاتا ہے!  
 دو ورق پڑھتے ہی نادان بہک جاتا ہے  
 چھوٹا پیاناہ ہے بھرتا ہے چھلک جاتا ہے

۳۱

قید و آزادی کی یکساں کیفیت ہو کس طرح  
 اک فراغت کی ہے منزل اک گھٹن کا مرحلہ  
 حائل ایک دیوار زنداں قید و آزادی میں ہے  
 دو قدم لیکن ہزاروں میل کا ہے فاصلہ

۳۲

اک ساغر پر نور ہے میری دنیا  
 مضمور ہے معمور ہے میری دنیا  
 دنیا میں ہوں اور رہتا ہوں دنیا سے الگ  
 دنیا سے بہت دور ہے میری دنیا

۳۳

بے نگ بے خوشبو سہی اک گل ہوں مگر  
 زینت تو چمن کی ہوں نہ ہو مجھ میں مہک!  
 تاریک خالات اگر ہوں بھی تو کیا!  
 الفاظ میں میکرے ہے نگینے کی چمک

۳۴

مندرجہ بالا قطعات یکتا صاحب کی پختہ مشقی اور قادر الکلامی کی گواہی دیتے ہیں اور اس میں جو مضامین باندھے گئے  
 ہیں وہ قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتے۔ یہ قطعات پڑھنے میں بھی اچھے لگتے ہیں اور سننے کے بعد بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔  
 یکتا صاحب کی زبان میں اتنی سلیس اور رواں ہے کہ بہ آسانی سماعت کے ذریعہ دل میں اتر جاتی ہے۔ اس پختہ کار شاعر نے

نظمیں بھی بہت خوب لکھی ہیں، جو طویل بھی ہیں اور مختصر بھی۔ نظموں میں بھی یتا صاحب کی فنکاری عروج پر ہے۔ لیکن راقم الحروف نے محسوس کیا کہ یتا صاحب کی نظموں میں ترقی پسند تحریک کے اثرات اور موضوعات نمایاں ہیں۔ لیکن کسی ترقی پسند شاعر کے چھاپ ان کی نظموں پر نہیں ہے۔ ہاں لہذا اور بہریں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے کہ ترقی پسند شعراء کے کلام میں ہوتی تھیں۔ اب نظموں پر اظہار خیال راقم اگر کرے تو نظموں کے موضوعات کو نثر میں بیان کرنا پڑے گا یا پھر نظموں کے اشعار نوٹ کرنے پڑیں گے۔ اس لئے راقم ان کی نظموں کے عنوانات اور کچھ نظموں کے ابتدائی اشعار پیش کرنا چاہے گا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

نوائے شاعر، نغمہ نو، تخلیق شعر، احساسات، مزدور کی شریک زندگی، سرمایہ دار سے خطاب، آوارہ شوق، عورت، بیادِ اقبال، فنکار، تخیلات، مظلوم کا خون، جگر مراد آبادی کی وفات، پہر، نیا دور، بصیرت، سحر کی موت پر امید، نومیدی، ایک نقاد سے، میں کہاں ہوں، وقت کا بہاؤ، شاعر کی نوا وغیرہ۔

مندرجہ بالا عنوانات میں کچھ عنوانات سے موضوعات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے اور یتا صاحب کا ذوق سخن کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ راقم الحروف اب ان کی نظموں کی ابتدائی اشعار پیش کرنا چاہے گا۔ شعر کے نیچے نظم کا نام دیا جا رہا ہے۔

چاہتا ہوں میرے فن پر کوئی تنقید کرے

ایسی تنقید حسد کا نہ وہ پہلو جس میں

(ایک نقاد سے) ۳۵

وقت ایک تند و تیز دریا ہے

وہ رکائے سے نہیں رکتا ہے

(وقت کا بہاؤ) ۳۶

فضا ہے نور کی امن و اماں کا عالم ہے

میں خواب دیکھتا ہوں اس حسیں زمانے کے

(سنہرا خواب) ۳۷

لیتا ہے نام اب تک سارا جہاں ہمارا

ہر غنچہ چمن ہے افسانہ خواں ہمارا

(یومِ اقبال) ۳۸

عزم نے انسان کی آخر چاند پر ڈالی کمند  
اب خلاؤں میں دھڑکتا ہے کسی آدمی کا دل  
(سائنس کے نام میرا پیام) ۳۹

نزدور ہیں ہم مجبور ہیں ہم  
سکھ بانٹ کے ساری دنیا کو  
سب محلوں کے بسنے والے جب میٹھی نیند میں سوتے ہیں  
مخلوں کے بنانے والے ہم بھوکے سڑکوں پہ سوتے ہیں  
(مجبور مزدور) ۴۰

عصمت و عفت کی دیوی بزم ہستی کا چراغ  
غربت و افلاس سے سینہ ہے جس کا داغ داغ  
(بھکارن) ۴۱

### کاروانِ ادب

”کاروانِ ادب“ ۴۸ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے جو مئی ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ اس کتابچہ میں شولا پور کے کچھ اہم شعراء کا کلام شائع ہوا ہے۔ اسے نسیم منان صدر ”کاروانِ ادب“ نے مرتب کیا ہے۔ بقول نسیم منان یہ کتابچہ مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد میں تحفہ عقیدت ہے۔ کتابچہ کی شروعات میں مولانا آزاد کی شخصیت پر تین مختصر مگر پراثر مضامین ہیں جسے پروفیسر ابراہیم رنگریز خلیل شولا پور (مولانا ابوالکلام آزاد۔ ایک ہمہ گیر شخصیت) پروفیسر شیخ عبدالجلیل محی الدین شوشل کالج، شولا پور (مولانا ایک بیباک اور بے مثالی صحافی) پرنسپل عبدالرزاق رند شولا پوری (تحریک آزاد اور قومی یکجہتی) یہ مضامین اپنی جگہ معیاری اور معلوماتی ہیں۔ لیکن شعرائے شولا پور کی کتاب میں اس کی شمولیت کچھ عجیب سی ہے۔ خیر مرتب نے جب اپنے پیش لفظ میں مولانا آزاد کی یاد میں تحفہ عقیدت لکھ دیا ہے تو بات گوارا ہے۔ اس کے باوجود راقم الحروف کا خیال ہے کہ مولانا آزاد پر اس کتاب میں یہ مضامین مناسب نہیں، اس کے لئے مرتب کو ان تین مضامین کی طرح اور بھی مضامین لکھوا کر ایک الگ کتاب ترتیب دینا تھا۔ ان تین مضامین کے بجائے اگر نسیم منان صاحب کی صفحات میں ہی سہی شعرائے شولا پور کی مختصر تاریخ یہاں کرتے تو بات مناسب تھی اور نا چیز کے خیال سے اس کتابچہ کا معیار بلند ہو جاتا اور ایک بات کہ اس کتابچہ کو کتاب کی شکل دینا چاہیے تھا اور ماضی اور حال کے اور بھی شعراء کا کلام اس میں شامل ہوتا تو ایک بہت بڑی کمی دور ہو جاتی اور کتاب

کی اہمیت تاریخی ہو جاتی۔ نسیم منان کا یہ کام بہر حال اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے کہ انھوں نے بھلے ہی مختصر طور پر کام کیا ہے لیکن شولا پور کے ادب میں اضافہ تو کیا۔ اس کام کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق قرار دیے جاسکتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ اس کتابچے میں شامل شعرائے کرام کے کلام پر اظہار خیال کیا جائے۔ راقم الحروف ”کاروان ادب“ جو کہ ایک ادبی ادارہ ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا چاہے گا۔ مذکورہ ادارہ شولا پور کے ادیب کے فروغ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا ہے۔ اس ادارے نے اب تک کئی ادبی پروگرامس کئے۔ برس ہا برس سے یہ ادارہ فعال ہے اور اردو کے ادیبوں شاعروں کو اردو والوں سے جوڑے رکھنے کا کام کر رہا ہے۔ نسیم منان جو اس ادارے کے صدر تھے۔ وہ بذاتِ خود ایک اردو تہذیب کی زندہ مثال تھے۔ ان کی کوششوں سے اس ادارے کے تحت وقفے وقفے سے مشاعرے ہوتے رہے۔ مشہور و معروف ادباء شعراء کی یاد میں بھی اس ادارے کی جانب سے جلسے منعقد کئے جاتے ہیں۔ ان کی شخصیات اور کارناموں پر مقالے بھی لکھوائے جاتے ہیں۔ جن کو سننے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ اردو کے ماحول کو بنائے رکھنے کے لئے ایسے ادارے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ کاروان ادب“ یہ ادارہ اب بھی ہمارے شہر میں فعال ہے۔ ادارے کے ذمہ داران کے ارادے مضبوط ہیں۔ تقریبات کے انعقاد کے علاوہ بھی ان کی اشاعتی پروگرامس بھی ہیں۔ انشاء اللہ اسی طرح کام چلتا رہے گا تو ادارے کے ارادے بھی پورے ہونگے۔ اس کی تفصیلات اسی مقالے کے اگلے باب میں آئیں گی۔ ادارہ ”کاروان ادب“ کے تحت شائع شدہ شعری کتابچہ ”کاروان ادب“ میں جملہ ۳۱ شعرائے کرام کا کلام شامل ہے۔ جن میں بزرگ بھی ہیں اور جوان و نوجوانوں کے بھی اس مجموعے میں۔ غزلیں بھی ہیں اور نظمیں بھی لیکن غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ہر شاعر کے کلام کے ساتھ مرتب نے ایک دوسٹر میں شاعر کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی ہے اور اس کا سن ولادت بھی درج کیا ہے۔ ان کا یہ کام قابلِ تحسین ہے کہ مستقبل میں شولا پور کے شعراء پر کام کرنے والوں کے لئے یہ رائے اور سن معاون ثابت ہوں گے۔

سب سے پہلی غزل حضرت قدیر شولا پور (ولادت ۴، ستمبر ۱۹۱۶ء) کی شائع کی گئی ہے۔ ان کے متعلق مرتب کی رائے ملاحظہ فرمائیں ”کہنہ مشق جادو بیاں شاعر جن کی شاعری پر اہل شولا پور کو ناز ہے ۴۲۔“ کی رائے صحیح ہے کیوں کہ حضرت قدیر واقعی بہت اچھے شاعر ہیں۔ ان کی کہنہ مشقی اور پرگوئی اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت قدیر کی غزل کے چار شعر ملاحظہ فرمائیں۔

چلا تھا گھر سے فقط اک عصائے خشک لئے

کے خبر کہ رہ شوق خار دار بھی ہے

ثواب اپنی جگہ، التفات اپنی جگہ



خدا کی دین تو صورت بھی ہے سنگھار بھی ہے

چلاؤ تیغ کی تکمیل درد ہو جائے  
سرِ نیاز بھی حاضر ہے حکمِ یار بھی ہے

یقین نہیں تو ذرا چل کے دیکھ لو تم بھی  
قدرِ آدمی اچھا ہے خوشگوار بھی ہے

۴۳

شعراے شولا پور کے کلام میں دکن کی اعلیٰ روایت بھی نظر آتی ہے اور کلاسیکل شاعری کا رکھ رکھاؤ بھی ہے اور خاص بات یہ کہ مذہبی عقائد اور دینی تعلیمات تقریباً سبھی شعراء کے کلام میں موجود ہیں۔ یہاں راقم الحروف دو بزرگ شاعروں کے چند شعر پیش کرنا چاہے گا۔ جس سے ناچیز کے خیال کی تصدیق ہو جائے گی۔ پہلے اس کتابچے میں شامل حضرت یکتا عدنی شولا پوری (ولادت ۱۹۳۴ء) کے مجموعہ ”غبارِ کارواں“ کی ایک غزل کے تین اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمان ہوں بصیرت ہے مجھے آیاتِ قرآن کی  
بتا سکتا ہوں دنیا کو نشانِ بے نشان کچھ کچھ

نئے عالم کی پھر تعمیر شاید ہونے والی ہے  
ابھی تک گونجتی ہے وہ صدائے کن فکاں کچھ کچھ

حقیقت آشکارا ہو گئی ہے سب کی نظروں پر  
ابھی فطرت کے پیدا ہو رہے ہیں روزِ داں کچھ کچھ

۴۴

اب الحاج امام مہدی شولا پوری کے تین اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بیتاب سرطور تھے جوان کی نظر میں

روشن وہی جلوے ہیں میرے داغِ جگر میں

بیساختہ سجدہ میں جنیں جھک گئی آخر  
آئے جو نظر دیر و حرم ان کی نظر میں  
کونین سمائی ہوئی ہے پھر بھی خالی!  
کس درجہ ہے وسعت میرے دامنِ نظر میں

۴۵

”تخیلاتِ عتیق“ کے صوفی شاعر پیر احمد صاحب عتیق شولا پوری کا کلام بھی اس میں شامل ہے۔ حضرت عتیق کے بارے میں ”باب صوفی شعراء“ میں ناچیز نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کے تین شعر ملاحظہ فرمائیں۔

نظر قابو میں اپنے ہے نہ دل پر اختیار اپنا  
دل نادان اپنا ہر حسیں صورت پہ آتا ہے

یہ دل کے ذخم کہتے ہیں دوا سے کیا ہوا تجھ کو  
یہ دنیا فانی دنیا ہے کیوں دل لگاتا ہے

بلندی پانے والا پاتا ہے اک روز پستی بھی  
جب وقتِ شام آتا ہے تو سورج ڈوب جاتا ہے

۴۶

ایک اور صوفی شاعر محمد حنیف درویش (ولادت یکم جولائی ۱۹۲۲ء) کے بھی تین اشعار پیش ہیں۔ حضرت کے اشعار کے تغزل کی شوخی اور روانی دیکھئے۔

کب تک رہیگا یونہی ان کا حجاب آخر  
چھوڑے گا جان لے کر کیا اضطراب آخر

تارِ نظر کا نامہ بھیجا تھا نامہ برسے  
آیا نہیں ابھی تک خط کا جواب آخر

ہم قبر میں رہیں گے یا جس جگہ رہیں گے  
قائم رہے گا ان کا بیشک شباب آخر

۴۷

مندرجہ بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ صوفی شعراء نے روایتی غزل میں بھی طبع آزمائی کی اسے سنوارنے اور قائم رکھنے میں ان کی کوششیں بھی شامل رہی ہیں۔ شولا پور میں کئی شعراء تھے اور ہیں جنہوں نے غزل کہنے میں مہارت حاصل کی۔ اس میں ایک نام ہے عبدالرزاق نظر (ولادت ۱۹۲۳ء) ان کی غزلیہ شاعری کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔  
آگ گلشن میں لگی تھی میں نے آنکھیں موند لیں  
کس طرح میں آنکھوں سے اپنی وہ منظر دیکھتا!

تجھ سے بیمارِ محبت کا مداوا ہو چکا!  
چارہ گر پہلے تو میرا قلب مضطرب دیکھتا

مجھ سے وہ برہم کبھی بیزار آتے ہیں نظر  
رہ گیا میں وہ رویہ ان کا اکثر دیکھتا

۴۸

اس کتابچے میں ایک بزرگ شاعر عبدالغنی کلیم (ولادت جنوری ۱۹۲۴ء) کا کلام شائع ہوا ہے۔ یہ کلام بہت ہی عمدہ ہے اس کے اشعار سننے سنائے سے لگتے ہیں۔ یہ ان کی شہرت کے دلیل ہے کہ اس کلام میں اسلامی خیالات نظم کئے گئے ہیں۔  
ملاحظہ فرمائیں چند شعر ے

سکھ آپ سکھ میں ڈھل کے رہیگا یقین جان  
جینے کے راستے میں مصیبت اٹھا کر دیکھ

دراصل غم ہی دیتا ہے جینے کا حوصلہ  
راہِ خدا میں شوق سے سب کچھ لٹا کے دیکھ

دل سے نکل ہی جائے گا ہر اک بلا کا خوف  
اللہ کے رسولؐ پہ ایمان لا کے دیکھ

۴۹

عبدالغنی کلیم کا کوئی مجموعہ کلام شائع ہوا کہ نہیں راقم الحروف کو پتہ لگانے کے باوجود معلوم نہ ہو سکا لیکن اس کتاب سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت بچوں کے لئے بھی لکھتے رہے ہیں۔ آپ بچوں کے لئے پہیلیوں کی ایک کتاب ”چیتانِ کلیم“ لکھی ہے۔ یہ تمام پہیلیاں منظوم ہیں۔ راقم الحروف کے پاس اس کا دوسرا ایڈیشن موجود ہے جو ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا ہے اس میں اردو ادب کے مشہور زمانہ نقاد جناب آل احمد سرور (صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی آراء درج ہے وہ یہاں درج کی جاتی ہے۔ ”چیتانِ کلیم“ پڑھی جناب عبدالغنی کلیم شولا پوری نے بہت ہی عمدہ اور پراز معلومات پہیلیاں کہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ پرائمری اور مڈل اسکول کا ہر طالب علم ”چیتانِ کلیم ضرور پڑھے۔“ ۵۰

کلاسیکی شاعری ہماری اردو کی جان ہے اور غزل اس کی روح، شاعروں کے کمال فن کی پرکھ غزل ہی ہے اور مقام اور مرتبے کا یقین اب تک غزل سے ہی کیا جاتا رہا ہے۔ اسی لئے ہر دور میں ہر سخنور نے غزل میں طبع آزمائی ضروری کی ہے۔ میر، غالب، ذوق، مصحفی اور درجنوں شعراء نے غزل کے ذریعے ہی ادب میں اعلیٰ مقام پایا ہے۔ زبان و بیان کے طریقے وضع کرنے اور مضمون بندی میں وسعت اور گہرائی پیدا کرنے میں کمال حاصل کیا۔ دراصل انھیں کی بے انتہا کوششوں کی وجہ سے آج تک غزل زندہ اور پائندہ ہے یہ اور بات ہے کہ غزل میں زمانے کے ساتھ ساتھ زبان و بیان اور مضامین کی تبدیلیاں واقعہ ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود کلاسیکل غزل ہے تو یہ دلچسپی کا باعث ہوگی اور زبان و بیان کے ساتھ مضمون کا لطف دے گی۔ ماضی قریب تک لوگ کلاسیکل رنگ میں ہی غزل کہتے تھے۔ آج بھی پرانے شعراء نے اس رنگ کو نہیں چھوڑا ہے۔ ہندوستان کے دیگر مقامات کے قابل اور استاد شعراء کی طرح شولا پور کے شعراء نے بھی کلاسیکی طرز میں غزلیں کہیں اور خوب کہی ہیں۔ اس کتابچے میں ایسی غزلیں موجود ہیں۔ راقم الحروف ان غزلوں کے اشعار کی نشاندہی کرنا چاہے گا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ شہر شولا پور کے شعراء بھی کسی بھی علاقے کے شاعروں کے مقابل کم نہیں۔ یہاں کے شعراء نے کمال کر دکھایا ہے۔ اگر شاعری

کے ناقدوں کی نظر کرم ان پر ہو جاتی تو بات کچھ اور ہوتی۔ ملاحظہ فرمائیں کلاسیکی رنگ کی شاعری کی جھلکیاں۔

ساقی بزم نے زندوں میں جو رسوائی کی  
میکدہ جام و سبب، اتھ گئے میخوار کے ساتھ

۱۵) (پروفیسر ابراہیم خلیل)

وہ اور کریں مجھ سے لگاؤٹ کلی یہ باتیں  
کیا ظلم کے تکش میں کوئی تیر نہیں ہے

۱۶) (پروفیسر محمد سلیم شولا پوری)

بیکسی اس کا مقدر ہے جو مرکز سے ہٹا  
موج ساحل پہ پہنچتے ہی بکھر جاتی ہے

۱۷) (پروفیسر علاؤ الدین شاد)

منزل پہ اہل کارواں کب کے پہنچ گئے  
اب تک بھٹک رہے ہیں کسی کی لگن میں ہم

۱۸) (محمد سلیمان باور)

تیرا دیدار خواب میں ہی سہی  
ایسی قسمت کہاں ہماری ہے

۱۹) (محمد حنیف بے چین)

حسن مغرور میں احساسِ وفا کچھ بھی نہیں  
عشق بدنام ہے مٹنے کی ادا کچھ بھی نہیں

۲۰) (پروفیسر نسیم منان)

ہم بھی سنتے ہیں کہ یہ گھر رشکِ گلشن تھا کبھی  
وہ بہاریں پھر نہ آئیں چہرہ چہرہ زرد ہے

۲۱) (اعجاز نبی کارگیر)

زمانہ جس پہ چڑھاتا ہے گل عقیدت کے

وہ میری قبر نہیں، وہ میرا مزار نہیں

۵۹ (الیاس احمد الیاس)

ان شعراء کے علاوہ اس کتابچے میں عبدالرشید ارشد، تجل حسین تمنا، محبوب جاتی، حکیم شولا پوری، مولانا مجاہد القاسمی، مفتی محمد یوسف، مولانا ذبیح اللہ ثاقب بستی، عبدالقادر ساغر، عزیز الوہاب عزیز، حبیب احمد شوق، راج احمد کنول، محمد رفیق نواز، عزیز احمد عزیز اور میر افضل میر کا کلام موجود ہے۔ ان سب کی ایک ایک نمائندہ غزل ان کے معیار اور مقام کا پتہ دیتی ہے۔ ان میں کچھ مزاحیہ کہنے والے شعراء بھی ہیں جن کو شولا پور سے باہر آل انڈیا مشاعروں میں بھی بلایا جاتا ہے اور شوق سے سنا بھی جاتا ہے، ان میں کچھ وہ شعراء بھی ہیں، جن کے سنجیدہ کلام کو خوشبو شولا پور سے باہر بھی پہنچ گئی ہے۔

”کاروان ادب“ شولا پور کے اہم اور نمائندہ شعراء کے کلام کے تعارف کے لئے کافی ہے۔ اس چھوٹے سے کتابچے کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اسے ادبی دنیا کے سرمائے میں (شولا پور کے حوالے سے) اضافہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

### بال و پر

”بال و پر“ محمد حنیف بے چین شولا پوری کی غزلوں کا گلدستہ ہے جو صرف ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ سے کتابچہ ہی کہا جائے گا۔ اس کتابچے کو فلورا بک سلیر (شولا پور) نے فروری ۱۹۸۹ء میں شائع کیا ہے۔ ایڈوکیٹ عبدالرشید جنواڑ کرارشد نے ان کا تعارف پیش کیا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”بچپن سے ہی بے چین صاحب کا طبعی میلان شعر و ادب کی طرف مائل تھا اس لیے اکثر وہ شاعروں کی محفل میں اپنا وقت گزار کر اپنے ذوق کی تسکین کر لیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ طبیعت شعر گوئی کی طرف رجوع ہوئی۔ جناب غلام دستگیر صاحب فاتح اور جناب شعیب صاحب باور شولا پوری کی صحبتوں میں ایک مشہور شاعر بن گئے۔“ ۶۰

اس کتاب میں بے چین صاحب کے بارے میں ایڈوکیٹ صاحب نے اپنے اظہار خیال میں مسرت ظاہر کی ہے کہ ان کا مجموعہ کلام شائع ہوا لیکن راقم الحروف کو افسوس ہے کہ ایک اچھے شاعر کا صرف ۳۲ صفحات کا کتابچہ شائع ہوا جبکہ اس مجموعے کی ضخامت کم از کم ۲۰۰ صفحات کی ہونی چاہیے تھی کیونکہ شاعر نے کئی غزلیں لکھی ہوں گی نظمیں اور گیت بھی لکھے ہوں گے۔ بہر حال یہ جو کتابچہ شائع ہوا ہے یہ بھی غنیمت ہے کہ منظر عام پر تو آیا۔ راقم الحروف کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شولا پور میں شعراء کی مالی حالت کمزور رہی ہے۔ اپنے طور پر شاعر مجموعے شائع نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہاں پر ان کی سرپرستی کرنے والا

کوئی ہے۔ یہاں سے جو بھی کتابیں یا کتابچے شائع ہوئے ہیں وہ کسی نہ کسی کے تعاون سے ہی شائع ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہاں کے شعراء زیادہ تر محنت کش رہے ہیں۔ محدود وسائل اور وقت کی کمی نے انہیں جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ اس کے باوجود یہ بھی کیا کم ہے کہ وہ محنت کش شعراء شعر تو کہتے رہے۔ ان کے تعارف میں ایڈووکیٹ رشید نے لکھا ہے:

”محمد حنیف بے چین صاحب کی شخصیت شہر شہولاپور کی ادبی دنیا کے لیے محتاج

تعارف نہیں تاہم ان کا ایک مختصر سا تعارف پیش خدمت ہے۔ محمد حنیف

اسماعیل صاحب شیخ المعروف بے چین شہولاپور کی پیدائش شہر شہولاپور میں

۱۹۴۴ء میں ہوئی۔ ان کی تعلیم اردو مدرسہ مسلم بادشہ پیٹھ شہولاپور میں جماعت

پنجم تک ہوئی۔ ان کے والد محترم شہولاپور میل (جونی میل) میں ملازم تھے۔

اس میل کے بند ہونے سے بے چین صاحب کا خاندان معاشی بحران کا شکار

ہو گیا۔ جس کا اثر بے چین کی تعلیم پر ہوا اور موصوف کو تعلیم منقطع کرنی

پڑی۔ بچپن میں ہی اپنے ماموں کی سائیکل کی دوکان میں کام کرنا شروع کیا

اور آج تک وہی ان کا ذریعہ معاش ہے۔“

۶۱

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوا کہ بے چین صاحب جو ایک مل مزدور کے فرزند ہیں۔ بچپن سے ہی غربت میں زندگی گزاری۔ تکلیفیں اٹھائیں، لیکن اپنے شعری ذوق کو برقرار رکھا۔ شہولاپور کے شعری حلقے میں اس طرح کے کئی شعراء موجود ہیں۔ غربت اور افلاس نے انہیں شعری دنیا میں پھیلنے نہیں دیا۔ اچھے شعر کہنے کے باوجود وہ شہولاپور کی چار دیواری میں ہی مقید ہو کر رہ گئے۔ اس کے باوجود قابل داد ہیں وہ شعراء جو شعر و ادب کی مسلسل خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ داد اور صلہ کی تمنا کی پرواہ کیے بغیر اپنا فرض نباہ رہے ہیں۔ ان میں ایک اہم نام بے چین صاحب کا بھی ہے۔ بے چین صاحب کے مختصر سے کتابچے سے کچھ شعر ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ شعر فن اور زبان کے اعتبار سے کتنے بھرپور اور معیاری ہیں۔

ہے اگر منزل مقصود کو پانے کی لگن

لاکھ طوفان اٹھیں راہ میں پراہ نہ کرو

۶۲

لینے والے کو یاد رہتا ہے

دینے والے تو بھول جاتے ہیں

۶۳

بجلی کوئیشن کے جلانے کا شوق ہے

اور ہم کو آشیانہ بنانے کا شوق ہے

۶۴

پھول بھی چھو لے بدن میرا تو ہوتی ہے چھین

ہے میرے اطراف کچھ ماحول ایسا خازان

۶۵

یہ اشک نہیں ہمدار مانوں کے انجم ہیں

آنکھوں سے اگر ٹوٹے دامن میں سجائیں گے

۶۶

جو طنز ہم پہ کرتے ہیں اپنے ہی دوست ہیں

باتوں کا دوستوں کی کریں کیوں ملال ہم

۶۷

پی کر بھی لوگ خونِ بشر پارسا رہے

اور میں شراب پی کے گنہگار ہو گیا

۶۸

دل ہو چکا ہے سنگِ ملامت سے خونچکاں

یہ حال ہو تو کیسے بھلا مسکرائیں ہم

۶۹

بے چین کی شاعری میں کرب ہے درد ہے دنیا کے بے اتفاقی کا شکوہ ہے۔ لیکن دنیا کے مصائب میں الجھ کر شاعر

مایوس و نامراد نہیں ہوتا۔ وہ پر امید ہے۔ دنیا کی حقیقت کو سمجھتا ہے اور اسے جیتنے کا ہنر جانتا ہے۔ اپنے قاری کو بھی یہی پیغام دیتا

ہے کہ زندگی مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔

بے چین کا یہ شعر اس کی روشن دلیل ہے۔



ہے اگر منزل مقصود کو پانے کی لگن  
لاگھ طوفاں اٹھیں راہ میں پرواہ نہ کرو

### بوئے پیراہن

”بوئے پیراہن“ قدیر شولاپوری کا مجموعہ کلام ہے۔ جسے مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی (شولاپور) نے مارچ ۱۹۹۱ء کو شائع کیا۔ قدیر صاحب شولاپور کے ایک قادر الکلام، مستند اور استاد شاعر تھے۔ اپنے زمام کو پسند کرنے والوں کی کمی نہ تھی۔ مشاعروں میں لوگ ان کا کلام سن کر خوب خوب داد دیا کرتے تھے۔ قدیر صاحب شولاپور کے وہ واحد شاعر تھے جن کی فن شاعری کی اردو دنیا قائل تھی۔ قدیم و جدید نظریات کے حامل شعری حلقوں میں ان کی عزت تھی۔ ”بوئے پیراہن“ کی شاعری پر عصمت جاوید، افتخار امام صدیقی، ظفر گورکھپوری اور انجم رومانی جیسے مشہور لوگوں نے مضامین لکھے جو اسی کتاب میں شامل ہیں۔ راقم الحروف ان کے مضامین سے کچھ اقتباسات پیش کرنا چاہے گا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”قدیر شولاپوری کے اشعار کی یہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ اگر وہ ایک طرف عوام کا دل موہ لیتے ہیں تو دوسری طرف خواص پسند بھی ہیں۔ دراصل صحیح معنوں میں شعرو ہی ہے جو ایک طرف زبان و بیان کے اعتبار سے اس قدر سہل اور سادہ ہو کر ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ کر اس میں اپنے سیدھے سادھے سچے اور عام جذبات کا عکس تلاش کر سکے، تو دوسری طرف اسی بظاہر سیدھے سادھے شعر میں اتنی گہر دوزی گہرائیاں، اتنے پہلو اور اتنی تہہ دریاں ہوں کہ وہ خواص کا بھی دل جیت سکے۔ میر تقی میر کو اپنے کلام کی اسی دودھاری صفت کا شعوری احساس تھا جب انھوں نے کہا۔

میرے اشعار ہیں خواص پسند

گفتگو مجھے عوام سے ہے

میں یہ دعویٰ تو نہیں کروں گا کہ قدیر شولاپوری کے کلام میں ”خدائے سخن“ کی اس خوبی کو بوباس ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ ان کی غزلیں اپنی مطبوعہ شکل میں بھی سلجھے ہوئے ذہن کے قاری کو ایک حد تک متاثر کرنے کا بل رکھتی ہیں۔ (ڈاکٹر عصمت

جاوید) ۷۰

”حضرت قدیر شولا پوری نے اپنی پوری شاعری سے ایک دنیا کو جی لینے کے بجائے اپنے اطراف کو روشن کرنے کا تعمیری کام انجام دیا ہے۔ ان کی یہی خوب سیرتی یہ ان کا حاصل ہے۔ شاعری کو زندگی بنانا، اپنے آپ میں گم ہو کر اپنے اطراف و اکناف کو روشن کرنا بھی ایک کارنامہ ہے۔“

۷۱

(افتخار امام صدیقی)

مدیر ”شاعر“ ممبئی

”حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف گم شدہ کے لیے رہ رہ کر اپنی آنکھیں گنوا دی تھی۔ قدیر شولا پوری نے اپنی زندگی میں کیا گنوا یا ہے یہ تو مجھے معلوم نہیں مگر کوئی نہ کوئی خواب ضرور کھویا ہے جس کی خوشبو ان کے احساس اور جذبے میں چھپتی رہتی ہے۔“

۷۲

(قیصر الجعفری)

”قدیر کا شعری اسلوب روایتی ہے جو عہد جدید کے شعری رویوں سے میل نہیں کھاتا لیکن قابلِ قدر بات یہ ہے کہ ان کی شاعری ہوا میں سفر کرنے کے بجائے زمین سے رشتہ رکھنا زیادہ پسند کرتی ہے اور یہ کوئی کم اہم بات نہیں“

۷۳

(ظفر گورکھپوری)

مندرجہ بالا اہل دانش کی آراء پڑھ کر راقم الحروف بے حد متاثر ہوا۔ شولا پوری ہونے کے ناطے میں قدیر صاحب کے نام اور کام سے واقف ضرور تھا مگر یہ نہیں پتہ تھا کہ حضرت کا ادب میں اتنا بڑا مقام ہے کہ اہل فن ان کے کلام کی داد دیتے ہیں۔ ”بوئے پیرا ہن“ کے بار بار مطالعے سے قدیر صاحب کے کلام کی عظمت سمجھ میں آئی۔

”بوئے پیرا ہن“ کی شروعات بارگاہِ خداوندی میں (حمد) اور ”بارگاہِ رسالت“ میں (نعت) سے ہوتی ہے اور صفحہ نمبر ۱۰۳ کے اس شعر پر ختم ہوتی ہے۔

بغیر تیشہ کوئی جوئے شہر لایا ہے

تا اپنے طور پر ایسی کوئی مثال بھی دے

اس کے بیچ غزلیات بھی ہیں نظمیں بھی اور قطعات بھی لیکن غزلوں کی بات ہی کچھ اور ہے۔ قدیر شولا پوری غزل کے

اشعار میں زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ اس مجموعے کی ترتیب و انتخاب کا کام قدیر صاحب کے صاحبزادے بشیر پرواز نے کیا ہے۔ انتخاب عمدہ ہے اور اس کتاب میں غزلین بھی زیادہ ہی ہیں۔ کہا سنا جاتا ہے۔ کہ شولا پور میں ان کے اشعار زبان زد عام ہو گئے تھے اور راقم الحروف نے آج کے زمانے میں بھی قدیر صاحب کے کچھ مشہور اشعار اہل ذوق حضرات کی زبانی سنے ہیں۔ اور لوگوں کو یہ بھی کہتے سنا ہے کہ بس قدیر صاحب کے دم سے شولا پور کی شاعری تھی اب بچا کیا ہے۔ قدیر صاحب نے اپنے فن کو محدود نہیں رکھا جو ان سے مشورے لینے آئے انھیں وہ بڑے خلوص سے مشورے دیا کرتے تھے۔

قدیر شولا پوری کی غزلیہ شاعری کے بارے میں راقم الحروف کیا کہے ایک ایک شعر معنی سے پرکھیں گے کہ ہیں کھولتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس معیار کے شاعر شولا پور میں دور دور تک نظر نہیں آتے۔ ان کی غزلوں سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بادِ سحر کا احساں اپنی جگہ حقیقت

شبِ نیم کا ہاتھ بھی ہے پھولوں کی تازگی میں

۷۵

(ص ۲۸)

غمِ حیات کے پیچھے خیالِ یار بھی ہے

گناہ گار خزاں ہی نہیں بہار بھی ہے

۷۶

(ص ۲۹)

میں بآسانی سمجھ میں آ نہیں سکتا قدیر

پتھروں ڈھیر میں کھویا ہوا دینار ہوں

۷۷

(ص ۳۱)

ہے کوئی اور ہی دنیا کا چلانے والا

مفت بدنام ہے انسان بری مشکل ہے

۷۸

(ص ۳۲)

کسے دکھانے چلے ہو جگر کے داغِ قدیر

گئے زمانے مصیبت میں کان آنے کے

۷۹

(ص ۳۵)

ملنا برا نہیں ہے کسی سے مگر قدیر  
ایسے ملو کہ جیسے دئے سے دیا ملے

۸۰ (ص ۳۷)

آنکھ تو ملا لیتے کم سے کم زمانے سے  
لوگ روٹھ جاتے ہیں آئینہ دکھانے سے

۸۱ (ص ۳۸)

اگر دیکھو تو ذرہ ہے اگر سمجھو تو صحرا ہے  
بشر خاکی سہی پرواز میں یہ لامکانی ہے

۸۲ (ص ۵۰)

ذرا دیکھو تو پردے میں سخن کے  
قدیر اپنی سنا تاجا رہا ہے

۸۳ (ص ۵۱)

حضرت قدیر کی نظموں نے بھی راقم الحروف کو اپنی طرف متوجہ کیا گو کہ اس مجموعے میں چند ہی نظمیں ہیں۔ لیکن ان نظموں میں بھی انسان اور انسانیت کی باتیں ہیں۔ زندگی اور زندگی کے رموز کی باتیں ہیں۔ ایک نظم ہے ”پیغام انسانیت“ بہت ہی عمدہ نظم ہے۔ پہلے دو مصرعے ملاحظہ فرمائیں۔

میں انساں ہوں صرف انساں، مجھ کو انساں رہنے دو  
مجھ پہ تمہارا دنیا والو اتنا احسان رہنے دو

۸۴

اس طویل نظم میں انسان سے ہمدردی اور پیار کی بات ہے۔ بیجا ظلم و ستم پر احتجاج کیا گیا ہے۔ نظم اس شعر پر ختم ہوتی ہے۔  
بہتی دھارا بہتی جائے بہتی ہے تو بہنے دو  
اس دھرتی پر سب کا حق ہے سب کو زندہ رہنے دو

۸۵

ایک نظم ہے ”بے سبب ہاتھ میں پتھر نہیں آئے“، یہ نظم بھی بہت پراثر نظم ہے۔ اس کے تیور دیکھیے۔

کسی نے میری خوشی کو جلا دیا ہوگا  
میری تباہی پر قصداً کوئی ہنسا ہوگا  
میرے رقیب سے درپردہ جاملا ہوگا  
بے سبب ہاتھ میں پتھر نہیں آئے

۵۶

اسی طرح جشنِ آزادی منانے والو، شاعرِ مشرق کی یاد، خطرہ، شہرِ شولا پور، چراغِ سحری، اوجا ہدا و میرے نمازی تیرے قربان آ، اسرارِ زندگی، شہیدوں کے پیغام اور گاندھی آدرش، بھی اپنے اپنے موضوعات کے لحاظ سے بہت ہی اہم اور متاثر کن ہیں۔ شولا پور کی اردو شاعری کے معیار کو بلند کرنے اور اسے ترقی دینے میں آپ کی کوشش اہم رہی ہیں۔ شولا پور کے کچھ شعراء تو آپ کو جاں نثار اختر کے برابر قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ آپ شولا پور کے ایک قد اور شاعر ہیں اور بوئے پیرا ہن شولا پور کی اردو شاعری میں ایک سنگِ میل ہے جو آنے والے نوجوان شعراء کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے میں مدد کرتا رہے گا۔

### لہو ترنگ

”لہو ترنگ“ شولا پور کے مشہور شاعر باور شولا پوری کا مجموعہٴ کلام ہے۔ یہ مجموعہ صرف ۷۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ س مختصر سے مجموعے میں غزلیں اور کچھ نظمیں ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی شولا پور نے ۱۹۹۲ء کو یہ مجموعہ شائع کیا ہے۔ دیباچہ کے طور پر باور کے استاد الیاس احمد الیاس نے ایک مختصر مضمون لکھا ہے:

”باور صاحب نے ہر صنفِ شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ عوام میں بے حد مقبول ہیں۔ آپ کے گیت، غزلیں، تو الیاں محفل کو زعفرانِ زار بنادیتی ہیں۔ شولا پور کے قوالوں نے آپ کے کلام کو بہت گایا ہے اور ریڈیو پر نشر کیا ہے۔ محفلِ سماع میں آپ کا کلام بڑے ذوق سے سنا اور پڑھا جاتا ہے۔ عوام آپ کے اشعار گنگناتی ہے بس یہی ان کے اچھے شاعر ہونے کی پختہ دلیل ہے۔ باور صاحب مراٹھی کے طالب علم ہونے کے باوجود اردو کے ایک اچھے شاعر کہلائے گئے۔ یہ ان کے لیے باعثِ افتخار بات ہے اور ان کی یہ اردو خدمت قابلِ ستائش ہے۔ امید کہ باذوق حضرات مجموعہٴ کلام ”لہو ترنگ“ سے ضرور محفوظ ہوں گے۔“

شاعر کے استاد محترم کی رائے کی روشنی میں اگر ہم اس مجموعہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس شاعر سے بہت ساری توقعات وابستہ ہو جاتی ہیں۔ راقم الحروف کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ نہ اس میں وہ قوالیاں ہیں اور نہ ہی کچھ ایسا کلام ہے کہ جو عوام میں شہرت کا باعث بنے۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس مجموعے کے انتخاب میں ویسی تخلیقانہ آئی ہوں۔ اس میں تو بس مختصر سا کلام ہے اور غزلیں زیادہ ہیں۔ ایک نظم بلکہ نغمہ ایسا ہے شاید اسے گا کر قوالوں نے مشہور کر دیا ہو اور یہ مشہور بھی ہوا ہو، ملاحظہ فرمائیں۔ اس کا پہلا بند۔

پہن کر سرخ شادی کا جوڑا  
آج گزریں گے وہ بھی ادھر سے  
بن کے نکلیں گے دلہن وہ لیکن!  
میں کفن پوش نکلوں گا گھر سے

۸۸

اس طرح کی چند اور نظمیں (قوالیاں) بھی ہیں، جو کسی زمانے میں پسند کی گئی ہوں گی مگر آج کے زمانے میں وہ اپنا اثر کھو چکی ہیں۔

باور شولا پوری کی غزلیں زیادہ تر چھوٹی بحر میں ہیں۔ جو پڑھتے اور سنتے وقت فوراً اپنا اثر چھوڑتی ہیں۔ ان میں جو مضامین باندھے گئے ہیں وہ کلاسیکی غزل کے مروجہ مضامین ہیں لیکن باور صاحب کے انداز اور زبان کی وجہ سے قابل قبول ہیں اور اچھی لگتی ہیں۔ نمونہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

اب ذکر میرا خط میں نہیں ہے تو کیا ہوا  
تسکینِ دل تو ہوگی خط کے جواب سے

۸۹

(ص ۶۶)

میری دنیا ہے میرا عقی ہے  
ابنِ آدم ہوں مجھ کو گم کیا ہے

۹۰

(ص ۶۹)

عشق میں جو بھی باور ہوا انجام دل  
کیوں بھلا دشمنِ عشق جلنے لگا

۹۱ (ص ۷۰)

ادھر آؤ دیکھو ذرا حکمرانو  
غریبوں کی کیسے بسر ہو رہی ہے

۹۲ (ص ۷۱)

جتنا بانٹو گے اتنا پاؤ گے  
پیار دینے سے کم نہیں ہوتا

۹۳ (ص ۷۳)

میری کوئی حد مقرر رہی نہیں  
میں فقط پرواز ہی پرواز ہوں

۹۴ (ص ۷۷)

### صبح غزل

”صبح غزل“ شولا پور کے شعروف شاعر محبوب جامی شولا پوری کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ جسے ”حلقہ ادب شولا پور“ نے شائع کیا ہے۔ ”عرض ناشر“ کے تحت ساغر شولا پوری نے اپنے ادارے کی کاروائیوں کے بارے میں لکھتے ہوئے محبوب جامی کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

”شہر شولا پور کے مشہور و معروف ہر دلعزیز شاعر محبوب جامی شولا پوری کی غزلوں کا کسٹ ”ترنم“ (کلام شاعر بزبان شاعر) منظر عام پر آیا، عوام میں کافی مقبول ہوا، اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے اور محبوب جامی شولا پوری کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ”حلقہ ادب“ شولا پور نے یہ فیصلہ کیا کہ موصوف کا کلام کتاب کی صورت میں پیش کیا جائے۔ محبوب جامی شولا پوری کا مجموعہ کلام ”صبح غزل“ کی اشاعت حلقہ ادب شولا پور کا ایک تاریخی کارنامہ ہے جو پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس مطبوعہ کتاب ”صبح غزل“ کی رسم اجراء کے موقع پر ایک ”کل ہند مشاعرہ“ کا انعقاد بھی کیا۔ ادارہ ہذا محبوب جامی کا ممنون ہے کہ انھوں نے ”صبح غزل“ کی اشاعت کی سعادت ادارہ ہذا کو بخشی۔“

مندرجہ بالا عرض ناشر کے مضمون کا اقتباس اس بات کا ثبوت ہے کہ محبوب جامی شولا پوری ایک مقبول ترین شاعر

ہیں۔ اپنی شاعری اور کردار کی وجہ سے وہ شولاپور کے ادبی حلقوں میں ہر دلعزیز ہیں۔ اس کتاب میں ”پیش لفظ“ کے طور پر عبدالاحد ساز کا ایک مضمون ہے۔ اس کے علاوہ ظفر گورکھپوری، بشرنواز اور بشیر پرواز کے بھی مضامین ہیں۔ ان اہل علم اور اہل قلم حضرات نے بھی محبوب جاتی کے کلام کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ ان کی آراء پڑھکر قاری مجموعہ پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ راقم الحروف کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ راقم ان کا کلام پڑھتا اور سنتا رہا ہے۔ لیکن مجموعہ کلام پڑھنے سے محبوب جاتی کی شاعری کے اوصاف سامنے آئے خوشی ہوئی کہ ان کے کلام میں وہ خوبیاں ہیں جو آج کے کسی بھی اچھے یا مشہور شاعر کی شاعری سے کم نہیں، خاص طور پر غزل میں ان کا انداز منفرد اور نرالا ہے، ویسے غزل ہی ان کی محبوب صنفِ سخن ہے۔ ان ہی کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔

پرانے ہو چکے ہیں اب لب و رخسار کے قصے  
مزاج فن بدل ڈالو نیا سورج نکلتا ہے

اس شعر کو شاعری کے سلسلے میں ان کا معیار، مقصد اور عزم کہا جاسکتا ہے۔ محبوب جاتی غزل کے شیدائی ہیں۔ انھوں نے غزل کو ہی اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ غزل جو کہ بظاہر آسان صنفِ سخن سمجھی جاتی ہے مگر یہ بہت ہی نازک اور بہت ہی دشوار صنفِ سخن ہے۔ راقم الحروف نے جب محبوب جاتی کی غزلیں پڑھیں تو اندازہ ہوا کہ اس شاعر نے غزل کو سنوارنے، نکھارنے اور اپنے جذبات اور احساسات کا ذریعہ بنانے کے لیے بڑی محنت کی ہے۔ ان کے پاس کلاسیکی شاعری سے اکتساب کا عمل بھی نظر آتا ہے اور جدید تر نظریات، لفظیات، اور عصریت بھی دکھائی دیتی ہے۔ زبان، بیان اور موضوعات کے لحاظ سے محبوب جاتی کی غزل قاری یا سامع کے قریب ہو جاتی ہے اور آگہی اور لطف اندوزی کی فضا بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

”صبح غزل“ میں دو حمد اور چار نعتیں، دو پابند نظمیں کچھ قطعات اور چند اشعار عنوان کے تحت کچھ نامکمل غزلیں بھی ہیں۔ ۱۱۲ صفحات میں باقی سب غزلیں ہی غزلیں ہیں۔

محبوب جاتی کی غزل روایتی یا ترقی پسند غزل سے زیادہ تو نہیں کچھ حد تک مختلف نظر آتی ہے، یہ الگ پن جو کہ ہمیں محسوس ہوتا ہے وہی ان کے اپنے پن کی شناخت ہے۔ محبوب جاتی نے اس راہ پر چل کر اپنی منزلیں سر کر لی ہیں۔ سفر جاری ہے کہ اور بھی منزلیں سر کرتے جائیں گے۔ کسی شاعر کی شاعری کے بارے میں تفصیلی جائزہ لیا جائے تو دفتر کے دفتر درکار ہیں۔ راقم الحروف نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کی شاعری کو پڑھا ہے سمجھا ہے متاثر بھی ہوا ہے اور اپنے طور پر اظہار بھی کیا ہے۔ راقم نے طے کیا کہ یہاں محبوب جاتی کے کچھ منتخب اشعار کا انتخاب پیش کر دیا جائے۔ جس سے کہ یہ معلوم ہو کہ محبوب



جائی کی شاعری کے عناصر کیا کیا ہیں اور غزل کے شعر کہنے میں انھیں کتنی مہارت ہے۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

جن درختوں سے سانپ لپٹے ہوں

ان پہ بیٹھے ثمر نہیں آتے

۹۶ (ص ۵۴)

تم نہ کر پاؤ جو اچھا تو مجھے چارہ گرو

کسی بے رحم کے خنجر کے حوالے کر دو

۹۷ (ص ۵۵)

کتنی عجیب بات کہ دل ہم نے دے دیا

افسوس اس نے دل کو بھی پتھر سمجھ لیا

۹۸ (ص ۵۶)

انصاف تو اندھا دلیلوں کا ہے محتاج

چپ ہو جا رہائی کی دیا مانگنے والے

۹۹ (ص ۵۷)

تیرگی کھا گئی دھندلائی ہوئی کرنوں کو

چاند کی لاش پہ تاروں کا مقدر روئے

۱۰۰ (ص ۵۸)

آج کی رات یہ معصوم شرارت کر لوں

میں نے سوچا ہے تمہیں چھونے کی جرأت کر لوں

۱۰۱ (ص ۵۹)

اب نہ اخلاص ہے اور نہ تاثیر ہے

صرف کہنے کو حرفِ دعا رہ گیا

۱۰۲ (ص ۶۱)

ہم جو مٹ جائیں گے جائی تو یقین ہے یہ بھی

لفظ حق بن کے کتابوں میں ابھر آئیں گے

۱۰۳ (ص ۶۲)

ہم خواب میں رقصاں تھے بہاروں کے چمن میں  
اب آنکھ کھلی، پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

۱۰۴ (ص ۶۶)

تیرے کوچے میں جو بکھرے ہیں یہ خونی پتھر  
تیرا دیوانہ گھڑی بھر یہاں ٹھہرا ہوا تھا

۱۰۵ (ص ۶۷)

لمحہ بھر کی مسرتیں دے کر  
زندگی بھر اداس چھوڑ گیا

۱۰۶ (ص ۷۶)

مندرجہ بالا محبوب جاتی کے غزلیہ اشعار غزل میں ان کی کئی جہتوں کی غمازی کرتے ہیں۔ جمالیات، نفسیات، حقیقت پسندی، راست گوئی، اشاروں کنایوں میں باتیں ان اشعار میں موجود ہیں، بہر حال محبوب جاتی غزلیہ شاعری کے میدان میں اپنے قدم جمائے ہوئے ہیں۔ ان کی ثابت قدمی انھیں دیر تک دور تک اپنے سامعین اور قارئین کے ساتھ لے جائے گی۔ شولا پور کا یہ غزل گو شاعر امکانات کو روشن کرتا نظر آتا ہے۔ جس سے مستقبل کے سخنور روشنی پاسکتے ہیں۔

### غالب خستہ کے بغیر

”غالب خستہ کے بغیر“ شولا پور کے مشہور شاعر عبدالرشید ارشد کا مجموعہ کلام ہے جسے ”بزمِ غالب“ شولا پور نے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا ہے۔ عبدالرشید بیجا پور (کرناٹک) میں ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ بی۔ کام۔ ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری لی۔ ان کا پہلا پیشہ مدرسہ تھا پھر وکالت کرنے لگے۔ شعر گوئی کے علاوہ نثر سے بھی شغف ہے۔ افسانے اور ڈرامے بھی لکھتے ہیں۔ عبدالمنان نسیم اور تجل حسین تمنان کے استاد ہیں۔ ”غالب خستہ کے بغیر“ عبدالرشید صاحب کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ جوان کی مزاحیہ شاعری پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ ڈاکٹر امانت (پونہ) نے لکھا ہے پیش کے زیر عنوان منشا الرحمن منشا نے لکھا ہے۔ دونوں حضرات نے شاعر کی صلاحیتوں کی کھل کر داد دی ہے۔ راقم الحروف نے ان دونوں کے مضامین سے فیض حاصل کیا اور عبدالرشید صاحب کی شاعری کو سمجھنے کی کوشش کی۔ کتاب کے مطالعے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شاعر طنز و مزاح جیسے

نازک موضوعات پر دسترس رکھتا ہے اور شاعری میں مزاح پیدا کرنا تو کسی بھی شعر کے لیے چیلنج سے کم نہیں۔ شاعر نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے کامیابی حاصل کی ہے۔ ڈاکٹر امانت کے پیش لفظ سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”ارشاد نے مزاحیہ شاعری کے آغاز سے پہلے ”دیوانِ غالب“ کو بار بار پڑھا، اور ”الہیاتِ غالب“ کی مدد سے اشعار کو بخوبی سمجھنے کی کوشش کی ہے کیونکہ جب تک کسی شعر کے مفہوم کو اچھی طرح ذہن نشین نہ کر لیا جائے اسے تضمین کرنا یا اس پر گرہ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں اور صرف تضمین یا گرہ ہی نہیں بلکہ اس میں مزاح و ظرافت کا رنگ پیدا کرنا واقعی تڑھی کھیر ہے اور ہماشما کے بس کی بات نہیں۔“

ڈاکٹر امانت نے عبدالرشید ارشد کی کاوشوں کا یہ جو ذکر کیا ہے راقم الحروف کو بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے تضمین کے سلسلے میں انھوں نے جو بات کی ہے وہ حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ ارشد صاحب شولا پور کے وہ واحد شاعر ہیں جنھوں نے اس معیاری صنفِ سخن کو اختیار کیا اور کامیاب ہوئے، نمونہ چاند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

پہلے حیا کی اور ہنی سر سے اتر گئی  
”پھر آبروئے شیوہ اہل نظر گئی“

۱۰۸

(ص ۲۳)

کرسی ملنے سے پہلے کرسی چھن جانے کے بعد  
”صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا“

۱۰۹

(ص ۲۵)

جس کو پڑھ کر ہر کوئی رویا ہے زار زار  
”نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا“

۱۱۰

(ص ۲۵)

ان کو کہیں مل جائے نہ ہم سے بھی جواں اور  
”کرتے ہیں محبت تو گذرتا ہے گماں اور“

۱۱۱

(ص ۲۶)

یہ کہہ کے کر دیا آزاد جج نے قاتل کو  
”جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے“

۱۱۲

(ص ۳۴)

لیڈی ڈاکٹر کے ہاں، اسپتال جا جا کر  
”در کی دوا پائی، درد لا دوا پایا؟“

۱۱۳

(ص ۳۸)

وہ بچا را خوف کے مارے جہاں سے چل بسا  
”تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں“

۱۱۴

(ص ۳۹)

تضمینوں کے علاوہ بھی ارشد نے جو کلام کہا ہے وہ شوخی اور لطف سے لبریز ہے۔ شولا پور کے اس شاعر کی اپنی ایک  
الگ انفرادیت ہے۔ الگ شناخت ہے۔

### برگِ حنا

شولا پور کے شعراء نے ہر رنگ کی شاعری کی ہے۔ جس کی ایک مثال اعجاز نبی کا مجموعہ ”برگِ حنا“ ہے۔ اس  
انتخاب کی داد دینا پڑتا ہے کہ شاعر نے اپنے سارے کلام سے مجموعے کے لئے جس کلام کو چنا ہے وہ قابلِ مطالعہ اور شولا پور  
میں پھل پھول رہی شاعری کی نمائندگی کرتا ہے۔

سیدہ فہیم انساء نور محمد زیر اہتمام یہ مجموعہ اکیسویں صدی کی شروعات میں منظرِ عام پر آیا۔ سن ۲۰۰۰ء کے اس مجموعے  
سے یہ بات تر و تازہ ہو گئی کہ شولا پور کا شعری ادب فعال ہے اور اکیسویں صدی کے اہل ذوق حضرات کی شعری تشنگی بجھا رہا  
ہے۔ یہ مجموعہ جدید طباعتی معیار کا غماز ہے اور شولا پور میں اردو کتابوں کی شاندار اشاعت کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ اس کی  
کمپوزنگ اور پرنٹنگ لٹا پرنٹر س نے کی ہے اور ناشر بھی وہی ہے۔ سیدہ فہیم انساء نے ہی اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ اس  
کتاب کا مقدمہ یا پیش لفظ کسی سے نہیں لکھوایا گیا۔ فلیپ پر روزنامہ ”انقلاب“ ممبئی کے ادبی صفحہ کے مرتب اور مشہور شاعر ندیم  
صدیقی کی مختصر لفظوں میں رائے ہے جو اعجاز نبی اور ان کی شاعری کی تائید اور توصیف میں ہے جو بجائے۔

راقم الحروف نے اپنے شہر کے اہم شاعر اعجاز نبی کے مجموعہ ”برگِ حنا“ کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ محسوس ہوا کہ اعجاز  
نبی کا یہ مجموعہ کلام موجودہ اردو دنیا کے کسی بھی معیاری مجموعہ کلام سے کسی بھی طرح کم نہیں۔ زبان کی سادگی اعجاز نبی کے کلام کا



بھی آئی اور مزا بھی دے گئی۔ اب ذرا ”دعا“ کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔

اے شہنشاہِ جہاں، سن لے دعائیں مری  
مالکِ کون و مکاں، سن لے دعائیں مری

یہ حسین چاندیہ سورج یہ ستارے ترے  
آسمان تیرا، زمیں تیری، نظارے ترے

میں بھی تیرا ہوں مجھے نور بنا دے یا رب

۷۱۱

اعجازِ نبی ایک انسانیت شناس شاعر ہیں۔ ان کی نظر انسانی دکھ درد پر ہمیشہ رہی ہے۔ یہ بات ان کا کلام پڑھ کر معلوم ہوئی۔ انھوں نے اپنی نظموں میں دکھی اور مظلوم انسانوں سے نہ صرف ہمدردی جتائی ہے بلکہ ان کے حوصلے بھی بلند کئے ہیں۔ اور دنیا کو عام آدمی اور کسان و مزدور کی اہمیت کیا ہے یہ بھی بتا دیا ہے۔

مزدوری پر ہمارے ترقی پسند شعراء نے بہت کچھ لکھا اور بہت اچھا لکھا۔ جس کا اثر حکومتِ وقت پر بھی پڑا اور مزدوروں اور کسانوں کے حوصلے بھی بلند ہوتے رہے۔ راقم الحروف کے علم میں یہ بات بھی ہے کہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی تحریک کا اثر شولا پور میں بھی ہوا، یہاں انجمن بھی قائم ہوئی، نشستیں اور مشاعرے بھی ہوئے۔ یہاں کے شعراء میں ہلچل اور گرما گرمی بھی رہی، کچھ شعراء حضرات نے ترقی پسند موضوعات پر نظمیں بھی کہیں۔ سردار جعفری، ظ۔ انصاری اور ساحت لہھیانوی بھی یہاں آئے۔ اس کے باوجود ترقی پسند تحریک جس طرح دیگر شہروں میں مقبول ہوئی بلکہ ادبی دنیا پر چھا گئی تھی ویسا یہاں کچھ نہیں ہوا، اس کی وجہ یہاں کے لوگوں کی عدم دلچسپی بلکہ کم دلچسپی ہے۔ یہ ایک فکری رویہ ہے جو مذہب سے جڑا ہے۔ یہاں کے لوگ ”صوفی شعراء“ کے شیدائی ہیں اور اصلاحِ معاشرہ کو عزیز رکھنا چاہتے ہیں۔ گو کہ ترقی پسندی کی مخالفت تو یہاں نہیں ہوئی۔ مگر بھرپور تائید بھی نہ ہو سکی۔

ایک اور خاص بات یہ کہ جو شعراء ترقی پسند تحریک کے محبوب اور مقبول موضوعات پر لکھ رہے تھے۔ انھوں نے صرف اور صرف عوامی بھلائی، ہمدردی، مظلوموں کی حمایت کی حد تک ترقی پسند نظریات کو قبول کر کے عمل کیا۔ اس کے سوا اور کچھ نہ کیا۔ اعجازِ نبی بھی ان ہی میں سے ایک ہیں بلکہ نمایاں ہیں، ان کی ایک نظم اس زمانے میں بہت مشہور ہوئی جو مزدوروں کی حمایت میں تھی۔ اور شولا پور ضلع ہمیشہ سے مزدوروں کا گڑھ رہا ہے۔ شولا پور کی بے انتہا ترقی کے باوجود اب بھی یہاں مزدوروں کی

تعداد زیادہ ہے۔ خاص طور پر اردو سماج کے لوگ آج بھی مزدوری کر کے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اعجاز نبی کی وہ نظم جو انھوں نے ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں لکھی تھی اور لوگوں کو پسند بھی آئی تھی۔ اس کے قبولیت میں اب تک کمی نہیں آئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

### مزدور ۱۱۸

کتنے سورج مرے ہاتھوں نے تراشے صدیوں  
 وائے افسوس، مرے گھر سے اندھیرا نہ گیا  
 خالق نور ہوں پر دیکھئے قسمت میری!  
 عمر بھر ایک کرن کے لیے محتاج رہا

رنگ و بو سے یہ مہکتا ہوا شاداب چمن  
 میری دن رات کی محنت کا نتیجہ ہے مگر  
 اپنی محرومی تقدیر کا شکوہ کیا ہو  
 میرے دامن میں کوئی پھول نہ خوشبو نہ ثمر

مجھ کو اللہ نے تعمیر کا جو ہر بخشا!  
 اسی جو ہر سے ہے رنگین زمیں کا آنچل  
 دلکشی حسن کی قائم ہے اسی جو ہر سے  
 اس کا شہکار ہے فردوسِ نظر تاج محل

میرے ہونے سے ہیں روشن یہ تمدن کے چراغ  
 میں نہ ہوتا تو یہ تہذیب کہاں سے ہوتی  
 زندگی میری بدولت ہے ترنم ورنہ  
 اپنی حالت پہ سدا خون کے آنسو روتی

میری آنکھوں کی چمک میرے بدن کی گرمی  
روز بکرتی رہی مجبور جوانی کی طرح  
زندگی یوں تو گذرتی ہے مگر کیا کہیے  
ایک بھولی ہوئی بے نام کہانی کی طرح

میں تو عریاں ہی رہا اور تمہاری خاطر  
ریشم و اطلس و کنجواب بنے ہیں میں نے  
پھول گلچیں کے تصرف میں رہے شام و سحر  
اور خود اپنے لئے خار چنے ہیں میں نے

مندرجہ بالا نظم ”مزدور“ واقعی ایک باہمت، باشعور مزدور ہی کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ لہجہ، انداز اور اسلوب بھی اپنی جگہ پر زور اور پر مغز ہے۔ اس طرح اعجاز نبی نے اور بھی کئی نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی ایک اور نظم جو قومی یکجہتی، اور وطن دوستی کی ترغیب دیتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

### آؤ قسم کھائیں ۱۱۹

اپنی آزادی کے دن آؤ قسم کھائیں گے ہم  
گم شدہ اپنی بہاریں پھر سے لے آئیں گے ہم  
نفرتوں کو ہم مٹائیں گے ہمیشہ کے لیے  
پیار کی شمعیں جلا دیں گے ہمیشہ کے لیے  
اپنی مٹی میں وفا کے پھول مہکائیں گے ہم  
کوئی ہندو ہو کہ مسلم سب وطن کی جان ہیں  
نام کچھ بھی ہو گلوں کے سب چمن کی آن ہیں  
اس زمیں کی مانگ کوتاروں سے بھر جائیں گے ہم  
ایک ہے اپنی زمیں اپنا ترنگا ایک ہے



ایک ہے اپنا گن اپنا ترانہ ایک ہے  
 وہ نہیں ہیں ہم زمانے بھر کو دکھلائیں گے ہم  
 اب کبھی ماؤں کے آنچل آسنوؤں میں تر نہ ہوں  
 بے خطا معصوم بچے اب کبھی بے گھر نہ ہوں  
 بن کے بجلی غالموں کے سر پہ گر جائیں گے ہم  
 مندرجہ بالا مثال نظم کے الفاظ و خیالات ہمیشہ تروتازہ رہنے کی سکت رکھتے ہیں۔ ایسی نظمیں ملک اور قوم کی عظمت کو  
 برقرار رکھنے کی ترغیت دیتی ہیں۔ اعجاز نبی نے ایسے کئی موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے جو بہت ہی اہم ہیں۔ تعصب جیسے منحوس  
 جذبے پر ان کی ایک نظم ”روشنی کا سفر“ ہے۔ نظم ”روشنی کا سفر“ کا پہلا اور آخری بند ملاحظہ فرمائیں۔

(پہلا بند)

یہ تعصب بھی کیا نحوست ہے  
 اپنے اپنوں سے چھوٹ جاتے ہیں  
 گو یہ رشتہ قدیم رشتے ہیں  
 ایک لمحے میں ٹوٹ جاتے ہیں۔

۱۲۰

(آخری بند)

زندگی ایک بار ملتی ہے  
 کیوں نہ آسودگی میں کٹ جائے  
 آج تک تیرگی میں گزری ہے  
 کیوں نہ اب روشنی میں کٹ جائے

۱۲۱

”برگِ جنا“ میں اور بھی نظمیں ہیں جنہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اعجاز نبی نے بہت ساری نظمیں لکھی ہوں گی۔ لیکن اس  
 کتاب میں چند ایک نظمیں ہی شائع کی گئی ہیں۔ اور یہ جو نظمیں ہیں وہ اعجاز نبی کی نظم پر گرفت کو واضح کرتی ہیں۔  
 اعجاز نبی نظم کے ہی شاعر نہیں بلکہ غزل کے بھی شاعر ہیں۔ ان کے غزلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف کو پتہ

چلا کہ انھیں جس طرح نظم کہنے پر قدرت ہے۔ اسی طرح غزل گوئی بھی پوری طرح ان کے بس میں ہے۔ ”برگِ جتا“ میں کل ۱۱ غزلیں ہیں۔ ہر غزل قاری سے داد و وصول کرتی نظر آتی ہیں۔ غزل کے روپ رنگ الگ الگ اور مضامین نئے نئے اور اگر مضامین پرانے اور بار بار استعمال کیے ہوئے ہیں تو انداز نیا ہے۔ بہر حال اعجازِ نبی کی غزل بھی ان کی نظم کی طرح متاثر کرتی ہے۔ اس موضوع پر بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ راقم الحروف کو اعجازِ نبی کی غزل میں کلاسیکی شاعری کی خوب بھی محسوس ہوئی اور جدید لہجے کی خوشبو بھی اور زندگی کی حکایتیں بھی نظر آئیں اور شکایتیں بھی۔ فی الحال راقم یہاں پر چند ایسے اشعار کا انتخاب پیش کرنا چاہے گا۔ جو اعجازِ نبی کی غزلیہ شاعری کی نمائندگی کے لیے کافی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

تراہو ہے بہت گرم دیکھ لے طوفاں  
صدائیں دے کے کناروں کو شرمسار نہ کر

۱۲۲

ہر کسی کی آستیں ہے آنسوؤں میں تر بتر  
اس خرابے میں ترا داماں تر دیکھے گا کون

۱۲۳

پڑھ کر جسے کھل جائیں محبت کے دریچے  
ایسی کوئی تحریر کتابوں میں نہیں ہے

۱۲۴

پھول کی خوشبو سے آتی ہے صدا  
کچھ بھی ہو رونا یہاں معتب ہے

۱۲۵

ترے وصال کی خوشبو ہمیری سانسوں میں  
یہ اور بات کہ دونوں میں فاصلہ ہے ابھی

۱۲۶

کبھی جن سے روشن تھے شام و سحر  
نہ جانے وہ شمس و قمر کیا ہوئے

۱۲۷

دیر و حرم کی بات چلی ہے یہاں وہاں  
چہرے پہ گریب کے خوف و ہراس ہے

۱۲۸

فصل گل، صبح بنارس، ماہ نوشام اودھ  
ریشم و مخواب واطلس آپ ہی کے نام ہیں

۱۲۹

آنکھیں ہیں خشک لیکن نم ہو رہا ہے دامن  
شاید کہ دور کوئی آنسو بہا رہا ہے!

۱۳۰

### نوک سوزاں

”نوک سوزاں“ شولا پور کے معتبر اور مقبول شاعر الیاس احمد الیاس شولا پوری کا مجموعہ کلام ہے۔ جسے ”بزمِ غالب“ شولا پور نے ۱۹۷۳ء میں شائع کیا۔ الیاس صاحب کا اصل نام الیاس احمد امیر حسین ہے قلمی نام الیاس شولا پوری کے نام سے جانے مانے جاتے ہیں۔ ان کا پیدائشی مقام شولا پور ہے اور تاریخ پیدائش یکم فروری ۱۹۳۷ء ہے اور تعلیمی قابلیت و رنا کیولر فائنل (اردو) ہے۔ آپ شولا پور کے دو انجمنوں ”بزمِ انجم“ اور ”کاروانِ ادب“ کے فعال رکن ہیں۔ آپ کی ادبی خدمات کا اعتراف سارے شہر کا ادبی حلقہ کرتا ہے۔

”نوک سوزاں“ میں کوئی مقدمہ، دیباچہ یا پیش لفظ نہیں ہے۔ اسے شاعر کی خودداری کہیے کہ خود شناسی انھوں نے اپنے کلام پر کسی سے لکھوا کر کتاب میں شامل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ راقم الحروف کی نظر میں یہ ایک قابلِ قدر جذبہ ہے جو شاعر کے وقار کو بڑھاتا ہے کہ شاعر نے کسی کی سفارش کو اپنے لیے ضروری نہیں جانا بلکہ اپنے کلام کو ہی اپنے فن اور اپنی شخصیت کو آئینہ بنا کر قارئین کے سامنے پیش کیا۔ راقم اس اعتماد اور عزم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسی کتاب کی ابتدائی صفحہ پر الیاس صاحب نے اپنے اور اپنے فن کے بارے میں چند سطر لکھی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ایک اقتباس۔

”میں چاہتا ہوں کہ میرے اور میرے قاری و ناقد کے درمیان میرے کلام کی تفہیم کے لیے کوئی اور ذریعہ نہ ہو، مجھے میرا پڑھنے والا برائے راست مجھے

سمجھے اور میرے قد کا تعین فرمائے۔ اسی لیے میں نے کس سے پیش لفظ نہیں

لکھوایا۔“ ۱۳۱

مندرجہ بالا اقتباس شاعر کے اپنے آپ پر مکمل بھروسہ کرنے کی دلیل ہے۔ یہ بھی ایک جرأت کا کام ہے جبکہ ایسا نہیں ہوا کرتا۔ یہ ایک طرح کی روایت شکنی بھی ہے۔ ”کچھ اپنے بارے میں“ کے تحت الیاس صاحب نے کسی استاد کی شاگردی کا شرف حاصل نہ ہو سکنے کو بدھضمی کہا ہے اور حضرت قدیر شولا پوری کو استاد تسلیم کرنے اور شاگردی کا شرف کسی وجہ سے حاصل نہ ہونے پر یہ کہا ہے کہ ”میری حسرت، حسرت ہی رہی“ آگے وہ یہ لکھتے ہیں کہ ”میں استاد کی کمی کو مطالعے سے بانٹنے کی کوشش کرتا رہا اور آج بھی اپنے اس رویے پر برقرار ہوں۔ آگے انھوں نے اپنے ادبی دوستوں کی مخلصانہ رائے، حوصلہ افزائی اور رہبری کا اعتراف کیا ہے۔ اس خوددار، خود شناس پر باہمت شاعر کے مجموعہ کلام کا راقم الحروف کے بغور مطالعہ ہوا کہ الیاس صاحب ایک فطری شاعری ہیں اور خوب شعر کہتے ہیں۔ ان کی شاعری سے ان کے ذوق سلیم اور ان کے مطالعے کی وسعت اور ان کے مشاہدے کی ظرف بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔ زبان کے برتنے کا طریقہ بھی انہیں خوب آتا ہے۔

”نوک سنوراں“ میں ایک حمد، تین نعتیں اور مناجات، ایک قطعہ، ایک سلام اور بزرگان دین پر تین نظمیں، ”کیا بات تھی بغداد کے بدر میر کی“، ”قطب اقطاب دکن کے عرس میں سرکار ہیں“۔ ”مجھے بھی غوث کا الیاس میخانہ پسند آیا“ بہت ہی عقیدت اور خلوص سے لکھی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک نظم ”مجھ سے ایک دوست نے دھیرے پوچھا“، ”یادِ قدیر شولا پوری“، ”بیاد بے چین شادی خانہ آبادی“ اور ”سہرا“ بھی شامل ہیں۔ جوان کی نظم گوئی کی اعلیٰ مثالیں ہیں باقی سب غزلیں ہی غزلیں ہیں۔ آخر میں قطعات اور متفرقات ہیں۔ راقم الحروف سے الیاس صاحب کو ہر رنگ میں یتا پایا لیکن ان کی غزل کو سب پر افضلیت حاصل ہے۔ ان کی غزلیں پڑھ کر احساس ہوا کہ یہ شاعر روایتی شاعری کی توسیع کر رہا ہے اور اس میں اضافوں کے لیے شناس ہے اور غزل کا کلاسیکی فارم اس شاعر کو پسند ہے۔

راقم نے یہ بھی محسوس کیا کہ الیاس صاحب فن شاعری کی حد تک تو روایت پسند ہیں لیکن کلام کے مواد کے اعتبار سے زبان اور بیان کے لحاظ سے وہ زمانے کے ساتھ ساتھ ہیں۔ عصری مسائل پر ان کی گہری نظر ہے۔ زندگی کے پیچ و خم، مسرت و شادمانی اور غم پریشانی اور اقدار کے شکست و ریخت ان کی شاعری کا حصہ ہیں۔ تین قطعات ملاحظہ فرمائیں۔ دیکھیں کہ شاعر حالات کا عکس پیش کرتے ہوئے کس خوبی سے قاری کو اکساتا ہے۔

آشوبِ روزگار ہیں میری صدی کے لوگ

مصروفِ سنگسار ہیں میری صدی کے لوگ

اک لمحہ کہیں ان کو میسر نہیں سکوں  
اس درجہ بے قرار ہیں میری صدی کے لوگ

☆☆

نفرتوں کی آگ میں بس یوں جھلستے ہی رہیں  
کب تک آخر سوچے تو ہم سلگتے ہی رہیں  
ہم یہ شعلوں کو بجھانے کے لیے کچھ نہ کریں  
ہاتھ پر بس ہاتھ رکھ کر ہم یوں بیٹھے ہی رہیں

الیاس صاحب کا ایک اور قطعہ ملاحظہ فرمائیں جو شولا پور اور ارد گرد کے ماحول میں زباں زدِ عام ہے۔ عوام و خواص کی روزمرہ زبان کا حصہ بن گیا ہے۔

کسی سے نہ تیرے سوا مانگتا ہوں  
تجھی سے اے میرے خدا مانگتا ہوں  
مجھے لب کشائی کی زحمت نہ دے تو  
تجھے سب پتہ ہے میں کیا مانگتا ہوں

مندرجہ بالا قطعہ الیاس صاحب کی شناخت ہے ان کے کلام کا معیار ہے۔ اس ایک قطعہ کی شہرت، ان کے نام کو زندہ رکھ سکتی ہے۔

زبان اور تہذیب کی صالح قدروں کا پاس و لحاظ الیاس صاحب کی شخصیت میں بھی ہے اور ان کی شاعری میں بھی۔ اعلیٰ قدروں کی قدردانی اور انسانیت شناسی کے خیالات اور مایوس انسانوں کی پیتا، دکھ درد کی ندا، سکھ کی پرچھائیں، حوصلوں کی بلندی کی صدائیں، طنز سے چونکا نے اور غفلتوں سے آگاہ کرنے کا ہنران کی غزلوں میں جگہ جگہ موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ان

کی غزلیہ شاعری سے چند اشعار۔  
اسی طرح کوشش کئے جاؤ پیہم  
ضرور ایک دن کامیاب آپ ہونگے

۱۳۲

اگرچہ ایک ہی منزل ہے سب کی

پہنچنے کے مکر راستے بہت ہیں

۱۳۳

مشکل سی ہو کے رہ گئی پھولوں کی زندگی  
الیا س جب سے خار گلستاں میں کم ہوئے

۱۳۴

ان دنوں خطرے میں ہیں دیرو حرم کی عظمتیں  
دور پر آشوب یہ کیسا نرالا آگیا؟

۱۳۵

آنکھیں پر نم ہو جاتی ہیں رنج سوا ہو جاتا ہے  
برسوں کے کچھڑے ملتے ہیں جب جانے پہچانے لوگ

۱۳۶

فاقہ، خوف، صعوبت پہلے جیسے محرکات نہیں  
اب انساں بیدار ہوا ہے اب ایسے حالات نہیں

۱۳۷

اب ختم ہو گیا ہے صحیفوں کا سلسلہ  
اب انتظارِ دورِ پیمر بھی نہیں ہے

۱۳۸

اب نہیں ایسا کہ مجھ سے کوئی لغزش ہی نہ ہو  
میں بھی اک انساں ہوں مجھ سے خطا ہو جائے گی

۱۳۹

سچ کہا ہے، کہا کسی نے بھی  
زندگی کو کہیں ثبات نہیں

۱۴۰

### ارتکازِ خیال

”ارتکازِ خیال“ رفیع نواز شولا پوری کا مجموعہ کلام ہے۔ جسے گل بوٹے پبلی کیشنز ممبئی نے، مئی ۲۰۰۳ء میں شائع کیا ہے۔ رفیع نواز شولا پور کے ایک فعال اور مستند شاعر ہیں ادبی حلقوں میں خوب جانے مانے جاتے ہیں۔ شولا پور کی تقریباً تمام اردو انجمنوں سے بھی جڑے ہوئے ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں بیگم پتی شولا پور میں پیدا ہوئے۔ تعلیمی لیاقت (بی ایس سی) ہے۔ پیشے سے میکینک ہیں۔ شاعری کا شوق بچپن سے ہی ہے۔ غزل ان کی پسندیدہ صنفِ سخن ہے۔ انھوں نے نظمیں اور قطعات بھی لکھے ہیں۔ شہر میں ہونے والے مشاعروں اور نشستوں میں حصہ لیتے ہیں۔

”ارتکازِ خیال“ میں بشیر پرواز صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ انھوں نے رفیع نواز کی زندگی اور فن کی روشنی ڈالی ہے۔ اسی مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

”شاعری کا ذوق یوں تو ابتدائی عمر سے ہی تھا لیکن شعری سفر کا باقاعدہ آغاز ۱۹۸۳ء سے ہوا۔ اس راہ میں کسی استاد کی رہنمائی نصیب نہیں ہوئی تاہم شاستری نگر کے شعراء کرام خصوصاً میر افضل، عزیز الوہاب اور بے چین شولا پوری کی صحبتوں نے ان کے شعری ذوق کو جلا بخشی، صحبتِ اربابِ سخن سے کسبِ فیض کرتے رہے۔“

بشر نواز نے ”جذبہ و احساس کا شاعر“ کے عنوان کے تحت اسی کتاب میں دیباچہ لکھا ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”زیرِ نظر مجموعہ ایک ایسے نئے شاعر کا مجموعہ ہے جس کے پاس کہنے کے لیے بہت کچھ ہے اور وہ اپنے اظہار کے لیے بے چین ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہی بے چینی انھیں خوب سے خوبتر کی جستجو پر اکساتی رہے گی اور وہ مسلسل ترقی کی طرف گامزن رہیں گے۔ انشاء اللہ۔۔۔۔۔“

اسی مضمون میں بشیر نواز نے رفیع نواز کی چھوٹی بحر میں کہے اشعار کی تعریف کی ہے اور کامیاب قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مشق جاری رکھنے اور زبان اور بیان پر مزید قابو پانے کا مشورہ دیا ہے۔

بشر نواز اور بشیر پرواز کے خیالات پڑھ کر رفیع نواز کی شاعری پڑھی جائے تو یہ شاعر ایک کامیاب شاعر نظر آتا ہے ار ان کی شاعری میں نئے نئے امکانات کی کرنیں بھی ملتی ہیں۔ اس کتاب میں شامل انتخاب بھی ٹھیک ہے۔ نظمیں اور قطعات متاثر بھی کرتے ہیں لیکن ان کی غزل میں زبان کا لطف اور خیالات کی چمک اور موضوعات کی گہرائی خصوصیت کی حامل ہے۔

اس مجموعے کی غزلیہ شاعری سے چند اشعار کا انتخاب ملاحظہ فرمائیں۔

تم اکیلے پریشاں نہیں راہ میں  
سب پسینے میں ہیں تر بتر دھوپ میں

۱۴۳

غم کا نشہ عجیب نشہ ہے  
پی گئے ہم شراب کی صورت

۱۴۴

اعلانِ حق جو میں نے کیا منکروں کے بیچ  
میری زبان کاٹنے بخیر بہت آئے!  
کسی کے حسن کی تاثیر ہے یہ  
مرا ہر شعریوں چندن ہوا ہے

۱۴۵

۱۴۶

تم نہ پھیلاؤ ہاتھ بستی میں  
کوئی کرتا نہیں کرم بابا

۱۴۷

میرے فن پاروں سے جاگے گا ضمیر انسان کا  
جو اثر تحریر میں ہے وہ کہاں تلوار میں

۱۴۸

نہ اس گمان میں رہئے کہ بدگمان ہوں میں  
کسی کی یاد ہوں چاہت ہوں کوئی کیا جانے

۱۴۹

مسکرا کر رحمتیں نازل ہوئیں ان پر نواز

۱۵۰

اعترافِ جرم سے جو چشمِ غم کرتے رہے



### دشتِ جنوں

”دشتِ جنوں“ غفور انیس مرحوم، کا مجموعہ کلام ہے جو ان کے انتقال کے بعد اکتوبر ۲۰۰۴ء کو منظرِ عام پر آیا۔ یہ مجموعہ ”غفور انیس میموریل ٹرسٹ شولا پور“ کے زیرِ سرپرستی شائع ہوا۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ غفور انیس کی اردو شاعری کتابی شکل میں محفوظ ہوگئی۔

غفور انیس ایک شاعر ہی نہیں ایک صحافی بھی تھے۔ ترقی پسند تحریک کے حامی تھے۔ انھوں نے اس دور میں عملی طور پر بھی اس تحریک کے زیرِ اثر کام کیا۔ آپ نے ترقی پسند تحریک کی کل ہند کانفرنس میں شولا پور کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت بھی کی۔ ان کی زندگی اور شاعری پر اس تحریک کے اثرات تھے۔ اردو کے علاوہ انگریزی بھی یہ خوب جانتے تھے بلکہ یہ صحافی انگریزی زبان کے ہی تھے۔ شروع میں سرکاری نوکری کی پھر صحافت کا پیشہ بنایا۔ شاعری تو یہ بہت پہلے سے ہی کیا کرتے تھے لیکن لکھنے اور چھپنے کی رفتار سست رہی اس لیے شاعری کی دنیا میں ان کا نام اتنا عروج نہیں پاسکا جس کے کہ وہ مستحق تھے۔ شولا پور میں ان کی پیدائش ۱۹۲۹ء کو ہوئی۔

ابتدائی تعلیم شولا پور اور اعلیٰ تعلیم ممبئی میں ہوئی۔ ملازمت کے سلسلے میں دہلی، ممبئی، حیدرآباد میں بھی رہے۔ صحافت انھیں راس آئی، انگریزی اخبارات میں کام کیا نام کمایا۔ آخر کار ۱۹۷۵ء (۹ ستمبر) کو اپنے وطن شولا پور میں انتقال ہوا۔ مرحوم کے جانے اور ماننے والوں کی کمی نہ تھی۔

”دشتِ جنوں“ میں دیم طارق، ممتاز راشد، عبدالرشید ارشد، شاعِل ادیب، ڈاکٹر قاسم امام، ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ، عبد الاحد سائز بشیر پرواز، روبینہ فیروز اور فاطمہ انیس نے مضامین لکھ کر مرحوم کی شخصیت کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ ۲۶ صفحات پر مشتمل ہیں۔ باقی صفحات پر نظمیں اور غزلیں ہیں۔ نظموں اور غزلوں کا معیار یکساں ہے۔ مرحوم نے جو کچھ کہنا چاہا سلیقے سے کہا ہے۔ نہ وہ اشعار میں کہیں کمزور پڑے ہیں اور نہ ہی نظموں میں۔ نظموں میں ابنِ کارنگ کچھ گہرا ہی نظر آتا ہے۔ ایک نظم انھوں نے مولانا آزاد کی موت پر لکھی تھی۔ ”رسمِ زیاں عام رہی“ یہ نظم ایک پراثر نظم ہے۔ اس کا لہجہ ترقی پسند تحریک کے زمانے والا لہجہ ہے لفظیات بھی وہی ہیں لیکن باتیں ان کی ہیں، جذبات و خیالات ان کے ہیں۔

مجھ کو ایوانِ حکومت کا نہیں غم کہ یہاں

وقت کے ساتھ نئے دیپ بھی جل جائیں گے

مجھ کو اربابِ سیاست کا نہیں غم کہ انھیں

اور مل جائے گا کوئی بہل جائیں گے



مجھ کو غم ہے مری شیریں وطن کی خاطر  
میں وہ دیوانہ وہ فرہاد کہاں سے لاؤں  
مجھ کو غم ہے کہ میں اب عالم عرفاں کے لیے  
شمع تابندہ آزاد کہاں سے لاؤں

اسی طرح انھوں نے باشعور محنت کش کی آواز (نوٹ) لگا کر ”نئی آواز“ نام کی ایک نظم لکھی ہے جو شاید اس زمانے میں مشہور بھی ہوئی ہو، اس نظم سے دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

یہ اونچے اونچے شبستاں اور یہ راج محل  
حسین کوہ اجنتا جمیل تاج محل

ہر ایک نقش میں ان کے مرقرینہ ہے  
کہیں ہے میرا ہوا اور کہیں پسینہ ہے

۱۵۲

اس کتاب میں شامل نظمیں عشق بھٹکتا ہے بیابانوں میں، جے کیر لہ جے کیر لہ، ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں افریقی ساتھیوں، سالِ نو، سنبھل اے دل، مرین ڈرائیو کی ایک شام، چلا چل چلا چل، خواب پریشاں، آ۔۔۔ اے باغی نوجواں، جگ ہے آج ایک پر یوار، آؤ محل میں موج منائیں، جستجو، یہ انقلاب چمن، تغیر، بمبئی آنے پر، وہ دیوانہ گیا، امریکہ کی زیارت، اجیار امسکائے رے، عہدِ نو کا فیصلہ۔ اپنے الگ الگ موضوعات لئے ہوئے بہت ہی پراثر نظمیں ہیں اس کے علاوہ تین قطعات اور ”متفرقات“ کے تحت کچھ شعر بھی ہیں لیکن اس کتاب میں غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔ غفور انیس غزل گوئی میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ کتاب کی پہلی غزل کا پہلا ہی شعر دیکھیے کہ کس قدر پرکشش ہے۔

مجھے کب تھی فکرِ حاصل، جو ملا، ملا تجھی سے  
ترے شوق نے جو بخشا وہی غم لیا خوشی سے

۱۵۳

یہ غزلیں مختلف بحور میں ہیں خاص طور پر چھوٹی بحر میں انیس نے بڑے شعر تخلیق کیے ہیں ملاحظہ ہوں۔

تیرے در پر پڑے رہے ورنہ  
اہل دل کا کوئی مکاں نہ ہوا

۱۵۴

ہماری ہی طلب ناقص ہے ورنہ  
تجھے پانا کوئی مشکل نہیں ہے

۱۵۵

چاندنی جیسے اور بھی نکھری  
شب کو آیا جو بام پوکوئی

۱۵۶

عقل ہستی ہے راہِ جاناں پر  
دل یہ کہتا ہے عمر بھر چلے

۱۵۷

جسکی شوخی کا نہیں کوئی بھی نام  
پھر وہی گننام یاد آنے لگا

۱۵۸

غفورانیس نے غزل میں کوئی تجربہ نہیں کیا اور نہ ہی انھوں نے غزل کی زبان اور اس کے ویکو متر بتر کرنے کی کوشش کی۔ بنے بنائے، سنورے ہوئے آہنگ میں غزلیں کہیں ہیں۔ مضامین میں ندرت اور پیشکش میں جذت کی کوشش کی ہے۔ غزل کے معاملے میں ان کا یہ محتاط رویہ ان کے اعلیٰ شعری ذوق اور ان کی کلاسیکی شاعری سے رغبت کی غمازی کرتا ہے۔ اسی سمجھ بوجھ کے تحت انھوں نے غزل کہی ہے۔ انھوں نے غزلوں اور نظموں میں اپنے سخن کے نقوش چھوڑے ہیں وہ ”دشتِ جنوں“ کے ذریعہ پھیلیں گے ایسا راقم الحروف کو ہے۔

باورد کے پھول (شعری مجموعہ)

اب تو کھانے کو نہیں کچھ بھی سوائے بارود  
میں پریشان ہوں اس دور میں پیدا ہو کر

مندرجہ بالا شعر کے خالق عبدالرزاق رند شولا پوری ہیں۔ ”بارود کے پھول“ ان کے مجموعہ کلام کا نام ہے۔ اور یہ شعر اس مجموعہ کلام کی پیشانی پر شائع ہوا ہے۔ کتاب کے نام اور اس شعر سے شاعر کے مزاج اور معیار کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ حالاتِ حاضرہ کے شورش زدہ ماحول سے متاثر اور اپنے جذبات اور خیالات سے یہ اپنے پڑھنے میں بے شمار اشعار ایسے ہیں جو دل کو چھو لیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں کچھ اشعار۔

دستور ہے بستی کا آئین پرست ہوں میں  
لاشہ مرا چلتا ہے، میں قبر میں سوتا ہوں

۱۵۹

پیرہن کے نوچنے پر تتلیاں مجبور ہیں!  
شہر ہے جسموں کا بھوکا بال و پردیکھے گا کون

۱۶۰

چاند سے صرف مٹی لا پائے  
ابنِ آدم جو ٹھہرے ہم لوگو

۱۶۱

سونے چاندی کے پہن کتنے ہی تو دن میں لباس  
شام ڈھلتے ہی تجھے نگا بنا دیتی ہے رات  
۱۶۲  
بستی میں تیری کوئی بھی منصور نہیں ہے  
پھر کس کے لئے دار و رسن بانٹ رہا ہے

۱۶۳

ہیں بغاوت پہ قطرے آمادہ  
اے سمندر ترے جلال کی خیر

۱۶۴

لکیریں پڑھ کے کوئی کیا نصیب بدلے گا  
۱۶۵  
خدا بدلتا ہے، تو ہاتھ اٹھا دعا کے لیے

ملے نہ تیل جلاؤں گائیاں کے چراغ  
بجھا سکے تو بجھا میرے حوصلوں کے چراغ۔

مندرجہ بالا اشعار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رند شولا پوری آج اور اب کے مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں اور عصر حاضر ان کے ہر ایک شعر میں نظر آتا ہے۔ رند کی شاعری شولا پور کے اسی ماحول میں پلی بڑھی جہاں صوفی ازم پروان چڑھا، خانقاہوں کے خیالات عام ہوئے۔ مذہبیات کا چرچا شعر و شاعری کے ذریعے ہوا۔ رند نے اس ماحول سے اخلاقیات کی تعلیم حاصل کی ہے۔ ان کے کسی بھی شعر میں غیر اخلاقی بات نظر نہیں آتی۔ راقم الحروف نے جب رند کا مجموعہ کلام کا مطالعہ کیا تو اس شاعر نے جگہ جگہ چونکا دیا۔ ناچیز یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ایسے شعراء ہمارے شہر میں رہتے، بستے ہیں جن کی گویائی، جن کے خیالات پورے انسانی برادری کے لیے ہیں۔

۱۲ فروری ۱۹۴۴ء کو شولا پور میں پیدا ہونے والے رند کی تعلیمی لیاقت ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ ہے۔ اور پیشہ دروس و تدریس ہے۔ ایک مقدس پیشے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان کے خیالات میں پاکیزگی اور ان کے جذبات میں ٹھہراؤ اور لہجے میں دھیمی آنچ کے باوجود سنبھلا پن موجود ہے۔ کتاب کا انتساب رند نے اپنے شفیق استاد محترم مرحوم حضرت یکتا عدنی صاحب کے نام کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان ہی کی ترتیب نے آپ کو حوصلہ بخشا۔ اس سے رند کی حق گوئی اور استاد سے محبت واضح ہوتی ہے اور مجموعہ کلام کے مطالعے کے بعد یکتا عدنی کی تربیت بھی یاد آتی ہے کہ استاد نے اپنے شاگرد کو سخن کی گلیوں میں کہیں بھی بھٹکنے سے باز رکھا تبھی تو شاگرد نے مرنے کے بعد بھی انہیں یاد رکھا اور اپنے مجموعہ کلام کا انتساب ان کے نام کیا!

۹۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں غزلیں ہی غزلیں ہیں جو روایتی غزل سے بالکل الگ اور جدید غزل کے مزاج سے ملتی جلتی مگر اس سے بھی الگ راست گوئی، سچائی اور عصریت کو ساتھ لے کر چلنے والی غزل ہے، رند کی غزل۔ جس میں طنز کی خوب بھی ہے اور لہجے کی کھنک بھی، زبان کی مٹھاس بھی ہے اور موضوع کی تلخی بھی۔ شولا پور کے اس شاعر کے آواز کی گونج اہل اردو کے ذہنوں کی وادیوں میں ضرور گونجے گی لیکن آواز کو پہنچانے کے طریقوں، سلیقوں سے شولا پور والے واقف نہیں ہیں اور انہیں دیگر علاقے والوں کی وکالت اور تائید بھی حاصل نہیں ہے، شاید مستقبل میں ایسا ہو جائے لیکن فی الحال نہیں ہے۔ اس لیے یہاں کی آوازیں دب جاتی ہیں اور گھٹن زدہ ماحول کی کثافت کی نذر ہو جاتی ہیں۔ خدا نہ کرے کہ رند کی آواز کے ساتھ ایسا المیہ پیش آئے۔

اس کتاب میں ”نقد نظر“ عنوان کے تحت شولا پور کے سابق پرنسپل اعجاز نبی کا ریگرنے رند کے بارے میں لکھا ہے۔

”شاعر نے اپنی زندگی میں فرقہ وارانہ منافرت، قتل و خون اور غارت گیری کا

عریاں رقص دیکھا اور اپنے کلام کو زندگی کی اس طویل چیخ کا آئینہ بنادیا۔  
 ”بارود کے پھول“ دورِ رواں کے نشیب و فراز کی دستاویزی ہے۔ ”بارود کے  
 پھول“ کا شاعر ایک اذیت ناک صحرا کا حساس مسافر ہے اور اسی لئے اس کی  
 زندگی میں ایک مسلسل کرب ہے جو اسے بے قرار رکھتا ہے۔

میں حیراں ہوں یا رویہ کیسی صدی ہے

کہ خوں میں نہائی ہوئی زندگی ہے

لیکن شاعر شکست درِ یخت کے اس پر آشوب دور میں بھی ثابت قدمی اور عزم

صمیم سے کام لیتا ہے۔ وہ شب دیدہ زندگی کو نورِ سحر کی بشارت دیتا ہے۔“

اعجازِ نبی کا ریگر کے ان خیالات سے ”بارود کے پھول“ کا ہر قاری متفق ہوگا اور رند کے کلام کو بار بار پڑھ کر تشفی حاصل  
 کرے گا۔ چھوٹی بحروں میں کہے ہوئے اشعار تو ان کے ایسے ہیں کہ زبان، بیان اور مواد کی وجہ سے یاد رہ جاتے ہیں۔ راقم  
 الحروف کی پسند کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں اسی کے ساتھ ناچیز اپنی بات ختم کرنا چاہے گا۔

سرخنی ایسی نہ تھی گلابوں میں

وہ انھیں چوم کر گئے شاید

۱۶۷

وقت کے ساتھ ترے لمس کی خوشبو بھی گئی

کہاں سے لائیں معطر وہ خواب کا موسم

۱۶۸

ہم وہاں آئیں گے ہم کو تو جہاں لے جائے گا

تو ہمارے ساتھ اردو زباں لے جائے گا

۱۶۹

کھا کے پتھرِ ثمر دیے میٹھے

کیا بیسیر کوئی شجر میں تھا

۱۷۰

حوصلہ جب چھوڑا ہوا آسمان  
یہ بھنورائے ناخدا کیا چیز ہے

۱۷۱

زخموں سے چور ہوگا جو غوطہ لگائے گا  
اتھلے سمندروں میں ہیں لعل و گہر کہاں

۱۷۲

سرحد پہ ہر اک ہاتھ میں بارود ہے مگر  
ہم جائیں گے سفید کبوتر لیے ہوئے

۱۷۳

### اضطرابِ نظر

”اضطرابِ نظر“ شولا پور کے ایک مزدور شاعر عبدالرزاق نظر شولا پوری کا ایک مختصر سا مجموعہ کلام ہے۔ جسے شولا پور کے دو معتبر و معزز شاعروں نے مرتب کیا ہے۔ عرضِ مرتب کے تحت ان دونوں کی مشترکہ تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

”اضطرابِ نظر“ آپ کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے بڑی مسرت ہو رہی ہے۔ ان کے مجموعہ کلام کی اشاعت کی پیشکش حالانکہ ایک ادارے نے کی تھی لیکن مرحوم نے اسکی اشاعت کی ذمہ داری ہم دونوں پر ڈالی۔ ان کے اس اعتماد کے لئے ہم دونوں مرحوم کے بے حد ممنون و مشکور ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے درجات میں اضافہ فرمائے۔

۱۷۴

آمین

پروفیسر عبدالرزاق رند شولا پوری

عبدالحمید محبت شولا پور

مندرجہ بالا اقتباس سے شولا پور کی ادبی روایت پھر سے سامنے آئی ہے کہ یہاں کے ادبی حلقے میں بزرگوں کا احترام کیا جاتا ہے اور مرحومین کو عزت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے اور کسی طریقے یا کسی بھی بہانے سے انھیں خراجِ عقیدت پیش کی جاتی ہے یہ بات شولا پور کے دو معتبر شاعروں نے اپنے مرحوم ہم وطن اور ہم ذوق شاعر کے مجموعہ کلام کو مرتب کر کے شائع کر

کے ثابت کیا۔ دو بزرگ اس ضمن میں قابلِ داد و تحسین ہیں۔ راقم الحروف کے سامنے ایسی بہت کم مثالیں ہیں۔  
نظر صاحب کا اصل نام عبدالرزاق ابنِ آدم صاحب تری کیری اور تخلص نظر تھا۔ پیشے سے وہ مزدور تھے۔ ان کی  
پیدائش ۱۱ دسمبر ۱۹۲۳ء میں ہوئی اور وفات کی تاریخ ۸ اگست ۱۹۹۹ء ہے اور یہ مجموعہ ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔ ان کے کلام میں  
سادگی اور پرکاری ہے۔ غزل سے شغف رکھتے تھے اور یہ مجموعہ بھی غزل کا ہی ہے۔ ملاحظہ ہو غزلیہ اشعار۔

یادوں کے کاروان میں ہم ساتھ ساتھ تھے  
بھولے تو یوں کہ گویا کبھی آشنا نہ تھے

۱۷۵

یہ بھی نہیں کہ فکر پہ طاری رہے جنوں  
یوں بھی نہیں کہ پل میں بدل جائے آدمی

۱۷۶

بھول کر مسکرا دیا تھا کبھی  
آج تک میری آنکھ پر غم ہے

۱۷۷

بیٹھے بیٹھے کھو جانا، آہ بھر کر رہ جانا  
اس نے کتنے افسانے کہہ دیے نگاہوں میں

۱۷۸

عطا کیا ہے تری قربتوں نے مجھ کو شعور  
وگرنا رنگ کہاں میری گفتگو کا تھا

۱۷۹

کیا کیا نہ وہم آئے ڈرانے شبِ فراق  
آیا نہ فرق پھر بھی ترے انتظار میں

۱۸۰



حکومت میں خدا کی رہ کے نافرمانیاں کیسی  
اگر بندے ہو تم حق کے نہ چھوڑو بندگی رہی

۱۸۱

آئے گی جب ضعیفی تو ہو جاؤ گے کمزور  
اے نوجوانو کر لو عبادت شباب میں

۱۸۲

”اضطرابِ نظر“ ۵۶ صفحات کا مختصر مجموعہ کلام ہے، چار قطعات ہیں باقی سب غزلیں ہیں۔ کتاب کی طباعت دیدہ زیب ہے۔ سرورق پہ نظر صاحب کی عہدِ بزرگی کی تصویر چھاپی گئی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے موصوف کے کلام اور سوچ کا پتہ چلتا ہے نظر صاحب ایک روایت شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں روایتی غزلوں کی جھلک صاف دیکھی جاسکتی ہے۔ حسن و عشق کی چھوٹی چھوٹی وارداتیں آپ کا موضوع ہیں۔ زندگی کی ہلکی پھلکی باتیں بھی شاعر کو شعر کہنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ غرض موصوف کا کلام اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔

### شمیم غزل

”شمیم غزل“ عبد الحمید محبت شولا پوری کا مجموعہ کلام ہے۔ جو ۲۰۰۲ء میں شولا پور سے شائع ہوا۔ مجموعہ کے سب ٹائٹل پر ایک ایسا شعر شائع کیا گیا ہے جو شاعر کے ذوق کے جنوبی کیفیت کو پیش کرتا ہے۔

بیرہا عالم مرے ذوقِ جنوں کا اے محبت  
زندگی گویا غزل تھی ہر نفس فنکار تھا

اس شعر سے محبت کی فنکاری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بس یہی فنکاری اس مجموعے کے ورق ورق پر چھائی ہوئی ہے۔ محبت بھی غزل کے اسیر ہیں انھی تمام اصنافِ سخن میں غزل ہی پسند ہے اور انھوں نے اسی صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ بے انتہائی مشق نے انھیں ایسا مشاق بنا دیا ہے کہ وہ مشکل مضامین کو بہ آسانی غزل کے فارم میں مقید کر لیتے ہیں۔ راقم الحروف اپنے اس خیال کی تائید اور تصدیق کے لئے ان کے چند اشعار پیش کرنا چاہے گا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اک سا کھتی جو کھو گئی اپنی جہان میں  
لگتا ہے کہ بساط کے مہرے ہوئے ہیں ہم

۱۸۳

سب لوگ کھنچے آئیں گے پروانوں کی طرح  
کردار اپنا شمع سا تاباں بنائیے

۱۸۴

ایک پل کو بھی یہ نہیں رکتا  
وقت بھی کارواں سا لگتا ہے

۱۸۵

ہر ایک کا طریق عبادت جدا سہی  
نفرت کی نہ دیوار مگر درمیاں رہے

۱۸۶

موت اور زندگی کے درمیان  
اک عجب تکرار ہے تیرے بغیر

۱۸۷

محبت شولا پوری کا کلام راقم الحروف نے بہت غور سے پڑھا ہے۔ محسوس ہوا کہ یہ شاعر شولا پور کے دیگر شاعروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی غزل پسند ہے اور اپنی غزلوں میں نت نئے موضوعات کو جگہ دیتا ہے۔ ماضی کی غزلیہ شاعری پر اس شاعر کی نظر ہے۔ لیکن یہ شاعر تقلید کی طرف راغب نہ ہو کر تخلیق سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے مضامین بھی اس شاعر کے پاس نئے طریقے سے آتے ہیں۔ بطور مثال چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

محبت شولا پوری کا کلام راقم الحروف نے بہت غور سے پڑھا ہے۔ محسوس ہوا کہ یہ شاعر شولا پور کے دیگر شاعروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی غزل پسند ہے اور اپنی غزلوں میں نت نئے موضوعات کو جگہ دیتا ہے۔ ماضی کی غزلیہ شاعری پر اس شاعر کی نظر ہے۔ لیکن یہ شاعر تقلید کی طرف راغب نہ ہو کر تخلیق سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے مضامین بھی اس شاعر کے پاس نئے طریقے سے آتے ہیں۔ بطور مثال چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

لٹ گیا سب بہار میں گلشن  
سارا عالم دھواں سا لگتا ہے

۱۸۸

حصارِ زلف سے کیسے نکل سکو گے ندیم  
حسن کو جانے یہ زنجیر کون دیتا ہے

۱۸۹

تیری پازیب کی آواز سے سنبھل پائے  
دوسری ہوتی جو آواز ڈر گئے ہوتے

۱۹۰

نہ ڈھونڈیے گا مجھ کو نگاہِ رقیب میں  
محبوب کی نگاہ میں دنیا جہاں ہوں میں

۱۹۱

آتی ہے تیری یاد تو پڑھتا ہوں ترے خط  
ہر خط ترا جھکو مسیحا سا لگے ہے

۱۹۲

تری تصویر کے پرزے مرتب کر رہا ہوں میں  
شکستہ خواب کے شیشے مرتب کر رہا ہوں میں

۱۹۳

راہِ وفا میں یا رمیرے ساتھ چل کہ میں  
ترکِ وفا کا دل میں ارادہ نہ کر سکوں

۱۹۴

محبّ شولا پوری کے غزل کے رنگ کئی ہیں اور یہی رنگ زندگی کے بھی ہیں۔ کلامِ محبّ گویا زندگی کی سچائیوں کا مجموعہ ہے۔ غمِ ذات اور غمِ کائنات کا اظہار جگہ جگہ ملتا ہے۔ مسرت اور شادمانی کی فضاء بھی کچھ اشعار میں پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبّ کی غزل اچھی لگتی ہے۔ پڑھنے میں بھی اور سننے میں بھی۔۔۔۔!!

”ترانے“ (بچوں کا گیت)

”ترانے“ بچوں کے لئے لکھے گئے۔ قدیر شولا پوری (مرحوم) کے گیتوں کا مجموعہ ہے۔ ۳۸ صفحات کا یہ کتابچہ اس

لحاظ سے اہم ہے کہ یہ قدیر شولا پوری کے بچوں کے لئے لکھے گئے کلام کا مجموعہ ہے۔ اگر یہ کام نہ ہوتا تو ایک اہم شاعر کے یہ گیت، نغمے اور نظمیں ادھر ادھر بکھرے ہی رہ جاتے اور خدشہ تھا کہ وقت کے ساتھ یہ گم ہو جائیں۔ یہ باغبان ہارون رشید (صدر انجمن قدیر شولا پور) کی سوجھ بوجھ اور توجہ کا نتیجہ ہے کہ اس کتابچے کی اشاعت عمل میں آئی۔

شولا پور کے ادبی حلقوں کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ اپنے بزرگ ادیبوں اور شاعروں کو ان کی وفات کے بعد بھی یاد کرنے کے کچھ نہ کچھ جتن کرتے رہتے ہیں۔ شولا پور کے معتبر استاد شاعر حضرت قدیر شولا پوری کی پہلی برسی کے موقع پر ”انجمن قدیر“ کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کتابچے کی اشاعت عمل میں آئی۔ اس کتاب میں عرض ناشر کے تحت انجمن قدیر کے صدر باغبان ہارون رشید نے لکھا ہے۔

”ترانے“ سے قبل حضرت قدیر شولا پوری کے مجموعہ کلام ”بوئے پیرہن“ سے آپ واقف ہیں۔ اہل علم و ادب میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی، ”بوئے پیرہن“ میں یہ ”ترانے“ شامل نہیں کئے گئے کیوں کہ مرحوم قدیر صاحب نے اسے نامناسب سمجھا تھا۔ لیکن ہم ان گیتوں کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ”ترانے“ عنوان کے تحت ایک کتابچہ شائع کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ مہاراشٹر کے مختلف مدارس میں حضرت قدیر شولا پور کے یہ ترانے پیش درس میں بڑے شوق سے پڑھائے جاتے ہیں۔ ”ترانے“ میں شامل گیت یوم جمہوریہ، یوم آزادی، مدارس کے سالانہ جلوسوں وغیرہ کے لئے فلمی طرز پر لکھے گئے ہیں۔“

۱۹۵

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کتابچے میں شامل کلام مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ اور اس میں شامل کچھ گیت یوم جمہوریہ اور یوم آزادی کے موقعوں پر مدارس کے سالانہ جلوسوں کے لئے فلمی طرز پر لکھے گئے ہیں۔ اور ایک بات سامنے آئی کہ ”بوئے پیرہن“ جو کہ مرحوم کا مجموعہ کلام ہے اور جوان کی زندگی میں شائع ہوا تھا۔ مرحوم نے اس کتاب میں ان گیتوں کو شامل کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ راقم الحروف یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ وہ گیت جو فلمی طرز پر لکھے گئے تھے وہ فلمی طرز پر گائے بھی جاتے رہے ہیں تو، ان گیتوں کو انھوں نے ایک خاص مقصد کے لیے لکھا ضرور تھا اور شاید وہ اس کلام کو اسی حد تک رکھنا چاہتے تھے۔ مرحوم کا یہ کلام بھی مقصدی اور معیاری ہے۔ اس میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ یہ چھوٹا سا کتابچہ بچوں کی ہی نہیں بڑوں کی بھی دلچسپی کا باعث ہے۔

فلم ”میرے محبوب“ کے مشہور گیت ”یاد میں تیری جاگ جاگ کے ہم“ کی طرز پر ایک ”حمد“ کے ابتدائی بول ملاحظہ

فرمائیں۔

تو نے ہر شے کو زندگی بخشی اے خدا خالق جہاں تو ہے  
سب پہ یکساں ہے فیضِ عام تیرا اپنے بندوں پر مہرباں تو ہے

۱۹۶

فلم ”مدراندیا“ کے ایک گیت ”چڑیا اڑتی جائے رے“ کی طرز پر ایک نعت شریف کے بول ملاحظہ فرمائیں۔  
خدائی جھکتی جائے رے، نبی ﷺ پڑتی جائے رے  
چاند عرب کا ملکوں ملکوں اپنی ڈھب دکھائے  
خدائی جھکتی جائے رے، نبی ﷺ پڑتی جائے رے

۱۹۷

فلم ”نیادور“ کے مشہور گیت ”ساتھ ہاتھ بڑھانا“ کی طرز پر ایک گیت ملاحظہ فرمائی جس کا عنوان ”آیا اپنا زمانہ“ ہے۔  
ایک ساتھ سب ہنستے گاتے آگے قدم بڑھانا  
آیا اپنا زمانہ  
ہم بھارت کے لال ہیں پیارے دنیا سے کیا ڈرنا  
ٹھہر کے اپنے ہی پیروں پر دیس کی سیوا کرنا  
جوشِ عمل لے کر بڑھنا جا پتھر بھی ہے پانی  
کچھ کر لے ورنہ کو سے گی تجھ کو تیری جوانی  
آیا اپنا زمانہ

مندرجہ بالا مثالیں اس بات کی شاہد ہیں کہ حضرت نے فلمی طرز والے گیتوں میں بھی فنِ شاعری کے جلوے دکھائے ہیں۔ بلکہ کہیں کہیں تو بات ایسی بنی ہے کہ حضرت کے بول فلمی الفاظ سے بھی اچھے لگتے ہیں۔  
متاعِ سخن:

”متاعِ سخن“ حبیب احمد شوق ہمنابادی کی شاعری کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ لائین پرنٹرز شولا پور سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں شولا پور کے ہی مستند قلم کاروں کے مضامین شوق صاحب کی شخصیت اور فن پر ہیں۔ سبھی نے ان کے سخن کی داد دی ہے۔ راقم الحروف نے شوق صاحب کا یہ مجموعہ بہت ہی شوق سے پڑھا ہے۔ ان کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس

کتاب کی رسم اجراء میں ان کے فن اور شخصیت پر مقالہ بھی پرھا ہے۔

ہمناباد کے پولیس ایکشن ۱۹۴۸ء میں شوق صاحب کا خاندان شولا پور آ کر بس گیا اور یہیں کا ہو کر رہ گیا۔

۱۹۹

شولا پور میں انھوں نے کارخانوں میں مزدوری کی، شاعری کا شوق فطری تھا۔ بچپن سے ہی شاعری میں دلچسپی لیتے تھے۔ عشق سخن اور شعراء کی صحبتوں اور اپنے استاد محترم الیاس احمد آلیا کی رہبری میں ان کی شاعری پروان چڑھنے لگی۔ خوب شعر کہتے رہے اور خوب نام بھی کمایا۔ مزدوری ذریعہ معاش رہی اور شوق شاعری رہا۔ وہ اپنے پیشے اور شوق سے سمجھوتہ کر کے زندگی بسر کرنے لگے۔

شوق صاحب حوصلہ مند، وفا شعار، با اخلاق، قناعت پسند، انسان شناس، حقیقت شناس اور ملنسار انسان ہیں اس کے ثبوت کے لئے انھیں کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

میں سعی کرتا رہوں گا زندگی بھر، بس یہ  
میری جانب سے کسی کا دل میلانہ ہو

۲۰۰

کسی کے واسطے دل میں نہیں بعض میرے  
مر اعدو بھی ملے تو سلام کرتا ہوں

۲۰۱

وہ دوستوں کو اپنے بناتے رہے رقیب  
ہم دشمنوں کو دوست بناتے چلے گئے

۲۰۲

اب تو ہمارے حوصلے کی داد دو کہ ہم  
طوفان میں بھی راہ بناتے چلے گئے

۲۰۳

سوا پیار کے اور کیا مانگتا ہوں

۲۰۴

وفاؤں کے بدلے وفا مانگتا ہوں

شوق صاحب خالص غزل کے شاعر ہیں انھوں نے تغزل میں ڈوب کر غزلیں کہی ہیں۔ جبکہ ان کی زندگی مصائب سے بھری ہوئی ہے۔ پھر بھی ان کے طبیعت عاشقانہ ہے۔ وہ اپنی غزلوں میں کبھی اپنی معشوق کا سراپا بیان کرتے ہیں تو کبھی اس کے حسن و دلفریب کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ کبھی اظہارِ محبت کرتے ہیں تو کبھی بے توجہی کا گلہ کرتے ہیں۔ کبھی اپنی معشوق سے شوخی اور شرارت کرتے ہیں تو کبھی ناز و ادا کا ذکر کرتے ہیں۔ غرض رنگِ تغزل ان کی شاعری کی اہم خوبی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

جیں وچشم و لب، سرخ گالوں کی باتیں  
حسین خوبصورت غزالوں کی باتیں

۲۰۵

خوبرو ہے مراد لرباد دوستو  
جس نے دیکھا کہا مر حباد دوستو

۲۰۶

آدمی ہوں میں کوئی فرشتہ نہیں  
مجھ سے پھر کیوں نہ ہوگی خطا دوستو

۲۰۷

اس نے اٹھائی روئے منور سے جب نقاب  
دنیا تمام نور کے سانچے میں ڈھل گئی

۲۰۸

ہوئی خبر نہ ذرا چند ملاقاتوں میں  
دل مرا موہ لیا اس نے باتوں باتوں میں!

۲۰۹

میں نے جب پوچھا تمہیں مجھ سے محبت تو نہیں  
اس نے شرما کے بس انگلی دبائی دانتوں میں

۲۱۰

اردو غزل نے وقت کے ساتھ کئی کروٹیں بدلیں ڈر بھر کے موضوعات اس میں آنے لگے۔ کلاسیکی غزل کے نقوش دھندلانے لگے لیکن وہ یکسر غائب نہیں ہوئے اور ہو بھی نہیں سکتے کیونکہ کلاسیکی یا روایتی غزل بنیاد ہے جس پر آج کی غزل کی عمارت کھڑی ہے۔ اور پھر زبان و بیان کے ہزار ہارنگ روپ روایتی غزل میں ہی موجود ہیں۔ جس شاعر کا مطالعہ ماضی کی غزل کا ہوگا وہ حال کی غزل کو موثر ڈھنگ سے پیش کر سکے گا۔ آج بھی کچھ شاعر اس رویے پر کار بند ہیں جن میں ایک نام شوق صاحب کا ہے۔ شوق صاحب روایت کے پاسدار ہونے کے ساتھ ساتھ حال کے حالات سے بھی باخبر رہتے ہیں اور موجودہ حادثات، واقعات اور انسانی جذبات کو اپنی غزلیہ شاعری کا حصہ بناتے ہیں۔ دورِ حاضر کا انسان کتنا مجبور ہے غربی و مفلسی اس سے کیا کیا کرواتا ہے اس کی بہترین ترجمانی انھوں نے اپنی ایک غزل میں کی ہے راقم الحروف کی نظر میں یہ غزل بہت ہی عمدہ اور بے حد پراثر ہے۔ ویسے شوق صاحب کا ہر شعر اپنی جگہ معنی رکھتا ہے۔ مفہوم کے درکھولتا ہے لیکن ناچیز کی رائے میں مندرجہ ذیل غزل اس مجموعہ کی خاص غزل ہے بلکہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ یہ حاصل مجموعہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

### غزل

بچوں کے لئے اپنی ان بیچنے لگا  
بن کے فقیر اب وہ دیا بیچنے لگا  
فکا خوش نوا بھی گلا بیچنے لگا  
بازار میں وہ اپنی صد بیچنے لگا  
کردار کا جو ہر جسے ورثے میں ملا تھا  
مجبور ہو کے اب وہ ادا بیچنے لگا  
ہے کوئی خریدار تو آواز لگائے  
ناز و وفا بھی اپنی وفا بیچنے لگا  
مٹی سے شوق جس کو بنایا تھا خدانے  
مٹی کے وہ بنا کے خدا بیچنے لگا

۲۱۱

شوق صاحب کا رجحان غزل کی طرف ہے اور غزل میں انھوں نے بہت کچھ صلاحیتوں کا اظہار بھی کیا ہے لیکن نظم میں بھی ان کا عملی دخل ہے۔ راقم الحروف کے علم میں یہ بات تو نہ آسکی کہ انھوں نے کتنی اور کیسی کیسی نظمیں لکھی ہیں۔ لیکن اس مجموعہ



کلام میں جو نظمیں ہیں وہ نظمیں انھیں ایک اچھا نظم گوشتا عرب بھی ثابت کرنے کے لئے کافی ہے ان نظموں میں مثنوی کی ہیئت میں ہوئی ایک نظم ”قومی یکجہتی“ کافی اہم ہے۔ اس میں شوق صاحب نے ہندوستان کے ایک سنگین اور نازک موضوع کو اٹھایا ہے۔ ملک کو آزاد ہوئے ۶۱ برس ہو چکے ہیں لیکن قومی یکجہتی کی فضا پوری طرح قائم نہیں ہو سکی۔ انھوں نے اس نظم میں قومی یکجہتی کے مسائل کے ساتھ ساتھ اس کا حل بھی پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پیار و محبت ہی سے ملک میں قومی یکجہتی کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔ اس نظم کا آخری شعر ملاحظہ فرمائیں۔

پیار سے بھارت سو رنگ بنے گا

ورنہ یار و ترک بنے گا

۲۱۲

اس نظم کے علاوہ، ماں کی نصیحت، جواب نصیحت اور کشش، بہت اچھی نظمیں ہیں۔ ایک نظم میں ماں اپنے بیٹو کو شاعری ترک کرنے کا مشورہ دیتی ہے کیونکہ ماں کی نظر میں شاعری فضول چیز ہے۔ اس سے ذریعہ معاش حاصل نہیں ہوتا۔ ”جواب نصیحت“ میں شوق اس کا جواب دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

شاعری کیوں تمہیں عزیز نہیں

شعر گوئی خراب چیز نہیں

میں سلیقے سے جینا چاہوں گا

مختصر اتنا کہنا چاہوں گا

جس کو اردو زبان کہتے ہیں

سب سے میٹھی ہے سب سے پیاری ہے

اس کا لہجہ ہی کچھ نرالا ہے

اس کی لذت بھی سے نیاری ہے

پھر میں شاعر ہوں کہاں کا امی

ادنیٰ خادم زباں کا امی

جو مشیت نے مجھ کو بخشی ہے

بس وہ تو فیتق رہے گی زندہ

می رہوں نہ رہوں زمانے میں  
میری تخلیق رہے گی زندہ

۲۱۳

مندرجہ بالا نظم سے ماں کی بات کا سلیقہ سے جواب اور اپنے خیالات کا اظہار ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شوق صاحب کی اردو زبان سے محبت، رغبت کے جذبات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اس مجموعے میں ”کشمکش“ نام کی ایک رومانی نظم ہے۔ جس میں عاشق و معشوق کی دورانِ وصل پیش آنے والی نفسیاتی کشمکش کی ترجمانی سلیقے سے کی گئی ہے۔ اس نظم کے مطالعے سے اردو ادب کے مشہور و معروف رومانی شاعر اختر شیرانی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

ایک اور خاص بات جو رواقم الحروف نے شوق صاحب کے کلام میں پائی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے ہاں تکلف اور تصنع بالکل نہیں ہے حقیقت بیانی ہے۔ سلاست ہے، روانی ہے، راست گوئی ہے اور سچائی ہے۔ بحیثیت انسان ان میں جو خوبیاں ہیں غالباً وہی سب کچھ ان کی شاعر میں بھی ہیں۔ ان کی زبان سادہ عام فہم اور سلیس ہے جو قاری کو بھلی لگتی ہے۔ لہجہ نرم اور دلنشین ہے۔ جو دل کو موہ لیتا ہے۔ شولا پور کے اس شاعر کی یہ جو خوبیاں ہیں جو خصوصیات ہیں وہ یہاں دور دور تک کسی اور میں نظر نہیں آئیں۔ اکبر الہ آبادی نے ان کی اپنی شاعری کے متعلق ایک شعر کہا تھا۔

شعر اکبر میں کچھ کشف و کرامات نہیں  
دل پہ گزری وہی ہے اور تو کوئی بات نہیں

شوق صاحب کا معاملہ بھی بالکل ویسا ہی ہے۔ سارا شولا پور شہر جانتا ہے کہ شوق صاحب ہمیشہ ہی تنگ دستی کا شکار رہے اور معاشی بد حالی کے باوجود انھوں نے اپنے ذوقِ سخن کو جاری رکھا۔ زندگی میں زر، زمین، زیور تو انھوں نے کمایا نہیں مسلسل ۳۵ سال فکرِ سخن کرے رہے اور یہ مجموعہ شائع کیا۔ دراصل راقم ال حروف کی نظر میں یہ کتاب متاعِ شوق ہے جو شولا پور کی شعری تاریخ میں ”متاعِ سخن“ کا درجہ رکھتی ہے۔

☆ تیرنیم کش:

زندگی کی گہما گہمی اور مسائل نے آج کے انسان کو افسردہ کر دیا ہے ایسے میں کچھ لمحے سکون اور تفریح کے میسر آ جائیں تو انسان غنیمت جانے۔ ان لمحوں کی تلاش تو ہر انسان کو ہوتی ہے۔ جو اس کے اپنے شوق اور ذوق پر منحصر ہے۔ اردو شاعر سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے شاعری میں طنز و مزاح کی تلاش رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نشستوں اور مشاعروں میں طنزیہ و مزاحیہ شاعری کرنے والوں کو دعوتِ سخن دی جاتی ہے۔ چونکہ یہ فن بہت ہی مشکل فن ہے اس لیے اس میدان میں کم ہی شعراء

طبع آزمائی کر پاتے ہیں۔ ان میں بھی بہت ہی کم ایسے ہوتے ہیں جو کہ سماج کے اعلیٰ اقدار اور حقیقت کو مد نظر رکھتے ہیں، زیادہ تر تو ایسے شاعر ہیں جو بس کسی نہ کسی طرح قاری یا سامع کو ہنسانے کی حد بندی اپنے کلام میں قائم کر لیتے ہیں۔ انھیں نہ اخلاقیات سے مطلب ہوتا ہے اور نہ ہی قدروں سے۔ ایسے شاعر بھی مشہور تو ہو جاتے ہیں لیکن نہ ادب میں کوئی مقام حاصل کر پاتے ہیں اور نہ ہی دلوں میں جگہ پیدا کر سکتے ہیں۔ شولا پور میں جو ادبی ماحول ہے وہ معیاری اور سنجیدہ ہے۔ یہاں پر غیر معیاری، غیر سنجیدہ پھکڑ پن اور بیہودگی کے لیے کوئی جگہ نہیں، اسی ماحول کو پروردہ ہیں۔ سراج شولا پوری جنھوں نے شاعری کی شروعات تو کی سنجیدہ شاعری سے لیکن بہت جلد انھوں نے ادب میں اپنا ایک نیا راستہ ڈھونڈ لیا۔ طنز و مزاح کو انھوں نے اپنے جذبات اور خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنا لیا۔ اور محفلوں میں آنے جانے اور سننے سنانے لگے۔ شولا پور کے ادبی حلقوں میں ان کی پذیرائی ہونے لگی تو ان کے حوصلے بلند ہوئے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ مشاعرے کی دنیا میں مشہور ہو گئے۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام ۲۰۰۶ء کو شائع ہوا۔ جسے انجمن قدیر شولا پور نے شائع کیا۔ انجمن کے صدر جناب باغبان ہارون رشید نے ”عرض ناشر“ کے تحت لکھتا ہے:

”سراج شولا پوری کی اولین تصنیف ”نیرنیم کش“ انجمن کے اشاعتی سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ اس سست قبل قدیر شولا پوری کی کتاب ”ترانے“ شائع ہو چکی ہے۔ اہلیان شولا پور کے لیے یہ بڑے فخر و اعزاز کی بات ہے۔ سراج شولا پوری مہاراشٹر کے واحد شاعر ہیں جنھوں نے صرف چند سالوں میں آندھرا پردیش، مدھیہ پردیش، کرناٹک، اڑیسہ، تامل ناڈو و ETV وغیرہ پر سینکڑوں کامیاب مشاعرے پڑھے ہیں ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔“ ۲۱۴

انجمن قدیر کے صدر کا کہنا صحیح ہے کہ سراج شولا پوری ان دنوں مشاعروں کی دنیا کا ایک چمکتا دمکتا نام ہے کیونکہ انھوں نے سینکڑوں کامیاب مشاعرے پڑھے ہیں۔ یہ شولا پور والوں کے لیے بھی قابل فخر بات ہے کہ سراج نے اپنی محنت اور لگن سے شولا پور کے بارہ بھی قدم جمائے اور نام پیدا کیا۔

راقم الحروف سراج کو بہت قریب سے جانتا ہے۔ اس لیے یہ کہنے کے موقف میں ہے کہ سراج کو یہ مقام یوں ہی نہیں ملا۔ سراج نے اس کے لیے بے حد محنت کی۔ طنز و مزاح جیسے نازک فن کو اپنے گرفت میں لیا اور نام پیدا کیا۔ سراج چونکہ بحیثیت انسان انیک فطرت انسان ہیں اس لیے ان کی شاعری میں وہ پینترے یا وہ قلابازیاں نہیں جو اکثر طنز و مزاح کے شاعروں میں ہوتی ہے۔ سراج ہمارے سماج کی غلط کاریوں، کوتاہیوں اور لاپرواہیوں پر طنز کرتے ہیں اور مزاح کے بھی پہلو پیش کرتے

ہیں۔ سماج کو ان کا یہ آئینہ دکھانا ایک طرح سے اصلاح کی طرف راغب کرتا ہے۔ سراج اپنے کلام میں مقامی بولی کا بھی استعمال کرتے ہیں اور دکن کی دہقانی بولی اور لہجے کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بناتے ہیں۔ یہ بات قابلِ داد ہے کہ سراج کے ہاں ہمیں سستے جذبات نہیں ملیں گے، غیر اخلاقی حرکات و جذبات کا اظہار نہیں ملے گا۔ اور نہ ہی بھونڈے ڈھنگ کا کوئی مذاق ملے گا۔ جو کچھ ملے گا وہ اخلاق کے دائرے میں ہوگا۔ اپنے فن کے بارے میں سراج نے ایک قطعہ کہا ہے۔ جو ان کے پہلے مجموعہ کلام کے ٹائٹل کے پشت پر چھپا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

دلاور سا ہے فن مجھ میں نہ اکبری مہارت

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے شاعری کی ہے

مگر دیکھا جہاں جب بھی برائی کے اندھیروں کو

مزاح و طنز کی شمع جلا کر روشنی کی ہے

مندرجہ بالا قطعہ میں سراج نے اپنے فن کے تعلق سے واضح بات کہہ دی ہے اور اپنا مقصد بیان کر دیا ہے۔ اس کی روشنی میں اگر ہم ”تیرنیم کش“ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں مایوسی نہیں ہوتی کیونکہ اس میں حقیقت کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ جو کہ ہم اپنی زندگی میں دن رات محسوس کرتے ہیں۔ سراج کی شاعری کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

ہر ہنسی کو بھی ڈستا ہے بچو کوئی

ہر خوشی پر بھی بیٹھی ہے ناگن میاں ۱۲۵

کب تلک یہ یہ خالی باتاں کب تلک یہ غفلتاں

سامنے دشمن کا آ کو ہے سوشلکرو دیکھ با

۱۲۶

نجانے کون ہیں مسجد میں وہ اللہ کے بندے

جو ہر جے کو بس میرا ہی جو تا مردیتے ہیں

۱۲۷

سراج کے قطعات سننے میں بھی اچھے لگتے ہیں اور پڑھنے میں بھی لطف دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں چند قطعات۔

چھوٹا بن کر وقت گزارو داناؤں کی خدمت میں

نادانوں پہ کر کے حکومت خود کو دانا مت سمجھو

اونچے لوگوں میں رہ کر تم ثابت کرنا اونچائی  
بونوں کی صحبت میں رہ کر خود کو اونچا مت سمجھو

۲۱۸

رشوت جو پانچ ہزار کی لی میں نے کسی سے  
پکڑا گیا تو مہنگا یہ سودا پڑا مجھے  
یوں پھنس گیا تھا کیس میں اب کیا بتاؤں میں  
پچیس ہزار دے کے نکلنا پڑا مجھے

۲۱۹

خنرے اٹھانے تیرے میں رشوت لیا بہت  
یہ کھیل مگر جان من اب اینڈ ہو گیا  
وہ کون سی منحوس گھڑی تھی کسے پتہ  
چکر میں تیرے آ کے میں سس پینڈ ہو گیا

۲۲۰

فقط روتا ہوں کچھتا ہوں جب سے ہو گئی شادی  
بھلا میرا اسی میں تھا کنوارہ رہ گیا ہوتا  
ستم سہتے ہوئے بیگم کے بس اتنا ہی کہتا ہوں  
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

۲۲۱

پوجا کے واسطے نہ عبادت کے واسطے  
بھگوان رہ گئے ہیں سیاست کے واسطے  
کرتے ہیں میرے دلش کے عیار سیاسی  
مذہب کی بات صرف حکومت کے واسطے

۲۲۲

سراج نے بہت سارے سماجی مسائل پر نظمیں لکھی ہیں ان میں سے کچھ نظمیں ”تیر نیم کش“ میں بھی شائع ہوئی ہیں۔

ان نظموں کے مطالعے سے راقم الحروف نے یہ محسوس کیا کہ سراج دراصل ایک سنجیدہ اور ہمدرد انسان ہیں، جو اپنے ارد گرد کے ماحول پر نظر رکھتے ہیں متاثر ہوتے ہیں۔ اور جب بھی ان مسائل پر فکر کرتے ہیں تو طنزیہ و مزاحیہ انداز میں شعری پیکر ڈھال دیتے ہیں۔ اس طرح راقم الحروف نے انھیں ایک ایسا شاعر پایا جو انسانی دکھ درد کو اپنے اندر جذب کر کے اسے دکچسپ انداز میں بیان کرتے ہوئے اہل سماج کو یہ احساس دلاتا ہے کہ دیکھو ایسا بھی ہمارے سماج میں ہو رہا ہے۔ ایک نظم ہے ”طلاق“ اس کے شروع کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں ۲۲۳

فریاد کر رہی تھی عدالت میں کوئی کل  
جھکو طلاق چاہیے شوہر سے اسی پل

مجھ پہ ستم وہ کرتا ہے کتنے ہی بار بار  
ہر خواب میرا اسکی وجہ سے ہی تار تار

”طلاق“ جیسے ناپسندیدہ اور نازک موضوع پر سراج نے بہت ہی الگ طریقے سے یہ نظم لکھی ہے۔ اس میں عورت جو اپنے شوہر کی شکایت جج کے سامنے کرتی ہے۔ وہ شوہر پر ہی الزام دھرتی ہے۔ اس کے بیان میں وہ باتیں بھی ہیں جو کہ خود اس کی کمزوری ہے۔ غلطی ہے لیکن وہ اس پر دھیان نہیں دیتی بس کہتی رہتی ہے۔ اسکی غلطیاں یا اس کی غلط سوچ ایسی ہے کہ جسے شوہر اور گھر والوں کے علاوہ ہمارا مسلم معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ طنز بہت گہرا اور دل کو چھونے والا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کچھ شعر۔

میں چاہتی ہوں زندگی گذرے بہار میں  
ہوٹل میں پارٹی ہو کچھ ڈسکو بار میں

لیکن مجھے وہ گھر سے نکلنے نہیں دیتا  
پر نور فضاؤں میں بہلنے نہیں دیتا

کھانے پہ غریبوں کو بلاتا ہے روز وہ  
پر میرے دوستوں کو بھگاتا ہے روز وہ

بستی کے غم زدوں کا اکیلا ہے غم گسار  
انسانیت کی بات سکھتا ہے بار بار  
اس نظم میں ایک موڑ اس شعر سے آتا ہے۔  
فرمایا جج نے غور سے سن کر یہ پوری بات  
گھیری ہے اجالے کو بھیانک اندھیری رات

انصاف کسی طور دلا نا ہی پڑے گا!  
ناگن سے فرشتے کو بچانا ہی پڑے گا!  
جج نے عورت کے بیان کے پیچھے اس کی نیت اور اس کی خواہش کو دیکھا جو بیجا تھی۔ اس لیے جج نے عورت سے کہا۔  
بربادی تہذیب کا عنوان بنے گی  
مردوں کی تباہی کا یہ سامان بنے گی

مومن کا ہر ایک گھر ہے عبادت کے واسطے  
ہر گز نہیں ہے ایسی غلاظت کے واسطے

دلوؤں کا طلاق اسی واسطے تجھے  
انصاف دلانا ہے ”شرافت“ کو اب مجھے  
اور اس کے بعد نظم کا آخری موڑ آتا ہے۔ جو پڑھنے اور سننے والے کو متاثر کئے بنا نہیں رہتا۔ یہ موڑ شاعر کے اپنے  
بیان کا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

کہہ کر یہ نظم خوش ہوں میں ایسا نہ سوچئے  
میری نظر سے آپ بھی دنیا کو دیکھیے

ٹوٹے کسی کا گھر مجھے اچھا نہیں لگتا  
کیا میرا کہا کل کا اشارہ نہیں لگتا

عظمت کا پاس اور ادب کا خیال ہو  
بیٹی میرے سماج کی اعلیٰ مثال ہو

اخلاق و تہذیب کی ویور ہو بیٹیاں  
شرم و حیا و ناز کے گہور ہو بیٹیاں

شکاف ہوں، تسنیم ہوں کوثر ہوں بیٹیاں  
مریم کا اور بتول کا پیکر ہوں بیٹیاں

اس طرح سراج کی ہر نظم میں کچھ نہ کچھ ایسی بات ہوتی ہے جو متاثر کرتی ہے سراج نے اس نظم میں اور دیگر نظموں میں سلیمان خطیب کا انداز اپنایا ہے۔ اور وہ اس تقلید میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں پانی، شاعر اعظم، منشاء، آج کا سیاست داں، سالِ نوم، سیاسی ٹیچر کی تقریر، سیاسی شاعر کی تقریر، سیاسی غنڈے کی تقریر، سیاسی ڈاکٹر کی تقریر، اکیسویں صدی، قبرستان میں مشاعرہ، ٹائیم کپسول، انڈیا پاک غزل، مظلوم شوہروں کی کانفرنس، تیسری جنس کا مشاعرہ، عید مبارک اور کامپرمائیز یہ ایسی نظمیں ہیں جو پڑھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہیں ان نظموں کے بارے میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لکھا جاسکتا ہے، انہیں یاد کر کے دوسروں کو سنایا بھی جاسکتا ہے۔

سراج شولا پوری کے طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا یہ مجموعہ انتہائی دلچسپ اور معیاری ہے۔ غزلوں (ہزلوں) اور قطعات سے زیادہ بہتر، معیاری اور پراثر ان کی موضوعاتی نظمیں ہیں، جن میں کچھ ہے راقم الحروف یہ کہنے کے موقف میں ہیکہ سراج نظموں میں زیادہ کامیاب ہیں۔

”تیر نیم کش“ کی اشاعتِ اول مئی ۲۰۰۶ء کو عمل میں آئی۔ یہ کتاب شولا پور کی ادبی انجمن، انجمنِ قدیر سے شائع کی گئی ہے۔ اس کی قیمت ۱۲۵ روپے ہے۔

”تیر نیم کش“ ادبی حلقوں میں پسند کی گئی۔ اس میں شائع شدہ کلام کو لوگ مشاعروں میں فرمائش کر کے سراج



شولا پوری سے سنتے اور پسند کرتے ہیں۔ یہ شولا پور کے ادبی حلقوں کے لیے اعزاز کی بات ہے۔

### حواشی

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	ناشر	سن اشاعت	صفحہ
(۱)	سرمدی نغمے	حاجی شولا پوری	جمعیتہ القریش اکاڈمی حاجی ماہی چوک	ندارد	۲
(۲)	انٹرویو۔ عبداللہ قریشی ۲۲ جنوری ۲۰۰۸ء	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	
(۳)	سرمدی نغمے۔	حاجی شولا پوری	جمعیتہ القریش اکاڈمی حاجی ماہی چوک	ندارد	۲
(۴)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ندارد	۳۹
(۵)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ندارد	۶۴
(۶)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۷۱
(۷)	ذکر جمیل۔	حاجی شولا پوری۔	جمعیتہ القریش اکاڈمی حاجی چوک،		۱۰۵
(۸)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۱۲
(۹)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۱۷
(۱۰)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۲۰
(۱۱)	سریلے گیت مقدمہ عصمت جاوید۔	نسیم منان۔	نسیم منان ۳۳۵، شکر پیٹھ شولا پور۔	ندارد	۳، ۴
(۱۲)	سریلے گیت مقدمہ عصمت جاوید۔	نسیم منان۔	نسیم منان ۳۳۵، شکر پیٹھ شولا پور۔	ندارد	۶
(۱۳)	سریلے گیت	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۹
(۱۴)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۰
(۱۵)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۲
(۱۶)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۲

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۱۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۷)
۲۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۸)
۲۵	نسیم منان ۳۳۵، شکر پیٹھ، شولا پور ندارد	نسیم منان۔	سرلیکیت۔		(۱۹)
۴۱	ندارد۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۰)
۵	یکتا عدنی ۱۰۶ افارست، چاندنی چوک ۱۹۸۳ء	یکتا عدنی شولا پوری۔	غبار کارواں پیش لفظ۔		(۲۱)
۴	۱۹۸۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۲)
۵۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۳)
۵۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۴)
۶۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۵)
۶۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۶)
۱۲۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۷)
۶۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۸)
۶۶	یکتا عدنی ۱۰۶ افارست، چاندنی چوک ۱۹۸۳ء	یکتا عدنی	غبار کارواں۔		(۲۹)
۱۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۰)
۱۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۱)
۱۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۲)
۱۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۳)
۶	یکتا عدنی ۱۰۶ افارست، چاندنی چوک ۱۹۸۳ء	یکتا عدنی	غبار کارواں۔		(۳۴)
۴۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۵)
۴۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۶)
۴۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۷)

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۴۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۸)
۵۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۹)
۵۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۰)
۵۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۱)
۴۹	ایضاً۔	ایضاً۔	نسیم منان۔	کاروانِ ادب۔	(۴۲)
۴۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۳)
۱۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۴)
۱۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۵)
۱۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۶)
۱۶	۱۹۸۸ء	کاروانِ ادب، شولا پور	نسیم منان	کاروانِ ادب۔	(۴۷)
۱۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۸)
۱۴	۱۹۸۸ء	کاروانِ ادب، شولا پور۔	نسیم منان۔	کاروانِ ادب۔	(۴۹)
۲	۱۹۸۷ء	کلیم شولا پوری، جمع پیٹھ، شولا پور	کلیم شولا پوری۔	چیتان کلیم۔	(۵۰)
۱۴	۱۹۸۸ء	کاروانِ ادب، شولا پور۔	نسیم منان۔	کاروانِ ادب۔	(۵۱)
۱۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۲)
۲۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۳)
۲۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۴)
۲۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۵)
۲۴	۱۹۸۸ء	کاروانِ ادب، شولا پور	نسیم منان	کاروانِ ادب	(۵۶)
۲۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۷)
۲۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۸)

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۲۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۹)
۳	۱۹۸۹ء	فلورا بک سیلرز، بیجا پور ٹیس، شولا پور	محمد حنیف بے چین۔	(۶۰)
۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۱)
۲۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۲)
۲۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۳)
۲۷	۱۹۸۹ء	فلورا بک سیلرز، بیجا پور ٹیس، شولا پور	محمد حنیف بے چین۔	(۶۴)
۲۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۵)
	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۶)
۳۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۷)
۳۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۸)
۳۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۹)
		مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی،	بوئے پیرا، ہن۔ حرف چند۔	(۷۰)
۱۱، ۱۲	۱۹۹۱ء	شولا پور۔	قدیر شولا پور۔	عصمت جاوید۔
		مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی،	بوئے پیرا، معصوم، محسوس	(۷۱)
۱۴	۱۹۹۱ء	شولا پور۔	قدیر شولا پور۔	اور روشن شاعر۔ افتخار امام صدیقی
۱۶	۱۹۹۱ء	مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی،	قدیر شولا پور۔	بوئے پیرا، ہن، نشاط خاطر، قیصر الجعفری
		مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی،	بوئے پیرا، ہن، قدیریہ،	(۷۳)
۱۶	۱۹۹۱ء	شولا پور۔	ظفر گورکھپوری۔	
۱۰۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۷۴)
۲۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۷۵)
۲۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۷۶)

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۳۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۷۷)
۳۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۷۸)
		مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی	قدیر شولا پوری	بوئے پیرا، ہن، قدیریہ،	(۷۹)
۳۵	۱۹۹۱ء	شولا پور۔		ظفر گورکھپوری	
۳۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۸۰)
۳۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۸۱)
۵۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۸۲)
۵۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۸۳)
۵۹		مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی شولا پور ۱۹۹۱ء	قدیر شولا پوری۔	بوئے پیرا، ہن، قدیریہ، ظفر گورکھپوری۔	(۸۴)
۶۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۸۵)
۶۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۸۶)
۶	۱۹۹۲ء	مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی	نادر شولا پوری۔	لہو ترنگ۔ لہو ترنگ شاعر۔	(۸۷)
		شولا پور۔		باور الیاس احمد الیاس	
۱۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۸۸)
۶۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۸۹)
۶۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۹۰)
۷۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۹۱)
		مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی،		لہو ترنگ۔ لہو ترنگ شاعر۔	(۹۲)
۷۱	۱۹۹۲ء	شولا پور۔	نادر شولا پوری۔		
۲۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۹۳)
	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۹۴)

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۵	۱۹۹۸ء	حلقہ ادب، شولا پور۔	محبوب جامی	صبح غزل۔ عرش ناشر۔ ساغر شولا پوری	(۹۵)
۵۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۹۶)
۵۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۹۷)
۵۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۹۸)
۵۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۹۹)
۵۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۰۰)
۵۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۰۱)
۶۱	۱۹۹۸ء	حلقہ ادب، شولا پور	محبوب جامی	صبح غزل۔ عرش ناشر۔ ساغر شولا پوری۔	(۱۰۲)
۶۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۰۳)
۶۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۰۴)
۶۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۰۵)
۷۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۰۶)
۸	۱۹۹۹ء	بزم غالب شولا پور۔	عبدالرشید ارشد	غالب خستہ کے بغیر۔ پیش لفظ، امانت۔	(۱۰۷)
۲۳	۱۹۹۹ء	بزم غالب شولا پور۔	عبدالرشید ارشد	غالب خستہ کے بغیر۔ پیش لفظ، امانت۔	(۱۰۸)
۲۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۰۹)
۲۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۱۰)
۲۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۱۱)
۳۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۱۲)
۳۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۱۳)
۳۹	۹۹۹ء	بزم غالب، شولا پور	عبدالرشید ارشد	غالب خستہ کے بغیر۔ پیش لفظ، امانت۔	(۱۱۴)
۳	۲۰۰۰ء	لشاپرنٹرس، سدھیشور پیٹھ، شولا پور	اعجاز نبی	برگ حنا۔	(۱۱۵)

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۱۶)
۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۱۷)
۲۴	۲۰۰۰ء	لُٹا پرنٹرس، سدھیشور پیٹھ، شولا پور	اعجاز نبی	برگِ حنا۔	(۱۱۸)
۲۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۱۹)
۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۲۰)
۳۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۲۱)
۶۵	۲۰۰۰ء	لُٹا پرنٹرس، سدھیشور پیٹھ، شولا پور	اعجاز نبی	برگِ حنا۔	(۱۲۲)
۶۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۲۳)
۶۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۲۴)
۷۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۲۵)
۷۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۲۶)
۷۷	۲۰۰۰ء	لُٹا پرنٹرس، سدھیشور پیٹھ، شولا پور	اعجاز نبی	برگِ حنا۔	(۱۲۷)
۸۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۲۸)
۸۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۲۹)
۸۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۳۰)
				نوک سوزاں	(۱۳۱)
۵	۲۰۰۳ء	الیاس احمد الیاس شولا پوری۔ بزمِ غالب شولا پور۔	(کچھ اپنے بارے میں الیاس شولا پور)		
۲۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۳۲)
۲۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۳۳)
۳۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۳۴)
۳۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۳۵)

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۴۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۳۶)
۴۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۳۷)
				نوک سوزاں	(۱۳۸)
۴۷	۲۰۰۳ء	الیاس احمد الیاس شولا پور میزماں غالب شولا پور۔	کچھ اپنے بارے میں الیاس شولا پوری)		
۶۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۳۹)
۶۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۴۰)
				ارتکا زخیال (رفیع نواز کا کلام	(۱۴۱)
۸	۲۰۰۳ء	رفیع نواز شولا پوری۔ گل بوٹے پبلی کیشنز، ممبئی۔	تقدیر (رفیع نواز از جذبہ احساس		
			ایضاً۔ (رفیع نواز از جذبہ احساس		(۱۴۲)
۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	کا شاعر، بشیر پرواز۔)	
۲۸	۲۰۰۳ء	رفیع نواز شولا پوری۔ گل بوٹے پبلی کیشنز، ممبئی۔	ارتکا زخیال		(۱۴۳)
۲۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۴۴)
۳۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۴۵)
۳۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۴۶)
۴۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۴۷)
۴۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۴۸)
۴۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۴۹)
۴۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۵۰)
۶۵	۲۰۰۴ء	غفور نیس میموریل ٹرسٹ شولا پور	غفور نیس	دشت جنوں	(۱۵۱)
۶۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۵۲)
۲۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۵۳)



MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۳۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۵۴)
۳۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۵۵)
۳۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۵۶)
۳۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۵۷)
۵۴	غفور انیس میموریل ٹرسٹ، شولا پور ۲۰۰۴ء	غفور انیس	دشتِ جنوں	بارور کے پھول۔	(۱۵۸)
	عبدالرزاق رند، ۳۲۲، لوک مانیہ	عبدالرزاق رند			(۱۵۹)
۲۰	ہونگی روڈ، شولا پور۔ ۲۰۰۴ء				
۲۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۶۰)
۲۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۶۱)
۲۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۶۲)
۲۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۶۳)
۲۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۶۴)
۳۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۶۵)
	عبدالرزاق رند شولا پوری۔ عبدالرزاق رند، ۳۲۲، لوک مانیہ		بارور کے پھول۔		(۱۶۶)
۵	ہونگی روڈ، شولا پور۔ ۲۰۰۴ء				
۷۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۶۷)
۷۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۶۸)
۸۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۶۹)
۸۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۷۰)
ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۷۱)
۹۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۷۲)

۹۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۷۳)
	عبدالرزاق رند ۳۲۲ لوک مانیہ نگر		اضطراب نظر۔ (عرض مرتب)	(۱۷۴)
۲	۲۰۰۴ء	عبدالرزاق نظر شولا پوری۔ ہوگی روڈ، شولا پوری۔	عبدالرزاق رند اور محب شولا پوری۔	
۱۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۷۵)
۱۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۷۶)
۱۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۷۷)
۱۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۷۸)
۱۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۷۹)
۲۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۸۰)
۱۸۱	عبدالرزاق نظر شولا پوری۔ عبدالرزاق رند لوک مانیہ نگر شولا پور ۲۰۰۴ء		اضطراب نظر۔	(۱۸۱)
۱۸۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۸۲)
۶۹	عبدالحمید محب شولا پوری۔ عبدالرزاق رند لوک مانیہ نگر، شولا پور ۲۰۰۴ء		شیم غزل۔	(۱۸۳)
۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۸۴)
۲۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۸۵)
۳۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۸۶)
۵۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۸۷)
۲۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۸۸)
۲۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۸۹)
۲۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۹۰)
۲۹	عبدالحمید محب شولا پوری۔ عبدالرزاق رند لوک مانیہ نگر، شولا پور ۲۰۰۴ء		شیم غزل۔	(۱۹۱)
۳۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۱۹۲)

MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۱۹۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۳۵
۱۹۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۴۷
۱۹۵	ترانے (عرض ناشر) ہاروں رشید باغبان	قدیر شولا پوری۔	انجمن قدیر شولا پور۔	۱ ۲۰۰۴ء
۱۹۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۳
۱۹۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۰
۱۹۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۷
۱۹۹	متاع سخن۔	حبیب احمد شوق ہمنابادی حبیب احمد شوق، شاستری نگر، شولا پور	۲۰۰۵ء	۱۰
۲۰۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۳۷
۲۰۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۹۲
۲۰۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۴۷
۲۰۳	متاع سخن	حبیب احمد شوق ہمنابادی حبیب احمد شوق، شاستری نگر، شولا پور	۲۰۰۵ء	۴۷
۲۰۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۵۹
۲۰۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۷۷
۲۰۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۸۲
۲۰۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۸۲
۲۰۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۸۳
۲۰۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۰۲
۲۱۰	متاع سخن۔	حبیب احمد شوق ہمنابادی	حبیب احمد شوق، شاستری نگر، شولا پوری	۲۰۰۵ء ۱۰۲
۲۱۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۳۳
۲۱۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۱۶
۲۱۳	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۱۸

۵	۲۰۰۶ء	انجمن قدیر شولا پور۔	سراج شولا پوری۔	تیرنیم کش۔	(۲۱۴)
۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۱۵)
۳۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۱۶)
۴۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۱۷)
۹۶	۲۰۰۶ء	انجمن قدیر شولا پوری۔	سراج شولا پوری۔	تیرنیم کش۔	(۲۱۸)
۱۰۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۱۹)
۱۰۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۲۰)
۱۰۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۲۱)
۱۰۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۲۲۲)
۱۸	۲۰۰۶ء	انجمن قدیر شولا پور۔	سراج شولا پوری۔	تیرنیم کش۔	(۲۲۳)



## باب چہارم

### شولا پور میں اردو نثر کی ترقی

شولا پور میں اردو نثر کی شروعات کے بارے میں تحقیقی طور پر لکھے ہوئے مضامین جدوجہد اور تلاش کے باوجود نہیں ملے اور نہ ہی وہ قدیم رسالے یا کتابیں دستیاب ہوئیں جو نثر کی شروعاتی دور کے حالات پیش کر سکیں۔ جس کی بنیاد پر یہ غور کیا جاسکے کہ شولا پور میں پہلے اردو نثر کے نقوش کیا اور کس طرح تھے اور اس میں کس طریقے سے اور وقفے سے ترقی ہوئی، کئی مضامین مطالعے میں آئے لیکن نثر کی بتدریج ترقی کے سراغ کہیں نہیں ملے۔ یہ ہوا کہ کچھ تحریروں میں اشارے ملے جن پر اکتفا کرنا اور قیاس آرائی کرنا ہی مناسب معلوم ہوا۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”علاء الدین خلجی کے کدن پر حملے کے بعد ہی شولا پور میں مسلمانوں کی آبادی شروع ہوئی، بہمنی سلطنت کے دور میں اس شہر کو اہمیت حاصل ہوئی، عادل شاہی دور میں یہاں قلعہ تعمیر ہوا اور فوجی حیثیت سے اسے سیاسی اہمیت قائم ہوئی۔ نظام شاہ اور عادل شاہ کے دور میں یہاں مسلم تہذیب، سیاست اور زبان کے اثرات قائم ہونے لگے۔ شمالی ہند کے مقابلے میں یہاں ایسی ایسی زبانیں بولی جاتی تھیں جو اردو سے میل نہیں کھاتی تھیں۔ مرہٹی، کنڑ، تیلگو، ملیالم جیسی زبانیں یہاں تھیں۔ فارسی، اردو سے مل کر اردو والوں نے جو بولی تیار کر لی اسے دکنی زبان کا نام مل گیا۔ یہی دکنی زبان تحریر میں بھی کام آئی۔ اس لیے شمالی ہند کی اردو زبان کی طرح اس زبان میں ستھرائی نہیں پائی جاتی۔ شمالی ہند کی طرح یہاں کی دکنی اردو کا استعمال اولیائے کرام، صوفیاء اور بزرگانِ دین نے دین کی تبلیغ، اخلاقیات کی تعلیم کے لیے کیا جو نظم میں زیادہ اور نثر میں قدرے کم تھا۔“

مضمون ”شہر شولا پور کی ادبی تاریخ“ کے مضمون نگار نسیم منان شولا پوری کا مندرجہ بالا اقتباس اس لحاظ سے بے حد اہم قرار دیا جاسکتا ہے۔ کہ حضرت نے ان سطور میں شولا پور میں اردو کے وجود میں آنے کا اشارہ تاریخ اور زمانے سے دیا اور زبان اور نظم و نثر کے وجود میں آنے کی وجوہات بھی بتائیں۔ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جس علاقے میں مرہٹی، کنڑ، تیلگو اور ملیالم جیسی قدیم اور مستند زبانیں بولی جاتی ہوں وہاں اردو کی ضرورت تھی اور نہ ہی اس کے وجود میں آنے کے کوئی آثار لیکن نظام شاہ اور عادل شاہ کا دور جب شروع ہوا تو یہاں مسلم تہذیب پہنچنے لگی اور روزمرہ کی بات چیت کا سوال مسئلہ بن کر ابھرا۔ مسلمان

اس علاقے میں زیادہ تعداد میں آنے لگے۔ دکن کے ارد گرد اور خود دکن میں مقامی بولیوں کے لفظوں کی مدد سے جوڑی پھوٹی کام چلاؤ زبان پیدا ہو رہی تھی وہ بھی ان کے ساتھ یہاں آئی۔ کچھ عربی کچھ فارسی کی آمیزش بھی ہونے لگی۔ زبان کوئی باقاعدگی کے ساتھ نہیں بنی ہوگی بولی ہی رہی ہوگی، جو مقامی لہجے میں فارسی اور ہندوی کی لفظیات اور کچھ یہاں کی دیگر زبانوں کی لفظیات کی شمولیت سے بولی جانے لگی ہوگی۔ جسے دکنی اردو تسلیم کر لیا گیا اور یہ بھی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہی زبان لکھی بھی جانے لگی۔ نظم میں تو اس کی مثالیں اب بھی موجود ہیں۔ لیکن نثر میں مثالیں ڈھونڈنا تقریباً ناممکن سی بات ہے۔ اسی زمانے میں شمالی ہند میں زبان اردو صاف شفاف ہو رہی تھی۔ اس میں اولیائے کرام اپنے خطبات بھی پیش کرنے لگے تھے اور صوفیائے کرام نظمیں شاعری کے ذریعے تبلیغ اسلام کا کام کرنے لگے تھے۔ یہی سلسلہ یہاں اسلامی تہذیب کے فروغ کے لیے شروع ہو گیا۔ یہ تبلیغی سلسلہ مقبول ہوتا رہا ہوگا اور زبان پھولتی پھلتی اور پھیلتی رہی ہوگی۔ تاریخ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ شولا پور کے قرب و جوار کے علاقوں میں۔ وعظ، ذکر، تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ میلاد پڑھی جاتی تھی۔ محرم کے دنوں میں مرثیے بھی پڑھے جاتے تھے۔ اس بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے کئی علاقوں کی طرح شولا پور اور اس کے اطراف و اکناف کے مقامات میں یہاں اردو نظم اور نثر کی پرورش ہوئی۔ زمانہ آگے بڑھا، علمی، ادبی اور ثقافتی شعور پیدا ہوا، اس کے ساتھ اور نثر کے فروغ کے راستے ہموار ہوتے چلے گئے۔ ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”انگریزوں کے دور میں یہاں اردو مدارس قائم ہوئے اور ان مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی ایک نسل جوان ہوئی تو اردو، فارسی، عربی زبانوں سے مالا مال ان نوجوانوں کی رغبت شاعری اور نثر کی طرف بھی ہوئی اور انھوں نے اپنے ذوق کی تسکین کے لیے اردو انجمنیں بھی قائم کیں۔ اردو کی ترقی پسند تحریک نے ہر طرف اپنا اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ شولا پور بھی اس سے بچ نہ

سکا۔“

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں اگر ہم غور کریں تو شولا پور کی اردو تہذیب کی عمر زیادہ نہیں اور اردو ادب کی عمر تو اس سے بھی کم ہے اور اردو تعلیم کا بھی یہی حال ہے لہذا انگریزوں کے دور سے پہلے ادوار میں شولا پور میں اردو کے آثار ڈھونڈنا ایک طرح سے فضول ہے۔ کیونکہ جو کچھ ہے وہ سارے کا سارا انگریزوں کے دور میں ہی ہے۔ اور قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شولا پور جیسے اس زمانے کے چھڑے علاقے میں جہاں اردو والوں کی تعداد زیادہ تر غریبوں اور مزدوروں کی ہو وہاں ترقی کے راستے محدود رہے ہونگے۔ اس کے باوجود اسلامی تہذیب اور دینی عمل کی وجہ سے خود بخود زبان کو فروغ ملتا گیا اور یہاں شاعری کی

ترقی نثر کے مقابل زیادہ ہی ہوئی۔ پرانے رسائل اور جرائد بھی اب دستیاب نہیں کہ مطالعہ کر کے اظہار کیا جائے کہ کس زمانے میں کیا کام ہوئے۔ لیکن چونکہ یہاں لکھنے والوں کا فطری ذوق سالم تھا۔ اس لیے یہاں ادبی ماحول زمانہ قدیم سے اب تک قائم ہے۔ بے حد تلاش کے باوجود نثر مواد کی کتابیں بہت ہی کم ملیں۔ بزرگوں سے گفتگو کے بعد اور تاریخ و ادب کی کتابوں اور مضامین کے مطالعے کے بعد بھی نثر کے کوئی غیر معمولی ثبوت ہاتھ نہیں لگے۔ راقم الحروف نے تک و دو سے نثر کا جو مواد حاصل کیا ہے اس پر اگلے صفحات میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔

### ”بگل“ (افسانوی مجموعہ)

شہر شولا پور میں جہاں شعر و شاعری کی دنیا ہمیشہ آباد رہی ہے وہاں نثر کی بھی آبیاری ہوئی ہے۔ نثر میں افسانہ اپنی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ادب میں اس صنف کی بڑی پذیرائی ہوئی ہے۔ شولا پور میں راقم الحروف کو تلاش تھی کہ کوئی افسانہ نگار ملے، مسلسل جدوجہد کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں افسانہ نگار بھی تھے۔ لیکن آج ادب کی اس صنف میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی نہیں ملتا، تلاش و جستجو آخر رنگ لا کر ہی رہتی ہے۔ ایک دن عمر صاحب شیخ اثر شولا پوری کے افسانوں کا مجموعہ ”بگل“ ہاتھ لگ گیا۔ شولا پور کو ان کے انم کا جز دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ حضرت شولا پور میں نہیں رہتے بہت پہلے ہی شولا پور کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔ پتہ نہیں چلا کہ کہاں رہتے ہیں لیکن ان کے افسانوں کا مجموعہ بمبئی سے شائع ہوا شاید وہیں رہتے تھے یا ہو سکتا ہے اب بھی وہیں مقیم ہوں۔

کتاب کا پیش لفظ خود انھوں نے ہی لکھا ہے جس میں انھوں نے اپنی شخصیت اور فن کے بارے میں تو کچھ نہیں لکھا ہے۔ اردو کی بے کسی اور اردو والوں کی بے بس اس کے ساتھ اردو کی انجمن چلانے والوں کی چالاکیاں اور زبان و ادب سے فائدہ اٹھانے والوں کا رونا رویا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے بارے میں بس اتنا لکھا ہے کہ انھیں بچپن سے ہی لکھنے کا شوق رہا ہے۔ اب بھی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ انھوں نے کئی ڈرامے لکھے ایک ڈرامہ ”کل جگ“ بے حد مقبول ہوا۔ آخر میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

”میں اپنے افسانوں کا مجموعہ قارئین کے سامنے ”بگل“ کے نام سے پیش کر

رہا ہوں اسے میری ناکام حسرتوں کی ناکام کوشش ہی کا نتیجہ کہیے۔ اس کی

کامیابی اک دار و مدار آپ قارئین حضرات پر ہے کیوں کہ آپ کی تنقیدیں آپ

کی رائے، آپ کے خیالات میری کمی کو پر کرتے ہوئے میری دھندلی راہوں

کی رہبری کریں گے۔“

مندرجہ بالا دیباچے کا اقتباس اور دیباچے کی دیگر باتوں سے اندازہ ہوا کہ اثر صاحب نہایت ہی مخلص اور سادہ لوم انسان ہیں۔ کچھ جذباتی بھی ہیں۔ انکساری ان کے رگ و پے میں موجود ہے لیکن راقم الحروف نے جب ان کے افسانے پڑھے تو رنگ ہی جدا پایا۔

یہ کتاب ”بگل“ جولائی ۱۹۷۷ء میں علوی بکڈ پومبئی سے شائع ہوئی ہے۔ سن اشاعت سے یہ ثابت ہوا کہ شولا پور میں اس سے پہلے جب وہ تھے تو افسانے ضرور لکھتے تھے۔ سوچا جاسکتا ہے کہ اس وقت شولا پور میں ان کے علاوہ بھی افسانے لکھنے والے رہے ہوں گے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف نے بے شمار عمر رسیدہ ایسے لوگوں سے ملاقاتیں کیں جو ادبی ذوق رکھتے تھے۔ لیکن کچھ بھی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ مگر یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ستر کی دہائی شولا پور میں افسانے بھی لکھے گئے۔ اس کے بعد بھی راقم کو اور بھی افسانہ نگار کے بارے میں معلوم ہوا جس کا ذکر اسی مقالے میں آگے آئے گا۔ فی الحال اثر شولا پوری کے افسانوں پر گفتگو کرتے ہیں۔

### بانگ

”بانگ“ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا ہے جس میں انسانی زندگی کے نشیب و فراز، اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات و حالات، دین اور ایمان کی باتیں کی گئی ہیں۔ مذہبی طرز کی زندگی گزارنے کی ہدایتیں اور اس کے ساتھ دین اور دنیا کی وہ سب باتیں جو ہر مسلمان کے فرائض میں شامل ہیں۔ بتائی گئی ہیں۔

”بانگ“ کے مطالعے کے بعد معلوم ہوا کہ اثر شولا پوری مذہبی خیالات کے باعمل انسان ہیں۔ ان کی سوچ بھی ان ہی نظریات کے تحت ہے۔ سنسان اور اسکی فلاح کے لیے ایسی سوچ کا آمد ہے۔ ”بانگ“ میں ان کی تحریر کی خوبی دیکھنے میں آئی۔ زبان کی روانی اس مضمون کو ایک ہی سانس میں پڑھوا لیتی ہے۔ اس خوبی کو ظاہر کوزے کے لیے راقم الحروف ایک اقتباس پیش کرنا چاہے گا ملاحظہ فرمائیں۔

”آج ہمیں وقت ”بانگ“ دے رہا ہے۔ ہم مقابلہ کریں حرص و ہوس کے  
 خلاف لالچ، رشوت کے خلاف، تنگدست اور بیماری کے خلاف، جنوں و غصے  
 کے خلاف، حسد و جلن کے خلاف، رقابت کے خلاف، پھر دیکھتے ہیں یہ  
 شیطان پشیمان ہوتا ہے یا نہیں اور ہمارے معبود کے سامنے سر جھکا تا ہے یا  
 نہیں۔ یہ اس کا غرور یہ اس کا گھمنڈ، یہ اس کا فخر، سب کا جنازہ ہمارے ہی  
 ہاتھوں اٹھ جائے گا، پڑھو لا حول، اٹھ کے کہہ دو کہ اب ہم انقلاب کی تحریک



لے کے نکلے ہیں۔ باندھ کے سر سے کفن نکلے ہیں، فرض کے تقاضے سے اپنی  
معبود کو سمجھانے نکلے ہیں۔ اپنے خدا کے حضور میں اپنے تمام گناہوں کی معافی  
مانگنے نکلے ہیں۔ تیرے حبیب کا واسطہ دے کر تجھے منانے نکلے ہیں، تمام  
برائیوں سے توبہ کر کے تیری حضور میں نکلے ہیں۔ نعرہ تکبیر اللہ اکبر۔  
مثادے اپنی سہتی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے  
کہ دانا خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے۔

۴

مندرجہ بالا اقتباس وعظ کی طرح ہے خطیبانہ انداز اور اس انداز میں جو باتیں ہیں وہ سب افسانہ نگار کے جذبات کی  
باتیں ہیں۔ باتیں تو اچھی ہیں جس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ افسانوں سے پہلے یہ ”بانگ“ کا پیغام پہنچانا افسانہ نگار نے  
شاید اس لیے مناسب سمجھا ہو کہ ان کا افسانوی فن ان کے ایسے ہی خیالات اور جذبات سے سجا ہے۔ افسانہ نگار شاید اپنے قاری  
کا ذہن بنانے اور مخصوص سوچ قائم کرنے کے لیے ”بانگ“ کا استعمال کیا ہو۔

”میننگ“ مسلم معاشرے کے ایک گھر کی کہانی ہے۔ بین خان صدر خاندان ہیں اور وہ کم آمدنی اور زیادہ خرچ سے  
پریشان ہیں۔ لیکن اپنے فرائض نباہے جا رہے ہیں۔ جب بات حد سے آگے بڑھ جاتی ہے تو وہ گھر کے افراد خاندان کے  
سامنے اپنی حقیقت حال بیان کرتے ہوئے ملک کے سیاسی حالات کا ذکر کرتے ہیں۔ مہنگائی موضوع بحث آتی ہے۔ بیوی اور  
بچے سر جوڑ کر بیٹھتے سوچتے اور مسائل کا حل نکال لیتے ہیں۔ سب اپنے اپنے طور پر وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اپنے فلاں فلاں  
اخراجات میں کٹوتی کر دیتے ہیں اور بین خان اور ان کی بیوی سکھ کی سانس لیتے ہیں۔ یہ گھریلو مسائل کا افسانہ ہے جو دل کو چھو  
جاتا ہے۔ ۵

”قبلہ“ ایک خطیبانہ بیان والی تحریر ہے۔ اسے افسانہ نہیں کہا جاسکتا۔ تحریر میں کہی ہوئی باتیں انسانیت کی ترغیب دیتی  
ہیں اس لیے اسے کمزور یا بری تحریر بھی نہیں کہہ سکتے۔ اگر اسے کہانی مان بھی لیں تو یہ ایک کردار کے نجی خیالات کی بات کہہ سکتے  
ہیں۔

”بگل“ میں کل چودہ افسانے ہیں۔ جو الگ الگ موضوعات پر الگ الگ طریقے سے لکھے گئے ہیں۔ افسانہ نگار کی  
جذباتی سوچ تمام افسانوں پر غالب ہے۔ اصلاحی نظریات افسانے میں در آئے ہیں۔ مثبت خیالات کا اظہار تو اچھی بات  
ہے لیکن راست گوئی افسانوی فن کو مجروح کر کے رکھ دیتی ہے۔ بہر حال اس مجموعے کے سارے افسانے مسلم اوسط معاشرے

کی عکاسی کرتے ہیں۔ اور اس کے اندر کے کردار بھی اسی معاشرے کے خیالات اور جذبات کو پیش کرتے ہیں۔  
۹۳ صفحات کی یہ کتاب راقم الحروف کو عبدالغفار صاحب سے ملی۔ راقم ان کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ ۱۹۷۷ء میں شائع شدہ شولا پور کے ایک افسانہ نگار کا مجموعہ راقم کی تحقیق میں اضافہ کا درجہ رکھتا ہے۔

### افسانہ نگار۔۔۔۔۔ سید عباس

شولا پور کی سرزمین اردو کے تخلیقی ادب کے لیے بہت ساز گر رہی ہے مگر نثر میں علمی، دینی اور ادبی تخلیقات تو مل جاتی ہیں۔ لیکن افسانہ، ناول، ناولٹ کا یہاں ہر دور میں فقدان رہا ہے۔ کسی نے شوقیہ طور پر کبھی لکھنا شروع بھی کیا تو جلانہ مل سکی۔ اس طرف نثر کے تخلیقی اصناف کی کمی ہمیشہ ہی محسوس کی گئی۔ یہ کمی اب بھی ہے مگر ڈرامہ تھوڑی تلافی کر رہا ہے، اردو ڈرامے کے فروغ کے لیے یہاں کی مٹی سازگار ہے۔ (اس مقالے کے ڈرامے کے باب میں تفصیل دی گئی ہے) ناول، ناولٹ کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ بزرگ اہل ذوق حضرات سے بات چیت کرنے پر بھی پتہ نہیں چلا کہ یہاں ادب کی ان اصناف میں کام کبھی ہوا ہے۔ اس بات کا سراغ ملا کہ افسانے کبھی کبھی کوئی لکھا کرتے تھے۔ بڑی کھوج کے بعد دو افسانہ نگاروں کے نام سامنے آئے ایک اثر شولا پوری اور دوسرے سید عباس۔ اثر صاحب کے افسانوی مجموعہ ”بگل“ پر راقم الحروف اسی باب میں لکھ چکا ہے۔ وہ ساتویں دہائی کے افسانہ نگار تھے۔ معلوم ہوا کہ یہاں ان کا ایک ڈرامہ بھی اسٹیج ہوا تھا جسے پسند بھی کیا گیا اور وہ بہت پہلے بمبئی چلے گئے تھے۔ فلم کی دنیا میں بھی انھوں نے جدوجہد کی، ان کا افسانوی مجموعہ بھی وہیں سے شائع ہوا اور وہ وہیں گم ہو گئے، ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

سید عباس پیشے سے انجینئر ہیں۔ گو کہ ان کی پیدائش شولا پور کی ہے لیکن وہ ملازمت کے سلسلے میں عرصے سے شولا پور سے باہر ہی ہیں۔ یہاں ان کے رشتہ دار رہتے ہیں اور وہ کبھی کبھار یہاں آتے جاتے بھی رہتے ہیں۔ عباس میں افسانہ نگاری کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اب بہت دن سے انھوں نے کوئی افسانہ نہیں لکھا ہے۔ ۱۹۸۷ء میں تین نوجوانوں کا ایک مشترکہ افسانوی مجموعہ ”یہ شام بھی کہاں ہوئی“ شائع ہوا تھا۔ اس کے ترتیب و تزئین کارڈاکٹر مجید بیدار تھے اور افسانوں کا انتخاب عظیم راہی نے کیا تھا۔ اور پیش لفظ سلطان سبحانی نے لکھا تھا۔

”یہ شام بھی کہاں ہوئی“ میں تین افسانہ نگاروں کے افسانے شامل ہیں۔ سید عباس، صفی انور، عارف خورشید یہ مجموعہ اورنگ آباد شہر سے شائع ہوا۔ اس میں سید عباس کی اولیت دی گئی ہے۔ ان کے پانچ افسانے اس میں شامل ہیں۔ اس مجموعے کے ”پیش لفظ“ میں سلطان سبحانی نے لکھا ہے کہ۔

”یہ شام بھی کہاں ہوئی“ کے تینوں افسانہ نگار ذہنی طور پر ایک دوسرے سے

بے حد قریب ہیں اور زندگی کے سینے پر ایستادہ دکھ درد کی مہیب فصیل کو اپنے  
دل میں محسوس کر رہے ہیں۔ اس لیے کہانیوں میں ایک ایسی روح دوڑ رہی  
ہے جو سو گوار ہونے کے باوجود خوبصورت ہے۔ اس کتاب کی ساری کہانیاں  
اگرچہ بیانیہ ہیں لیکن تاثر کی گہرائی اور کہانیت کی پراسرار موجودگی کی وجہ سے  
ایک ایسے مرکز پر کھڑی ہیں جہاں کوئی کہانی مختلف طرزِ ادا میں تقسیم نہیں ہوتی۔  
صرف کہانی ہی رہتی ہے۔ کہانی جو کہ جسم ہے، جاں ہے، روح ہے کوئی لباس  
نہیں۔ مجھے یقین ہے سید عباس، صفی انور اور عارف خورشید کا یہ افسانوی تخلیقی  
سفر ہر سمت اچھے نقوش چھوڑے گا اور مناسب پذیرائی ہوگی۔“ ۶

مندرجہ بالا اقتباس میں سلطان سبحانی جو کہ خود کامیاب افسانہ نگار ہیں۔ انھوں نے ان تینوں نوجوانوں کے فنِ افسانہ  
نگاری کو تسلیم کیا ہے اور ان کی تعریف بھی کی ہے اور ان کے افسانوی سفر کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر سمت اچھے نقوش چھوڑ  
ے گا اور مناسب پذیرائی ہوگی۔

اس مجموعے کو شائع ہوئے ایک عرصہ ہو گیا۔ صفی انور اور ان سے زیادہ عارف خورشید نے افسانہ نگاری کے سفر کو جاری  
رکھا ان کے اور بھی مجموعے آئے۔ ان پر گوشے بھی شائع ہوئے اور ان کے شخصیت اور فن پر مضامین بھی لکھے گئے۔ لیکن شولا پور  
کے سید عباس جو کہ ان دونوں سے زیادہ فعال اور مشہور تھے۔ ان کا تخلیقی سفر رک گیا۔ بس وہی نقش باقی رہ گئے جو کہ اس زمانے  
میں ان کے سفر کے تھے۔

سید عباس کے افسانے اپنے وقت کے مشہور معیاری رسائل بیسویں صدی، بانو، ریشمینہ اور تعمیر ہریانہ میں بار بار شائع  
ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ شولا پور کا یہ افسانہ نگار اب تک اپنے افسانوی سفر کو جاری رکھتا تو کئی منزلیں سر کر چکا ہوتا۔ ان کے ایک  
ہم عصر ڈاکٹر شجاع کمال نے ان پر لکھے ایک مضمون میں اظہارِ خیال کیا ہے۔

”آکاش وانی اورنگ آباد، پر بھنی اور نانڈیڑ سے نشر ہونے والے فنکاروں  
میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سید عباس کے افسانے حقیقت پسندانہ سچائی کا بھرپور  
اظہار ہیں۔ یہ سماجی اور گھریلو تفکرات کو سمیٹ کر کہانی کا جال بنتے ہیں۔ ان کی  
کہانیاں زمانے کے ساتھ کھڑی ہو کر لوگوں کو خواہ مخواہ شرمسار کرتی ہیں۔ اور  
یہی خوبی سید عباس کو دوسرے افسانہ نگاروں سے الگ کر دیتی ہے۔ ان کی  
کہانیوں کے کردار اونچے آدرش کے مینار نہیں ہیں۔ کھوکھلے نعروں سے ان کو

کوئی مطلب نہیں۔ یہ آسانی نہیں بلکہ زمینی صحیفے ہیں۔ جن کی عظمت سے انکار ممکن نہیں۔“

مندرجہ بالا اقتباس سے راقم الحروف پوری طرح متفق ہے کیونکہ راقم نے ان کے پانچوں افسانے بغور پڑھے ہیں۔ یہ افسانے قاری کو تمہید سے ہی پڑھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ موضوعات افسانہ نگار نے زندگی سے چنے ہیں۔ روزمرہ کی انسانی زندگی میں پیش آنے والے واقعات، تجربات اور مشاہدات کی جھلکیاں اپنی پوری آب و ہوا تاب کے ساتھ ان میں نظر آتی ہیں۔ شولا پور کا یہ افسانہ نگار اپنی تحریر میں انفرادیت، بیانیہ میں ندرت اور کہانی پن میں اپنا طرز اپنا فیصلہ اور اپنی رائے رکھتا ہے۔ سید عباس نے اور بھی افسانے لکھے ہیں جو مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں اور اگر اس کے علاوہ بھی انھوں نے لکھا ہے تو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ افسانوں کو اکٹھا کر کے ایک مجموعہ ترتیب دیا جاسکتا ہے۔

راقم الحروف کے مطالعہ میں سید عباس کے بس وہی ۵، افسانے آئے جو مشترکہ افسانوی مجموعہ میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کا پہلا افسانہ ”سراب کے پیچھے“ موضوع کو برتنے کے لحاظ سے بڑا انوکھا افسانہ ہے کہ اس میں گھر کے اندر پیتے ہوئے درد کو زبان دی گئی ہے۔ اس میں ایک ایسی عورت کا مرکزی کردار ہے جس کی زندگی میں مسلسل غم ہے اور جو اپنے دیور سے چھوٹے چھوٹے جملوں میں اپنا غم بانٹتی ہے۔ اس کی شادی سے پہلے رومان کا غم، شادی کے بعد اولاد نہ ہونے کا غم اور ادھیڑ عمر میں ریٹائر ہونے کے بعد شوہر کا آفس کی سکریٹری میں دلچسپی لینا اور پھر اس عورت کا غم سمجھنے والا دیور جو اس کو ماں سمجھتا ہے۔ اس کا گھر سے دور کسی شہر میں نوکری کرنا۔ غم میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ گھٹن زدہ زندگی بسر کرتے کرتے مرجاتا ہے۔ اس افسانے سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

”تمہارے بھیا کا رویہ غلط تھا۔ مجھے حاصل کرنے کی خواہش تھی تو اس کے لیے میں انہیں الزام نہیں دوں گی، لیکن جو راستہ انھوں نے اپنا یا تھا وہ سراسر مجھے پر ظلم تھا،۔۔۔۔۔ وہ کہیں کھوسی گئی تھیں، میں اس انتظار میں رہا کہ وہ اپنی کتاب کا اگلا ورق الٹ دیں گی، لیکن جب انھیں چپ لگ جاتی تھی تو پھر ان سے کچھ کہلو نا میرے لیے مشکل مسئلہ بن جاتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے اندرونی طوفان کو قابو میں نہیں کر پا رہی ہے۔ اور یہ طوفان ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیگا۔“

ان کا ایک اور افسانہ ہے ”ادھوری بات“ یہ ایک ایسے کردار کی کہانی ہے جو کہ اپنی زندگی سے پوری طرح مایوس ہے۔ تلخی، غم، دکھ درد اس کے اند بھرا پڑا ہے۔ وہ زندگی کو بے معنی اور بے مقصد مانتا ہے۔ معاشرتی برائیوں سے نفرت کرتا ہے۔

افسانہ ”ادھوری بات“ سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”جس ماحول میں میں نے اپنی آنکھیں کھولیں وہ ایک ایسا ماحول تھا کہ اگر پیدا ہوتے ہی کس کو شعور عطا ہو تو شاید وہ اپنی آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موند لے، جب تک یہ احساس ہوتا کہ وہ زندگی موت سے بھی بدتر ہے، کافی دیر ہو چکی تھی اور یہ شاید یہی سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک غریب کی بے کسی، ایک بیوہ کی مجبوری اور ناتواں اور ایک بے سہارا کی آہیں بھی تعویض و محبت کی حقدار ہوتی ہے۔ چونکہ یہ روایت شکنی ہے اس لیے میں مجرم قرار دیا گیا۔ اور آج اس حال کو پہنچا ہوں۔ وہ بدستور مسکرا رہا تھا لیکن اس بار اس کی مسکراہٹ مجھے زہریلی لگی۔“

۹

ڈاکٹر شجاع کامل نے سید عباس کے دیگر رسائل میں شائع شدہ افسانوں کا اپنے مضمون میں جائزہ لیا ہے اور سید عباس کو ایک اچھا افسانہ نگار مانا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

سید عباس نے ذاتی تجربات کو سلیقے سے برتا ہے، انھوں نے اپنی ہر کہانی میں ایک نیا تجربہ کیا ہے۔ ان کی کہانیاں سطح پر تیرتی نہیں، بلکہ اپنا سفر طے کرتے ہوئے قاری کے شعور میں ڈوب جاتی ہیں اور قاری کو ایک نیا عرفان عطا کرتی ہیں اور یہی روشنی سید عباس کی کامیابی ہے۔“

۱۰

### اکڑ و جگورا (بچوں کی کتاب)

نسیم منان صاحب بے حد فعال اور کئی کاموں میں اپنے آپ کو مصروف رکھنے والے آدمی تھے۔ ایک طرف درس و تدریس تو دوسری طرف صحافت، ترتیب و تدوین تو تیسری طرف تخلیقی ادب۔ انھوں نے اپنی حیات میں تعلیم اور ادب کے ان گنت کام کیے ہیں۔ ان میں ایک کام یہ کہ وہ بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی لکھا کرتے تھے۔ ”اکڑ و جگورا“ نسیم منان صاحب کی ایک دلچسپ کتاب ہے۔ زبان بچوں کی سمجھ میں آنے والی اور کہانی ہلکی پھلکی اور دلچسپ۔ اس کتاب کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے جس سے ان کی بچوں کے لیے تحریر کی شگفتگی کا اندازہ ہو جائے گا۔

ڈھم ڈھم ڈھماک

ڈھم ڈھم ڈھماک

ڈھنڈورا پٹ گیا۔ بوڑھے، جوان، لڑکے بالے سب دوڑ پڑے اور

ڈھنڈورچی کے گرد دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ڈھنڈورچی چلانے لگا۔  
 گجرنگر کے باسیو!  
 سنو سنو اعلان سنو  
 کل کا دن منگل کا ہوگا  
 مرغوں کا دن گل ہوگا  
 بن بھولے کے آ جاؤ  
 مرغوں کا دن گل دیکھو  
 ڈھم ڈھم ڈھماک! ڈھم ڈھم ڈھماک!

’ہو و و و ڈلڑکوں نے اچھل اچھل کر شور مچایا، تالیاں، سیٹیاں بجائیں  
 ایک دوسرے کی ٹوپیاں ہوا میں اچھالیں اور ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اعلان سن  
 کر سارے گجر باسیوں میں جوش پھیل گیا۔ ہر طرف اسی بات کے چرچے  
 ہونے لگے۔ کالی دیوی کی جاترا میں جہاں کھیلوں کشتیوں کے مقابلے ہوتے  
 تھے۔ وہیں مرغوں کی لڑائی کا بھی دن گل ہوا کرتا تھا اور اسے دیکھنے کے لیے  
 سارے گاؤں کے لوگ ٹوٹ پڑتے تھے۔ اطراف کے گاؤں کے بہت  
 سارے مرغ اس مقابلے میں حصہ لیتے تھے۔ لالہ متی کا میدان خاص اسی  
 دن گل کے لیے بنایا گیا تھا۔ لوگ اپنی پسند کے مرغوں بڑی بڑی شرطیں  
 لگاتے، مرغوں کو جوش دلانے کے لیے عجیب عجیب آوازیں نکالتے۔ مقابلے  
 دیکھ کر جوش میں اچھلتے کودتے، سیٹیاں بجاتے تھے۔ اس دن گل کی بری شان  
 نرالی تھی۔ مرغوں کے مال دو دن پہلے اپنے مرغوں کو ساتھ لے کر گاؤں میں  
 چکر لگاتے۔ رنگ برنگے مرغوں سے گاؤں گلشن کی طرح سج جاتا۔‘

مندرجہ بالا کہانی کی کتاب کا اقتباس کتنا دلچسپ ہے اس کا اندازہ پڑھتے ہوئے ہوتا ہے اسی طرح یہ کہانی کی کتاب  
 بڑی آسانی سے بچے پڑھ لیتے ہیں۔ نسیم منان صاحب کا یہ انداز بچوں کو بہت پسند آتا تھا۔ ان کی کتابیں پڑھ کر بچے ایک  
 دوسرے کو کہانی سنایا کرتے تھے۔

اس کتاب کی کہانی پراختشام صاحب کو سرسید اردو اسکول شولا پور میں مدرس ہیں۔ انھوں نے ایک ڈرامہ لکھا تھا جو

بزم غالب شولا پور کے دوسرے بین المدارس ڈرامہ مقابلے میں شامل ہوا تھا۔ جس میں اس ڈرامے کو دوم انعام بھی حاصل ہوئے۔

### ہفت روزہ انوارِ قمر کا خصوصی شمارہ انوارِ قدیر (۱۹۹۴ء)

ہفت روزہ ”انوارِ قمر“ کے ایڈیٹر اور مالک نسیم منان قادری شولا پوری تھے۔ وہ اپنی بساط کے مطابق یہ رسالہ نکالا کرتے تھے۔ تقریباً دس گیارہ برس تک انھوں نے اس رسالے کے ذریعے اردو زبان اور ادب کی خدمت کی۔ اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کتابچے بھی وہ شائع کیا کرتے تھے۔ جس کی بہت ہی کم قیمت ہوا کرتی تھی اور پڑھنے لائق مواد اس میں ہوا کرتا تھا۔ ”انوارِ قمر“ کے ذریعے انھوں نے بہت سارے نئے قلم کاروں کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ ان کی تخلیقات اور مضامین کی اصلاح بھی وہ کر دیا کرتے تھے۔ سولہویں عرسِ قدیر کے موقع پر انھوں نے اپنے رسالے ”انوارِ قمر“ کا ایک خصوصی شمارہ ”انوارِ قدیر“ نکالا۔ جو ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ شمارہ ۲۴، جون ۱۹۹۴ء کو شائع ہوا تھا۔

”انوارِ قدیر“ میں حضرت قدیر کی ذات اور ان کے کمالات پر مضامین کے علاوہ اور بھی بہت سارے نثری اور شعری مواد ہے۔ یہ شمارہ تاریخی اور یادگار شمارہ ہے۔ راقم الحروف نے جب اس کا مطالعہ کیا تو بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ اس شمارے کے کچھ قلم کاروں کے نام ہیں۔ عبدالحفیظ ثناء، الحاج حافظ اکبر عباد اللہ شاہ، نازاں شولا پوری، مولانا الحاج عبدالخالق، حامد اکمل (مدیر ایقان گلبرگ)، پیر احمد شاہ عتیق، صابر شاہ آبادی، ضیا مجاہد، مصروف پونوی، سید فضل الرحمن شعلہ، محمد جلال الدین عارف، سید عارف نعمان اور عبدالشکور شعور شولا پوری وغیرہ۔

”انوارِ قدیر“، ”انوارِ قمر“ ہفت روزہ کا ایک ایسا خصوصی شمارہ ہے جو معیاری اور یادگار ہے۔ اسے کتابی صورت میں دوبارہ شائع کیا جائے تو محفوظ ہو جائے اور آنے والی نسلیں فیض یاب ہوتی رہیں۔ یہ رسالہ راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔

### معاون اردو

”معاون اردو“ ایک کتابچہ ہے جو طلباء و طالبات اور پرائمری کے اساتذہ کے لیے مفید ہے۔ جسے نسیم منان صاحب نے لکھا اور ترتیب دیا ہے۔ پبلیشر ادارہ انوارِ قمر ہے۔ یہ کتاب اردو صرف و نحو، قواعد اور زبان کے جو بنیادی اصول ہیں اس کو سکھانے کے لیے لکھی گئی ہیں۔ اس میں اردو شاعری کی مختلف اصناف کے نام اور ان کی تعریفیں اور تشریحیں لکھی گئی ہیں تاکہ پڑھنے والے کو زہن نشین ہو سکیں۔ شعر کی پختی اور عروض کے قواعد بھی سمجھائے گئے ہیں۔ نثر کی اصناف پر بھی معلومات فراہم

کی گئی ہیں۔ محاوروں کو جملوں میں استعمال کرنے کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔ ضرب الامثال کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اسم فاعل کے نمونے بھی اس کتاب میں ہیں۔ الغرض وہ ساری باتیں صحیح اردو زبان بولنے اور لکھنے کے لیے ضروری ہیں وہ سب معلومات طلبہ اس کتاب کے مطالعے سے سمجھ اور سیکھ سکتے ہیں۔

### جزل نالج

نسیم منان صاحب نے طلبہ و طالبات کے لیے جزل نالج کی ایک کتاب لکھی، بہت ہی چھوٹی سے جسے کتابچہ ہی کہا جائے تو بہتر ہے کہ یہ صرف ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس چھوٹے سے کتابچے میں نسیم منان صاحب نے دنیا بھر کی اہم معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اس میں انھوں نے سوال جواب کا طریقہ اپنایا ہے کچھ معلومات جو بغیر عنوانات کے ہیں اور کچھ معلومات کے لیے انھوں نے عنوانات قائم کیے ہیں۔ جیسے۔ دلچسپ معلومات، تاریخی واقعات، سیول اولمپک میں نام کمانے والے، سائنس، جغرافیائی معلومات، جانوروں کے سروں کا وزن، ایک منٹ میں کیا ہوتا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا ہوتل، سب سے پہلے کاغذی نوٹوں کی چھاپائی، دنیا کے دس اہم ہوائی اڈے عالمی اہمیت کے سمندری، دنیا کے اہم ایجادات اور موجود، بھارت کے اہم ریلوے اسٹیشن، دنیا کی عظیم شخصیتیں اور ان کے کارنامے، مختلف زبانوں کے مشہور شعراء، مختلف ممالک کے یوم آزادی، یوم جمہوریہ، بھارت میں آنے والے زلزلے۔

مندرجہ بالا عنوانات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتابچہ معلومات کا ایک بڑا خزانہ ہے۔ ان معلومات کو یاد کر لیا جائے تو یہ خزانہ زندگی میں کبھی نہ کبھی ضرور کام آسکتا ہے۔ نسیم صاحب نے شولا پور کی اردو نثر کو ترقی کی راہوں پر ڈالا اور اس میں نئے نئے موضوعات داخل کیے جس کی وجہ سے شولا پور کی اردو نثر ہر موضوع کے اظہار کا ذریعہ بنی۔

### شاعلی ادیب اور حروفِ تابندہ

شاعلی ادیب آج اردو ادب کی شعری اور نثری دنیا کا ایک چمکتا دمکتا نام ہے۔ انہوں نے دونوں اصناف میں خوب نام کمایا ہے۔ نثر کے میدان میں انھوں نے تنقید بھی لکھی، تبصرے بھی کیے، خاکے اور شخصیات پر بھی لکھا۔ گوکہ ایک عرصے سے شاعلی صاحب حیدر آباد میں آباد ہیں لیکن ان کی پیدائش شولا پور کے ریلوے اسٹیشن کے ایک قریبی محلہ ”فارسٹ“ ۲۶ جون ۱۹۳۲ء کو ہوئی۔ پرائمری کی تعلیم میونسپل پرائمری اسکول نمبر ۷ میں ہوئی اور ہائی اسکول کی تعلیم دسویں جماعت تک، پانگل اسکول میں ہوئی۔ ۱۹۵۱ء میں دسویں پاس کی۔ ان سے گفتگو کے دوران یہ معلومات حاصل ہوئیں۔ انھوں نے اپنی یادداشت پر زور دیکر اپنے ٹیچروں کے بھی نام بتائے۔ انھوں نے بتایا کہ مرزا بیگ اور شیخ فرید انگریزی پڑھاتے تھے اور ظہیر الدین فارسی



کے استاد تھے۔ محمد تاج الدین، محمد ایوب اللہ بخش رنگریز اردو اور دیگر مضامین کے استاد تھے۔ ان کی شاعری کی ابتداء لڑکپن میں ہی نعت شریف سے ہوئی۔ جب تک شولا پور میں رہے قدر شولا پوری سے اصلاح لیتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں حیدرآباد میں ریلوے کی ملازمت ملی اور حیدرآباد وطنِ ثانی بن گیا۔ اب بھی وہ وہیں مقیم ہیں اور کافی عمر ہونے کے باوجود نثر اور نظم کی مختلف اصناف میں مسلسل لکھتے اور چھپتے رہتے ہیں۔ ان کے ۷ شعری مجموعے اور ۵ نثری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ”شاعِلِ ادیب فن اور شخصیت“ کے موضوع پر بیدر کی ساجدہ بیگم نے انور الدین صاحب کی نگرانی میں مقالہ لکھ کر ۲۰۰۱ء میں ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ اب ان کی بیٹی اختر شمیم ڈاکٹر عطا اللہ خان کی نگرانی میں عثمانیہ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہی ہیں۔<sup>۱۲</sup>

شاعِلِ ادیب کا ادب میں بہت کام ہے،، بہت نام ہے۔ یہ اہل شولا پور کے لیے فخر کی بات ہے کہ یہاں کا ایک شاعر وادیب ایسا بھی ہے جو دنیا کے ادب میں مشہور و معروف ہے۔ جسکی ایک درجن سے زائد کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ جو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ہونے والے مشاعروں اور ادبی جلسوں میں بلایا بھی جاتا ہے۔ دور درشن کے مشاعروں میں نظر بھی آتا ہے اور آل انڈیا ریڈیو سے اسکی آواز میں اس کا کلام سنا بھی جاتا ہے۔

شاعِلِ ادیب بذاتِ خود ایک ادارہ ہیں ایک وسیع مضمون ہیں۔ جن کی تخلیقات پر بہت لکھا جا چکا ہے، بہت لکھا جا رہا ہے اور بہت لکھا بھی جاتا رہے گا۔ اس لیے راقم الحروف نے ان کا صرف ایک مجموعہ ”حروفِ تابندہ“ تبصرے اور تجزیے کے لیے انتخاب کیا ہے۔ اس میں شاگل کے کچھ چوٹے چھوٹے مضامین ہیں جو آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے نشر ہوتے تھے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ریڈیو پر سنائی گئی تقریریں، مضامین، مقالے، افسانے، مباحثے، مذاکرے اور ڈرامے ریڈیو سے نشر ہونے کے بعد ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ اس کا ریکارڈ پہلے کبھی مہینوں بلکہ کچھ نثریے کا ریکارڈ برسوں تک ریڈیو اسٹیشن میں محفوظ رہا کرتا تھا۔ اب ایسا نہیں ہوتا۔ تلف کر دیا جاتا ہے۔ کچھ بہت ہی اہم ترین نثریے محفوظ کر لیے جاتے ہیں۔ لکھنے والے ریڈیو کے لیے لکھی تحریریں اکثر و بیشتر جلدی میں لکھتے ہیں اور اپنی تحریروں کی نظر ثانی بھی نہیں کرتے اور زیادہ گہرائی و گیرائی اور معیار سے بھی بچتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ سننے والوں کو فوراً پسند آئے اور سبھی سمجھ سکیں۔ لکھنے والے یہی سوچ کر لکھتے ہیں اور پھر یہ بات بھی کہ ریکارڈنگ کے بعد مسودہ ریڈیو اسٹیشن میں جمع کر دینا ہوتا ہے یہ ریڈیو اسٹیشن کے اصولوں میں ہے۔ اس طرح اس کی دوسری کاپی رائٹر کے پاس نہیں ہوتی۔ اور پھر خود رائٹر نشر ہونے کے بعد اپنی ہی لکھی ہوئی چیز کو اہمیت دے کر اپنے پاس محفوظ نہیں کرتا۔ بہت ہی کم رائٹر ایسے ہوتے ہیں جو ریڈیو کے لیے لکھی ہوئی تخلیقات کو اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں یا چھپواتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اردو ادب کے بڑے بڑے قلم کاروں نے ریڈیو کے لیے بہت کچھ لکھا اور بہت اچھا بھی لکھا۔ اتنا اچھا لکھا کہ اس کے چرچے بھی ہوئے۔ لوگوں کی مانگ پر دوبارہ نشر بھی کیا گیا بلکہ بار بار نشر کیا گیا۔ لیکن افسوس آج وہ تخلیقات کا

ریکارڈ کہیں نہیں ہے۔ نہ ریڈیو اسٹیشنوں میں اور نہ ہی رائٹرز کے گھروں میں نہ ان کے چاہنے والوں کے پاس! شاعری ادیب صاحب نے یہ اچھا کام کیا کہ ریڈیو پر نشر شدہ مضامین کو اکٹھا کر کے شائع کروایا۔ ان مضامین کے بارے میں اظہر افسر (پروڈیوسر آل انڈیا ریڈیو، حیدرآباد) نے اسی کتاب میں ایک مضمون لکھا ہے اس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”زیر نظر مجموعہ ”حروفِ تابندہ“ شاعری ادیب صاحب کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو ”حروفِ تابندہ“ پروگرام کے تحت آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے نشر ہو چکے ہیں۔ ”نیرنگ پروگرام“ کے سننے والوں کو یہ مضامین کافی لطف دے چکے ہیں۔ بلکہ ہر بار بے شمار لوگوں نے نصیحتوں کے اس تحفے کو بری چاہت سے قبول کیا ہے۔ عام طور پر نصیحت کی باتیں نہ قبول کی جاتی ہیں اور ہی سنی جاتی ہیں۔ مگر شاعری ادیب صاحب کے ”حروفِ تابندہ“ ہر بار بے حد دلچسپی سے سننے گئے اور ان کی پسندیدگی کے بے شمار خطوط بھی ملے ہیں۔“ ۱۲

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوا کہ شاعری ادیب نے ریڈیو کے پروگرام ”حروفِ تابندہ“ کے لیے جو مضامین لکھے تھے وہ کافی پسند کیے گئے اور اس کے سلسلے میں کئی خطوط بھی آتے رہے ہیں۔ گویا یہ مضامین جو مختلف موضوعات پر نصیحت آمیز مضامین ہیں لوگوں کو اچھے لگے اور ان کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے شاعری ادیب نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ یہ کتاب، نثریہ مضامین کا مجموعہ ہے لیکن ہے تو یہ نثر ہی۔ تو ہم اس کو نثری مضامین کا مجموعہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اب ہم ”حروفِ تابندہ“ کا اپنے طور پر جائزہ لینا چاہیں گے۔

”حروفِ تابندہ“ کا دیباچہ مشہور و معروف طنز و مزاح نگار یوسف ناظم نے لکھا ہے۔ دیباچہ ناظم صاحب کے رنگ میں بہت ہی اچھا دیباچہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاعری ادیب کے یہ مضامین ناظم صاحب کو پسند آئے۔ دو صفحات پر مشتمل اس دیباچے کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”حروفِ تابندہ“ سونے کے نہ ہونے کے باوجود چغلی کھاتے ہیں کہ یہ کسی معدنِ زر سے برآمد شدہ خام مال کے تراشیدہ حروف ہیں۔ ہر بات سونا ہر نکتہ نگینہ جتنے عبرت آموز، خیال انگیز اور غور و فکر سے مملو یہ مضامین ہیں۔ انھیں دیکھتے ہوئے بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ ان مضامین کے مجموعے کے بارے میں جو کچھ بھی لکھنا لکھانا ہو دیباچہ، مقدمہ، تقریظ، تبصرہ وغیرہ وہ صرف شریف آدمی سے لکھوانا چاہیے۔ شاعری ادیب نے اس کام کے لیے میرا انتخاب کیا۔ میں

اسے اپنا انتخاب بنی انجام سمجھتا ہوں۔ میرے اس بیان میں کسی انکسار کو دخل نہیں ہے۔ اس لیے کہ میں انکسار کو خود ستائی کا ایک مہذب انداز سمجھتا ہوں، اس لیے خود ساختہ ادیب و شاعر آگے بڑھ کر انکساری فرماتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد یوسف ناظم نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے شاعری ادیب ہی کے ”حروفِ تابندہ“ میں شامل ایک مضمون ”خاموشی“ کو موضوع بنا کر اپنی بات آگے بڑھائی ہے۔ اور اس مضمون کو کتاب ہذا کی جان قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مجھے تو لفظ ”خاموشی“ پسند ہے شاعری ادیب نے خاموشی کے عنوان پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس کتاب کی جان ہے۔ (ویسے اس کتاب کی کئی جانیں ہیں) خاموشی انسان کا وقار ہے۔ ان ہی کا جملہ ہے جو مجھے میرا جملہ معلوم ہوتا ہے ”خاموشی“ کے بارے میں ہمارے دوست بھر تری ہری نے کیا خوب کہا ہے۔

”خاموشی نام کی دولت خدا نے ہم کو بخشی ہے

پر پردہ ہے جہالت کا  
سمجھداروں، خردمندوں کی محفل میں اگر چپ چاپ ہم بیٹھیں  
تو ان پر بھی بھرم اپنا رہے قائم  
خاموشی ایک زیور ہے۔ یہ لا قیمت ہے اس کی قدر پہچانو۔“

شاعری ادیب نے اسی قسم کے درنایاب جمع کر کے انہیں ”حروفِ تابندہ“ کا لباس پہنایا ہے اور حید آباد میں شاید یہ پہلا موقع ہے کہ لباس میں جھول نہیں۔“ ۱۵

مندرجہ بالا دیباچہ کے ان اقتباسات سے یہ معلوم ہوا کہ ناظم صاحب شاعری ادیب کے ان نثری مضامین کے مواد سے مطمئن اور متفق ہیں۔ اپنے انداز میں انہوں نے داد دی ہے۔ راقم الحروف ہر مضمون کے مواد پر بات کرنا چاہے گا۔ اس سے پہلے عاتق شاہ مرحوم کی قیمتی رائے ملاحظہ فرمائیں۔

”حروفِ تابندہ کے مضامین سے عوام اور ہماری نئی نسل ان تہذیبی کارناموں اور بزرگوں کی اسی دین سے واقف ہو سکے گی جو ہمارا اورچہ ہے۔“ ۱۶

”حروفِ تابندہ“ میں ۱۵، عنوانات کے تحت ۱۵، مضامین ہیں۔ اس کی نثر بہت ہی عمدہ، سلیس اور رواں ہے۔ موضوع سے ہٹ کر کوئی جملہ اس میں نہیں، لفظوں نے بھی موضوعات کا ساتھ دیا ہے۔ مضامین معلوماتی بھی ہیں اور نصیحت آمیز بھی

ہیں۔ یہ تحریریں انسانی سماجی زندگی کی خوشحالی کے لیے ضروری ہیں۔ ریڈیو والوں نے اپنے جس مقصد کے لیے لکھوایا ہے وہ مقصد اس سے پورا ہوتا ہے۔ لیکن کتابی صورت میں اسکی اشاعت فعال نیک ہے کہ یہ کام کی باتیں قاری بار بار پڑھ کر سمجھ سکتا ہے اور زہن نشین بھی کر سکتا ہے اور وقت ضرورت اپنی عملی زندگی میں فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے۔ ایسی اس کتاب میں کئی باتیں ہیں۔ ویسے ہر مضمون پوری طرح پڑھنے کی مانگ کرتا ہے تاکہ عنوان یا موضوع کے تحت جو بات کہی گئی ہے وہ پوری طرح سمجھ میں آجائے لیکن سارے مضامین درج نہیں کیے جاسکتے اس لیے راقم الحروف یہاں پر ہر مضمون سے ایک اقتباس دینا چاہے گا۔ جس سے معلوم ہو جائے گا کہ موضوع کیا ہے اور رائٹر نے اس موضوع پر کیا اہم بات کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

☆ قوم:

”ہندوستانی قومیت کا سب سے عظیم ورثہ، سب سے بہترین سرمایہ، اس کا احساس قومیت ہے مگر چند تخریب پسند طاقتیں اس کو تباہ و برباد کرنے پر تلی ہیں۔ ہمیں ان قوموں کا سرکچنا چاہیے اور سرسید احمد خان کی آواز میں آواز ملا کر یہ کہنا چاہیے۔“

”ہندو اور مسلمان مذہبی الفاظ ہیں ورنہ ہندو ہوں کہ مسلمان، سکھ ہوں کہ عیسائی جو بھی ہندوستان میں رہتے بستے ہیں سب ایک قوم ہیں۔“ ۱۷

☆ قومی یکجہتی:

گانگی جی نے فرمایا تھا:

”میں ہندو ہوں تم مسلمان ہو، یا میں گجراتی ہوں تم مدراسی ہو، ہمیں اس طرح کی تنگ نظری کو یکسر بھلا دینا چاہیے، ہمیں مشترکہ بھارتی تہذیب و قومیت میں من و تو کے احساس کو بالکل ختم کر دینا چاہیے۔ فرقہ وارانہ منافرت قومی یکجہتی کے جسم پر ایک بدنما کوڑھ کی مانند ہے۔ قومی یکجہتی قومی شعور کی بیداری اور قومیت کے استحکام کا بہترین وسیلہ ہے۔ قومی یکجہتی، قومی انتشار اور سیاسی بدنظمی کو یکسر ختم کرنا ہے۔“ ۱۸

☆ بھائی چارگی:

”قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ اگر صحیح مومن بننا چاہتے ہو تو اپنے پڑوسیوں سے محبت کرو، مسلمان وہی ہے جو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جس کی توقع وہ خود بھی ان سے رکھتا ہے۔“ ۱۹

☆ منزل رسی:

”منزل رسی نام ہے عزم کی بلندی کا، ارادوں کی عظمت کا اور انسانیت و آدمیت کی اعلیٰ ہمتی کا جو انسان بلند عزم و ہمت اور ارادہٴ مستحکم سے کام لیتے ہیں۔ زندگی کی منزل یقینی طور پر ان کے قدم چوم لیتی ہے۔“ ۲۰

☆ مستقل مزاجی:

”انسانی زندگی کو عام طور پر درد و غم، رنج و محبت، جور و ستم اور آہ و بکا کا مجموعہ گردانا جاتا ہے لیکن حقیقت ایسی نہیں ہے۔ انسان کو اپنے درد و غم اور اپنی مشکلات کا مستقل مزاجی سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ انسانی نفسیات کے عظیم مفکر سویت مارڈن کہتے ہیں: ”مشکلات اور الجھنوں پر فتح پانے والا ارتقاء کی جانب رواں دواں رہتا ہے۔“ ۲۱

”حروفِ تابندہ“ میں مندرجہ بالا اقتباس کی طرح کئی موضوعات پر کئی کام کی باتیں ہیں۔ جیسے ہم سائیکس، بغض و عناء، دوستی، خاموشی، گفتگو، کامیابی، علم، عمل عورت، شراب نوشی۔۔۔ ان عنوانات میں جو اس کے موضوعات ہیں۔ بری نصیحت آمیز باتیں لکھی گئی ہیں۔ یہ ساری باتیں انسان کی بھلائی اور انسانیت کے فروغ کے حق میں ہیں۔ اس کا بار بار مطالعہ انسان کو کئی نقصانات سے بچا سکتا ہے اور ذہن سازی میں معاون بن سکتا ہے شاعری ادیب نے بڑے سلیقے سے اسے پیش کیا ہے۔ آخر میں ”شراب نوشی“ پر ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”شراب نوشی انسانی حقیقت کو تباہ و تاراج کر دیتی ہے۔ شراب نوشی صرف انفرادی نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ یہ اجتماعی نقصان رسی کی حاصل بھی ہے۔ جب شرابی اپنی ساری کمائی شراب کی نذر کرے تو اس کی بیوی اور بچوں کی پرورش ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔ بیوی گھر کی پریشانیوں سے تنگ آ جاتی ہے بچے بے راہ رو ہو جاتے ہیں اور جب ان کی آوارگی حدوں کو پار کر جاتی ہے تو اس گھر کا خدا ہی حافظ۔“ ۲۲

غرض شاعری ادیب کی ”حروفِ تابندہ“ شولا پور کی اردو نشر کی ترقی میں کافی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کتاب سے شولا پور کے نثری سرمائے میں کافی خوشگوار اضافہ ہوا ہے۔

### ایم۔ ایم شیخ کی کتاب ”ذوقِ نظر“ (مضامین کا مجموعہ)

”ذوقِ نظر“ ایم۔ ایم۔ شیخ (محمود سر) کے علمی ادبی مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کے ترتیب کا فاروق سید اور ناشر اصلاحی وفلاجی تنظیم (شولا پور) ہے۔ یہ کتاب نومبر ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ ایم۔ ایم۔ شیخ المعروف محمود سر شولا پور کی ہر دلعزیز شخصیت ہیں۔ تعلیمی تدریسی حلقوں میں سرعزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ سائنس اور ریاضی جیسے اہم اور مشکل مضامین میں انھیں کمال حاصل ہے۔ ان کے شاگرد آج ہندوستان، بلکہ بیرونِ ہندوستان میں بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ غریب مزدور گھرانے کے محمود سر مدرس کے عہدے سے ترقی کر کے صدر مدرس بنے۔ اس عرصے میں انھوں نے شولا پور میں تعلیمی ماحول پیدا کر دیا۔ اپنی اسکول سے فراغت پا کر سر علمی و ادبی کاموں میں عملی طور پر مصروف رہتے تھے۔ ۱۹۸۴ء میں ”مثالی ٹیچر“ کا خطاب ضلع پریشد کی طرف سے ملا اور حکومتِ مہاراشٹر کی طرف سے ۱۹۸۹ء میں ریاستی سطح کا مثالی مدرس ایوارڈ دیا گیا۔ موصوف کئی مضامین میں دخل اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ جیسے سائنس، نفسیات، فلسفہ، تاریخ اردو ادب اور شاعری تقریباً ۳۶ سال طویل گرانقدر خدمات کے بعد وظیفہ یاب ہوئے۔ سر بے حد عملی آدمی ہیں اور لوگوں کو بھی عمل کی ترغیب دیتے ہیں۔ سید یعقوب علی خطیب (صدر اصلاحی وفلاجی تنظیم شولا پور) نے اسی کتاب میں ”اعتراف“ کے عنوان کے تحت ان کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

”اصلاحی وفلاجی تنظیم (شولا پور) کی خواہش تھی کہ محمود سر کے جتنے بھی مضامین ملک کے اہم رسائل میں شائع ہوئے ہیں یا جو اہم سیمیناروں میں پڑھے گئے مقالے ہیں انھیں یکجا کر کے کتابی صورت میں پیش کیا جائے۔ مجھے خوشی ہے کہ شولا پور کے ایک اہم نثر نگار کی تخلیقات آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ ادبی حلقوں میں اس پر جو بھی ردِ عمل ہو ہماری نظروں میں ان مضامین کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ شولا پور والوں کو محمود سر بہت عزیز ہیں اور ان کے افکار ہمارے لیے مشعلِ راہ رہے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر اس کتاب کو شولا پور کی پہلی نثری کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔“

۲۳

مندرجہ بالا اقتباس کی ساری باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن ”ذوقِ نظر“ کو شولا پور کی نظر کی نثر کا پہلا مجموعہ کہنا، نا مناسب ہے۔ راقم الحروف کے اسی مقالے میں نثر کی کتابوں کے ثبوت موجود ہیں جو اس کتاب کی اشاعت (۱۹۹۹ء) سے

پہلے بلکہ بہت پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ پتہ نہیں جناب صدر نے کس نقطہ نظر سے یہ بات لکھی ہے۔ عقیدت و محبت تو راقم کو بھی محمود سر سے ہے لیکن اپنی جگہ پر ہے۔ محمود سر واقعی شہر شولا پور کی ایک عظیم علمی، ادبی اور سماجی شخصیت ہیں۔ ناچیز کو بھی ان کے عمل اور علم سے فیض پہنچا ہے۔ اور ناچیز یہ بھی جانتا ہے کہ محمود سر ہی وہ شخص ہیں۔ جن کی وجہ سے مسلمانوں میں تعلیمی انقلاب آیا۔ خاص طور پر سائنسی علوم کی طرف متوجہ کرنے والے محمود سر ہی ہیں۔ اور جہاں تک ان کی اردو دانی اور ادب شناسی کی بات ہے، ان کی اردو زبان صاف ستھری اور رواں ہے۔ چاہے بول چال ہو کہ تحریر آپ کی زبان بڑی شائستہ ہوتی ہے۔ سر نے اعلیٰ ادبی ذوق پایا ہے ان کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہے۔ دینی، علمی اور ادبی کتابوں کو انھوں نے پڑھ کر سمجھا ہے اور سمجھایا بھی ہے۔ اس طرح سر نے اپنے ذہنی فائدے کے ساتھ دوسروں کو بھی ذہنی فائدہ پہنچایا ہے۔ سیمنا روں اور کانفرنسوں میں انھیں تقریر کرنے کی دعوت دی جاتی رہی ہے۔ جس موضوع پر بھی انھوں نے تقریر کی حق ادا کر دیا ہے لیکن محمود سر لکھنے کے معاملے میں بہت ہی سست رفتار واقع ہوئے ہیں۔ جتنا انھوں نے لکھا ہے وہ سارا چھپوایا نہیں ہے۔ بہت ہی کم کہیں کہیں رسائل و جرائد ہی میں چھپا ہے۔ ان کی وہ تقریریں جو انھوں نے کئی موضوعات پر کی ہیں۔ ان کا کوئی بھی ریکارڈ نہیں، عام نشستوں میں جو کام کی باتیں انھوں نے بتائی ہیں وہ بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم کے ذمہ داران اور عہدیداران نے ان کے کچھ مضامین کو کتابی صورت میں شائع کر کے بہت ہی اہم کام کیا ہے۔

جس کے لیے شہر کے تمام اہل ذوق ادارے کے احسان مند رہیں گے۔ ”ذوقِ نظر“ کتاب کے عنوانات ہیں۔

(۱) عصرِ جدید اور مہذب (۲) اقبال شاعر اسلام (۳) تصورِ زمان۔ علمائے اسلام کی نظر میں اور جدید تحقیقات۔

(۴) انسانی وجود کا مسئلہ اور اس کا حل (۵) مولانا آزاد۔۔۔ کوہِ استقامت اور مینارِ عزیمت۔

(۶) مولانا آزاد۔۔۔ ترجمان القرآن (۷) مولانا آزاد کی ولادت کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر۔

(۸) اُردو مدارس کو درپیش اساتذہ کے مسائل۔

یہ آٹھ مضامین بہت ہی اہم ہیں۔ جو اس کتاب میں شامل کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی محمود سر نے بہت کچھ لکھا ہے بہت ساری تقریریں کی ہیں۔ اگر انہیں بھی جمع کر کے شائع کیا جائے تو اردو کے اساتذہ اور طالب علموں کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہوگا۔

راقم الحروف کی ایسی قابلیت نہیں کہ محمود سر کے ان علمی و ادبی مضامین کا تجزیہ کرے یا پھر تبصرہ کرے فی الحال تذکرے پر ہی اکتفا کرنا ضروری ہے کیونکہ ان مضامین پر کوئی اہل علم و ہنر ہی اظہار کر سکتا ہے۔ اپنی بساط اور سمجھ سے ناچیز نے ان

مضامین کا مطالعہ کیا ہے۔ بہت ساری باتیں ایسی ہیں کہ ان کی تحریر پڑھ کر سمجھ میں آئیں۔ لیکن یہ مضامین ایسے ہیں کہ انھیں بار بار پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سر کی تحریروں میں عالمانہ اشارے اور صالح اسلامی حوالے بھی ملتے ہیں۔ خاص طور پر محمود سر نے اقبال اور آزاد کے بارے میں جو لکھا اور جس زاویے سے لکھا ہے وہ منفرد ہے۔ آسان زبان ملائم لہجہ دلچسپ اسلوب محمود و سر کی تحریر کی خوبیاں ہیں جو صاحب طرز ادیبوں کو ہی نصیب ہوتی ہیں۔ راقم الحروف چند مضامین کے کچھ اہم اقتباسات پیش کرنا چاہے گا۔ تاکہ سر کے اسلوب کا اندازہ ہو سکے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

☆ اردو مدارس کو درپیش اساتذہ کے مسائل:

”مراٹھی اور انگریزی زبان میں تعلیمات پر بہت سارے رسالے شائع ہوتے ہیں۔ ان میں مراٹھی اور اردو ذریعہ تعلیم کے اسکولوں میں آئے دن کے تعلیمی مسائل اور تعلیمی تجربات اور پروجیکٹ پر کافی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اساتذہ کو درس و تدریس کے لیے نئی روشنی ملتی رہتی ہے۔ اردو مدارس کے اساتذہ ان زبانوں سے گہری واقفیت نہ رکھنے کی بنا پر ان کے مطالعے کے لیے کوئی دلچسپی نہیں پاتے اور وہ بس اپنے پرانے گھسے پٹے طریقوں پر ہی کام کرتے رہتے ہیں اور ان میں تجربات کا داعیہ کم ہی پیدا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اردو مدارس میں آنے والے مسائل کو نمٹنے میں کوتاہی پاتے ہیں۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مدرسہ اپنے تعلیمی معیار کو بلند کرنے میں پیچھے رہ جاتا ہے۔“ ۲۴

☆ مولانا آزاد کی ولادت کے صد سالہ سالگرہ کے موقع پر:

”مولانا کی پیش گوئیاں کسی طرح آج حرف بہ حرف صادق ہو رہی ہیں۔ ان کے تمام ساتھی، ہم مذہب، ہم وطن سب نے ایک ایک کر کے انہیں اکیلا چھوڑا اور تقسیم برصغیر پر مصالحت کر لی گئی۔ مگر مولانا اپنے موقف پر ہمالیہ کی طرح اٹل رہے۔ چنانچہ وہ زمانہ کی ستم ظریفی کے ہاتھوں دل شکستہ ہو گئے وہ کہتے ہیں کہ میری زندگی کا سارا ماتم یہ ہے کہ عہدِ مغل کا آدمی نہ تھا مگر اس کے حوالے کیا گیا۔ مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ زمانے کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا ہے۔ اس کا مداوا کرنے کے لیے برصغیر کی تمام حکومتیں SAARC ایسوسی ایشن کے تحت پھر ایک دوسرے کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں۔ پچھڑنے ہوئے دلوں



ملانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔“ ۲۵

## ☆ اقبال شاعر اسلام:

”اقبال کہتے ہیں مغربی تہذیب کے علم و حکمت، سیاست اور حکومت جس پر یورپ کو ناز ہے خالی خالی مظاہر ہیں۔ جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں۔ مغربی قائدین بنی آدم کا خون پیتے ہیں اور انسانی مساوات و عدالت اجتماعی کی تعلیم دیتے ہیں۔ بے کاری، عریانی، مئے نوشی، افلاس، فرنگی مدنیت کی فتوحات ہیں۔ اس طرح اقبال مغربی تہذیب کے ذبردست نقاد کی شکل میں ابھرتے ہیں۔ اور امت مسلمہ کو ان کے خطروں سے آگاہ کرنے کے لیے اپنی ساری ذہنی، علمی، شعری، صلاحیتوں کا استعمال کر کے ایک ایسا پرزور صورت پھونکتے ہیں کہ ان کے اشعار میں آبشار کا بہاؤ، بادل کی گرج بجلی کی کڑک، سب کچھ کا اثر صاف طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔“ ۲۶

مندرجہ بالا اقتباسات محمود سر کے عالمانہ مضامین سے اخذ کئے گئے ہیں۔ مخصوص اسلوب اور صالح مواد کی تحریروں والی یہ کتاب ”ذوق نظر“ شولا پور کی نثر کی معیاری مثال ہے۔ اس طرز کی نثر شولا پور میں اور کسی کی نہیں۔ یہ بات راقم الحروف یقین کے ساتھ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

## عبدالرزاق رند شولا پور کی نثر

رند شولا پوری تعلیمی اور ادبی دنیا کی اہم شخصیت ہیں۔ کئی ادبی انجمنوں سے جڑے ہیں۔ کاروانِ ادب شولا پور کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ شولا پور کے ادبی حلقے میں آپ کی اہمیت و افادیت سے کسی کو انکار نہیں۔ شہر شولا پور کی تہذیبی اور تاریخی معلومات بھی انھوں نے فراہم کی ہیں خاص طور پر تدریسی اور ادبی میدان میں ان کا کام نمایاں ہے، رند صاحب نثر بھی لکھا کرتے ہیں اور شاعری کے گر سے بھی واقف ہیں۔ شعری کے گر سے بھی واقف ہیں۔ شعری ماحول میں ان کا نام بھی ہے۔ ان کی نثر پختہ اور عام فہم ہے اپنی نثر میں یہ بھرپور مواد پیش کرنے کے عادی ہیں۔ ذیل میں ان کے تحریروں پر گفتگو درج ہے۔

”مولانا آزاد تحریک آزادی اور قومی یکجہتی“ رند صاحب کا ایک بہت ہی مختصر سا مضمون ہے صرف دو صفحات کا۔ اس میں انھوں نے پوری کوشش کی ہے کہ موضوع کے لحاظ سے کچھ کام کی باتیں آجائیں چونکہ موضوع بہت اہم اور تفصیل طلب ہے۔ اس میں وہ سب باتیں ہونا ضروری ہیں جو مولانا کی تحریک آزادی اور قومی یکجہتی کی خدمات میں شامل ہیں۔ لیکن اختصار

میں رند صاحب نے جو بیان کیا ہے وہ لاعلم لوگوں اور طالب علموں کے لیے بہت ہی اہم ہے۔ راقم الحروف اس مضمون سے ایک اقتباس پیش کرنا ضروری سمجھتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

”۱۸۸۵ء میں قومی جماعت (انڈین نیشنل کانگریس) کا قیام عمل میں آیا اس جماعت نے بلا تفریق مذہب و ملت، رنگ و نسل اور زبان کی بنیاد پر آزادی کے لیے پیش رفت کی۔ ۱۹۱۲ء میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اس قومی جماعت اور تحریک آزادی سے وابستہ ہوئے۔ مولانا ایک بے باک صحافی کی حیثیت سے جنگ آزادی میں شریک ہوئے۔ رفتہ رفتہ ان کی علمی قابلیت، سوچ بوجھ اور کشادہ دلی نے انھیں جنگ آزادی کا مردِ آہن بنا دیا۔ ایک مولانا کی ہی شخصیت تھی جنہیں گرفتار کرتے ہوئے سبھی گھبراتے تھے اور جیل سے باہر لاتے ہوئے بھی۔ دیگر رہنماؤں کی طرح مولانا نے بھی انگریزوں کے ظلم و استبداد کے آگے کبھی سر نہیں جھکایا۔ قومی جماعت کے طریقہ کار سے اتفاق نہ رکھنے والے کانگریسی رہنما اور دیگر سیاسی نظریات کے حامل رہنماؤں نے دیگر سیاسی جماعتوں کی داغ بیل ڈالی، جس میں مسلم لیگ کا بھی شمار تھا۔ مسلم لیگ نے اکثریت کی بنیاد پر الگ ایک ریاست کا مطالبہ کیا۔ مولانا نے ان لوگوں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی اس طرح بٹوارہ خود مسلمانوں کے حق میں ٹھیک نہیں ہوگا۔ مگر مولانا کے ان جذبات اور خیالات کا ان نا عاقبت اندیشی قائدوں نے کانگریز کا ”شو بوائے“ کہہ کر مذاق اڑایا اور ملک کا بٹوارہ ہو گیا۔“

۲۷

اس اقتباس سے مولانا آزاد کی جدوجہد آزادی اور مسلم لیگ کے قیام کے بعد بٹوارے کے سلسلے میں ان کی بٹوارہ نہیں ہونے دینے کی کوشش کا پتہ چلتا ہے۔ رند صاحب نے مختصر سے مضمون میں مولانا آزاد کے خصوصی کردار اور رویے کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ مضمون کے آخر میں رند صاحب نے لکھا ہے۔

”آزادی کے بعد بھی مولانا ہندو مسلم اتحاد کے خواہش مند تھے۔ اگر ہم نے سارے ملک میں ہندو مسلم اتحاد و اتفاق اور قومی یکجہتی کو قائم رکھا تو یہ مولانا کی خدمت میں سب سے بڑا خراج عقیدت ہوگا۔“

۲۸

☆ پنڈت برج نرائن چکبست:

”پنڈت برج نرائن چکبست“ رند شولا پور کا صرف دو صفحات والا مضمون ہے۔ اختصار میں رند صاحب نے چکبست کی شخصیت اور فن پر بات کچھ اس طرح کی ہے کہ قاری کو چکبست کی اردو ادب میں خاص اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ شروع میں انھوں نے ان ہندو مسلم شعراء و ادباء کے نام لیے ہیں جن کے دم پر اردو ادب کی تاریخ قائم ہے۔ ایسے درجنوں ناموں میں ایک اہم نام چکبست کا بھی ہے۔ ان کے بارے میں رند شولا پوری کے خیالات ملاحظہ فرمائیں۔

”چکبست حالانکہ سرسید احمد خاں کی علمی و ادبی تحریک سے براہ راست جڑے ہوئے تھے۔ لیکن ان کی سزا و شعری تخلیقات کا غور سے مطالعہ کریں تو ظاہر ہوتا ہے کہ چکبست جو کام کیا ہے وہی کام خود سرسید اور ان کے رفقاء نے کیا ہے۔“ ۲۹

مندرجہ بالا اقتباس چکبست کے خیالات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اصل میں چکبست اردو کے ایک ایسے شاعر تھے جنہیں ہندو اور مسلمان سبھی پسند کیا کرتے تھے۔ ان کا کلام سادہ اور راست دل میں اترنے والا ہوا کرتا تھا۔ وہ ہندوستان کی یکجہتی کے قائل اور ہندوستانی تہذیب کے ترجمان تھے۔ ان کی ایک شاہکار نظم رند صاحب نے اپنے مضمون میں نقل کی ہے۔ ”رامائین کا ایک سین“ جسے اس زمانے میں سبھی نے پسند کیا تھا کیونکہ اس میں ممتا کی پیتھتی۔ یہ سین رام چند راجی کے اپنی ماں سے وداع ہونے کا سین ہے۔ نظم بڑی دودھ سے دھلی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس نظم کے آخری دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

ڈستانہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم  
تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم  
میں خوش ہوں پھونک دے کوئی اس تخت و تاج کو  
تم ہی نہیں تو آگ لگا دوں گی راج کو

۳۰

☆ شمیم غزل کا پیش لفظ:

عبدالرزاق رند شولا پوری کی تحریریں پرھ کر معلوم ہوا کہ یہ حقیقت پسند اور انصاف پسند واقع ہوئے ہیں بغیر لاگ لپیٹ کے بغیر ادبی سیاست کے اظہار خیال کرنے میں رہتے ہیں۔ اپنے سے بڑے اور قابل کی کوئی بات غلط نظر آتی ہوگی تو وہ اس پر انگلی رکھ کر احتجاج بھی کرتے ہیں اور متاثر ہوئے تو اعتراف بھی کرتے ہیں۔ اور اگر اپنے سے چھوٹوں کی بات انھیں اچھی اور معیاری لگتی ہے تو کھل کر داد دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کے شاگرد رشید عبدالحمید محبت شولا پوری کی کتاب ”شمیم غزل“ کا

”پیش لفظ“ پیش کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے شروع میں ہی لکھا ہے۔

”عبدالحمید محبت شولا پوری شہر کے ایک کہنہ مشق اور بزرگ شاعر ہیں۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام ”شیم منظر“ عام پر آ رہا ہے۔ محبت کی شاعری روایتی شاعری اور جدید شاعری کا حسین امتزاج ہے۔ ان کی غزلیات میں بلا کا تغزل (Liric) ہوتا ہے۔ وہ اپنی غزل کے لیے عربی و فارسی کے دقیق الفاظ چن کر لاتے ہیں اور غزل میں اس طرح استعمال کرتے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑا ہوتا ہے۔ غزل کے لیے وہ زمینیں بھی بڑے کمال کی لاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہمارے شہر کا انھیں جدیدیت اور روایت کا مشترکہ نمائندہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔“ ۳۱

مندرجہ بالا اقتباس میں رند صاحب نے اپنے شاگرد کو داد دینے اور انھیں مقام عطا کرنے، اچھا شاعر ماننے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، فراغ دلی سے تسلیم کیا ہے۔ یہ خوبی بہت ہی کم سینئر یا استاد شعراء میں ہوتی ہے۔

☆ ”کلیاتِ درویش“ میں رند کی تحریر:

رند شولا پوری نے ”کلیاتِ درویش“ میں ایک مضمون ”تقریظ“ کے عنوان سے لکھا جو کلیات کے ابتدائی صفحات میں شائع ہوا۔ اس مضمون کے ابتدائی سطریں ملاحظہ فرمائیں۔

”حضرت محمد حنیف درویش القادری شہر شولا پور کے واحد شاعر ہیں۔ جنھوں نے غربت و افلاس کے باوجود اپنے کلام کے چھ مجموعے شائع کیے۔ جن میں ایک دیوان بھی ہے۔ آپ ہمارے شہر کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ آپ کی جرأتِ رندانہ کی داد جتنی دی جائے کم ہے کیونکہ پیشے کے اعتبار سے مل مزدور ہوتے ہوئے بھی آپ ۱۹۵۲ء سے اردو ادب کی بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں۔“ ۳۲

اس مضمون میں رند صاحب نے درویش کی شاعری کو کئی زاویوں سے دیکھا، سمجھا اور سمجھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو غزل کا حسن روایتی شاعری ہی سے ہے۔ اس خیال کو مد نظر رکھ کر جب انھوں نے سوچا تو درویش کے پاس بھی ان کو ایسا کلام نظر آیا جس میں محبوب کے لیے والہانہ چاشنی تھی۔ اور ایک شعر میں تو انھیں یہ بات بھی نظر آئی کہ محبوب کے لیے شاعر دنیا کی فکر نہیں کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے ایک شعر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

یہ دنیا روٹھ بھی جائے تو جائے غم نہیں جھکو

مگردن رات یہ تشویش ہے روٹھے نہ یارا پنا ۳۳

رند صاحب کا نظریہ ہے کہ شاعر سماجی مصلح ہوتا ہے۔ اور اپنی بساط کے مطابق وہ سماج کی اصلاح کے لیے کوشاں نظر آتا ہے۔ اس نظر سے رند صاحب نے جب درویش کے کلام کا جائزہ لیا تو ان کی نظر درویش کے کئی اشعار پر پڑی ہوگی لیکن انھوں نے صرف ایک شعر مثال کے طور پر پیش کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں ”ہمارا معاشرہ شعراء کے مقام اور مرتبے کے مطابق ان کی قدر نہیں کرتا آج کی ناقدری سے حضرت درویش نالاں ہیں۔“

دیکھتے کیا ہو حقارت کی نظر سے لوگو

آپ سمجھے نہیں درویش کا درجہ کیا ہے

۳۴

حضرت درویش کے ہاں تصوف کا رنگ خوب ہے اور طرح طرح کے شعرا اس رنگ میں انھوں نے کہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ”۱۹۷۸ء میں خلافت عطا ہو جانے کے بعد رنگ تصوف میں انتہائی گہرائی پیدا ہوئی ہے۔“

یہ درس گاہ پیر طریقت کا درس ہے

مرشد کے سامنے نہ کبھی بے وضو رہے

لذت دنیا کو لے کر کیا کروں

مل گیا جب تو مجھے کیا چاہیے“

۳۵

اسی طرح رند صاحب نے حضرت درویش کی نعت گوئی بھی انفرادی اور معیاری قرار دیا اور یہ بھی کہا کہ انھیں نعت گوئی جیسے نازک فن میں بھی مہارت ہے۔ نعت کے غیر معمولی دو شعر ملاحظہ فرمائیں جو رند صاحب کا ہی انتخاب ہے۔

گر خدا چاہا تو مردے کو بھی زندہ کر دوں

ہوں غلامانِ محمدؐ، مجھے سمجھا کیا ہے

بھلا ہوں یا برا ہوں جو بھی ہوں بیشک تمہارا ہوں  
دکھانا مومن صورت یک بار خلوت میں

۳۶

☆ غفور انیس کی شاعری پر رند صاحب کی تحریر:

رند شولا پوری نے جشنِ غفور انیس (روداد مع تصاویر) نامی کتاب میں غفور انیس کی شخصیت اور شاعری پر ایک بہت ہی معلومات مضمون ”غفور انیس، ماضی حال اور مستقبل کا شاعر“ لکھا ہے۔ یہ مضمون بہت ہی چاؤ اور بے حد لگاؤ سے لکھا ہوا مضمون ہے۔ انیس کی شاعری کو رند شولا پوری نے ایک بہت ہی الگ نظریے سے دیکھا ہے۔ ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

”انیس کی شاعری میں روایت کی چاشنی بھی ہے، حال کی دھماکا خیزی بھی اور روشن مستقبل کی بشارت بھی، اس لحاظ سے انیس ماضی، حال اور مستقبل کا شاعر ہے، انیس کی شاعری میں ماضی، حال اور مستقبل گڈ ہو گئے ہیں۔ علمائے نفسیات کہتے ہیں کہ انسانی شعور کی رومانی اور مستقبل دونوں کی راہ سے گزر کر حال کے تجربوں کو پیچیدہ، بنادیتی ہے۔ مشہور انگریزی شاعر ایلٹ اپنی چند سطروں میں اس کیفیت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

”حال اور ماضی، غالباً مستقبل کے اندر موجود ہیں اور مستقبل ماضی کے لپٹن میں ہے۔ اگر ہر وقت ادبی طور پر حال ہے تو کسی وقت کے مفر نہیں۔“ ۳۷

رند صاحب یہ حوالات دے کر انیس کے اشعار میں یہ کیفیت محسوس کرتے ہیں اور کچھ اشعار کا بھی انہوں نے انتخاب کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

تو شورشِ مصائبِ رواں سے چور ہے  
یہ جھوٹ ہے کہ منزل مقصود دور ہے

پھر کہیں جلا کوئی شہر لالہ و شبنم  
اب کے فصل گل کتنی مضطرب گذرتی ہے

اک مرے حال پر تعجب کیا

عشق میں کوئی شاد ماں کب تھا ۳۸

رند شولا پوری کے اس مضمون سے یہ انکشاف ہوا کہ شہر شولا پور میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد غفور انیس نے رکھی تھی۔ یہ ظاہر کرنے کے بعد رند صاحب ترقی پسند تحریک کے صحت مند رجحانات پر گفتگو کرتے ہوئے انقلاب کے نقیبوں میں انیس کا بھی شمار کرتے ہیں۔ آگے انیس کی شاعری پر بات کرتے ہوئے حالی کی بات انھیں یاد آتی ہے کہ حالی نے اردو شاعری میں ہندی کے استعمال کی تائید کی تھی اور انیس نے اپنے لیے ہندی الفاظ کا استعمال جائز کر لیا اور خوب کیا۔ رند صاحب کہتے ہیں:

”انیس کے ایسے اشعار جن میں ہندی کے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں، اتنے

پیارے ہیں کہ بے ساختہ گنگنا نے کو جی چاہتا ہے۔“ ۳۹

رند شولا پوری نے ہندی لفظیات کی آمیزش والے انیس کے اردو اشعار کی کھل کر داد دی ہے۔ ان ہی کی پسند کے تین اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

پیت کی چوٹیں کاری کاری

پھر بھی میٹھی پھر بھی پیاری

وہ مسکائے ہونٹ رسیلے

یا مسکائی اک پھلوا ری

تم سنگ پت جھڑ پیارا پیارا

تم بن ساون بھاری بھاری

رند شولا پوری نے غفور انیس کی نظم گوئی کی بھی بہت تعریف کی ہے۔ خاص طور پر ”رسم زباں عام رہی“ کا ذکر کیا ہے۔ جو مولانا آزاد کی وفات پر لکھی گئی تھی۔ غفور انیس مرحوم کی شاعری پر رند شولا پوری کا یہ مضمون بہت ہی جامع اور معیاری ہے۔ ایسے مضامین بہت ہی کم کسی کی شاعری کے بارے میں لکھتا ہے۔

☆ شوق کی ”متاعِ سخن“ رند کی رائے:

حبیب احمد شوق شولا پوری کے مجموعہ کلام ”متاعِ سخن“ میں رند شولا پوری کا ایک مضمون شائع ہوا ہے ”حبیب احمد

شوق ہمنابادی۔۔۔ شخصیت اور شاعری‘ یہ مضمون اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ اس میں رند صاحب کی شوق صاحب سے جذباتی وابستگی اور ہمدردی نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاعر کی حیات اور حالات سے بہت دنوں سے واقف ہیں۔ مضمون کا پہلا حصہ شاعر کی زندگی کے لیے جدوجہد اور جدوجہد میں آنے والی دشواریوں کے بارے میں ہے۔ رند صاحب شوق صاحب کی شاعری کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ:

”حبیب احمد شوق کی شاعری روایتی شاعری ہے۔ حالانکہ ان کا دور اور ان کے حالات دھماکہ خیز ہیں وہ چاہتے تو جدیدیت کو گلے لگا سکتے تھے لیکن وہ روایت کے علمبردار بن گئے۔ روایتی شاعری میں اپنے فرضی محبوب کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہونا شرط اول ہے۔“ ۴۱

شوق کے کچھ اشعار کا انتخاب اپنے متن کے ساتھ رند صاحب نے دیا ہے۔ یہ شعر روایتی ہونے کے ساتھ ساتھ معیاری ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں چند شعر۔

شوق جب تک نہ ٹوٹ جائے دل  
آدمی کام کا نہیں ہوتا!

کسی کے واسطے دل میں نہیں ہے بغض میرے  
میرا عدو بھی ملے تو سلام کرتا ہوں  
زندگی ہے نصاب کی صورت  
اک شگفتہ گلاب کی صورت

تمنا تو مری بھی ہے کہ میں مشہور ہو جاؤں  
مگر اتنا نہیں کہ جس سے میں مغرور ہو جاؤں

۴۲

مذکورہ بالا مضامین کے علاوہ رند صاحب نے وقتاً فوقتاً بہت سے مضامین لکھے ہیں۔ ان کے مضامین مختلف اخباروں اور رسالوں میں چھپتے بھی رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے تمام مضامین کو یکجا کر کے ایک کتاب ترتیب دی ہے۔ جس کا نام آپ



نے خود ”خادمِ غلیاں“ رکھا ہے۔ اس کا مسودہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ راقم دعا گو ہے کہ یہ مجموعہ جلد از جلد شائع ہو اور تشنگانِ ادب کی تشنگی مٹائے۔

### پروفیسر شیخ عبدالجلیل محی الدین کی نثر نگاری

☆ مولانا آزاد ایک بیباک و بے مثال صحافی:-

عبدالجلیل محی الدین شیخ شولا پور کی تعلیمی زندگی کے معتبر استاد تھے۔ بحیثیت پروفیسر شوشل کالج شولا پور پڑھاتے تھے۔ ان کی شخصیت کی ہر دلعزیزی کا عالم یہ تھا کہ ان کے شاگرد انہیں بے حد چاہتے تھے۔ ان کے پرہانے سمجھانے کا انداز سبھی کو پسند تھا۔ راقم الحروف کا شمار بھی ان ہی کے شاگردوں میں ہوتا ہے کہ انھوں نے درسی تعلیم کے ساتھ ساتھ نجی ملاقاتوں میں راقم کو قواعدِ اردو، صرف و نحو، عروض اور محاورہ زبان و بیان اور مضمون نویسی کے بہت سارے نکات سمجھائے۔ اردو زبان و ادب کی اصطلاحات، ادب کے نازک گوشے اور ادب کی تاریخ و تنقید کے رموز سے آشنا کیا۔ مضمون لکھنے کے بعد وہ اسلحہ کر کے مسودہ نہیں لوٹاتے تھے۔ بلکہ غلطیوں کی طرف توجہ دلاتے تھے اور یہ تاکید کرتے تھے کہ پھر کبھی یہ غلطی نہیں کرنا! سر کے گذرنے کے بعد اکثر ان کا خیال اس لیے بھی آتا ہے کہ آج راقم الحروف بھی درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ ہے۔ چاہ کر بھی اپنے آپ میں سر جیسی خوبیاں پیدا کرنے میں ناکام ہے۔ اس کے باوجود راقم الحروف کو سر کی باتوں اور ہدایتوں نے اس قابل بنادیا ہے کہ راقم ان کی نقش قدم پر ثابت قدمی سے چلنے کے لائق بن گیا ہے۔

جہاں تک سر کی مضمون نویسی کا تعلق ہے۔ سر نے بہت ہی کم لکھا اور چھپوانے میں تو انھوں نے زندگی بھر لا پرواہی کی۔ تلاش و جستجو کے بعد تین شائع شدہ مضامین ہاتھ لگے۔ سب سے پہلے مولانا آزاد کے سلسلے میں جو مضمون انھوں نے لکھا اس کے بارے میں ناچیز کا خیال ہے کہ موصوف کا انداز بیان راست اور بیباکانہ ہوتا ہے۔ یہ مضمون بھی اسی طرح کا ہے ہمیشہ وہ گفتگو میں بھی جزئیات یا غیر متعلق باتوں کے قائل نہیں تھے۔ ایسی باتیں نہ وہ خود کرتے اور نہ کرنے دیتے۔ یہی بات ان کے تحریروں میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔“

”مولانا آزاد۔ ایک بیباک و بے مثال صحافی“ ان کا ایک بہت ہی مختصر مضمون ہے جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مضمون کے ساتھ انصاف کی مثال ہے کہ حضرت نے زیب داستان کا سہارا بالکل نہیں لیا۔ اس مضمون کی شروعات ہی پر مغز ہے ملاحظہ فرمائیں۔

”مولانا کی صحافتی زندگی کا آغاز ”میرنگ عالم“ کی ادارت سے ہوتا ہے جب

۱۹۰۱ء میں ”البصاح“ جاری ہوا تو اس رسالے کا ادارہ یہ بھی مولانا نے ہی لکھا۔ ادارت کے ساتھ ساتھ مختلف رسالوں میں مضامین بھی لکھتے رہے جیسے مخزن، احسن الاخبار، مرقع عالم اور خدنگ نظر وغیرہ! ۲۰ دسمبر ۱۹۰۳ء کو مولانا نے ”لسان الصدق“ نامی اپنا اخبار جاری کیا۔ علم و ادب کی خدمت اور معاشرہ کی اصلاح اس کے اہم مقاصد تھے۔ اس عہد کے مشہور اور اہم اخباروں نے ”لسان الصدق“ کا استقبال کیا اور اچھے تبصرے لکھے۔ جس زمانے میں وہ اس اخبار کی ادارت کر رہے تھے۔ اس وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔“

۳۳

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوا کہ مولانا نے اردو صحافت کے میدان میں ۱۹۰۱ء میں قدم رکھا، مختلف اخبارات میں مضامین لکھتے رہے پھر ”نیرنگ عالم“ کے مدیر بھی مقرر ہوئے اور یہ انکشاف ہوا کہ اس وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ اور وہ اردو قارئین سے اپنی تحریروں کے ذریعے داد و وصول کر رہے تھے۔ سماج میں ان کی مقبولیت بڑھ رہی تھی مولانا کی صحافتی زندگی کے بارے میں عام معلومات رکھنے والا تو صرف ”الہلال“ کے بارے میں جانتا ہے اور ”الہلال“ میں چھپنے والے مضامین بھی خاص ذوق رکھنے والوں میں مقبول ہیں۔ لیکن بہت ہی کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ انھوں نے ۱۹۰۱ء سے ہی صحافت شروع کر دی تھی۔ یعنی اپنی مہم کا آغاز کر دیا تھا۔ ”نیرنگ عالم“ سے الگ ہو کر انھوں نے ”لسان الصدق“ کے نام سے اپنا اخبار جاری کیا تھا۔ وہ بھی خوب پسند کیا جانے لگا۔ پروفیسر جلیٹ نے ایک واقع اس مضمون میں لکھا ہے جو بہت ہی متاثر کن اس لحاظ سے ہے کہ اس کم عمر صحافی سے اس وقت کے کیسے کیسے جید عالم اور ادیب متاثر تھے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”انجمن حمایت اسلام“ لاہور کے سالانہ اجلاس میں مولانا پہلی مرتبہ شریک ہوئے۔ مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی اور مولانا حالی پانی پتی نے جب انھیں دیکھا اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ یہی کم عمر نوجوان ”لسان الصدق“ کا مدیر ہے تو دونوں بزرگ حضرات دریائے حیرت میں ڈوب گئے انھیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ یہی نوجوان مولانا آزاد ہے۔ مولانا شبلی نے ان کی تحریروں اور صلاحیتوں کو دیکھ کر ”الندوہ“ کی ادارت قبول کرنے کی دعوت دی۔ بڑے اصرار کے بعد مولانا آزاد نے یہ خدمت قبول کر لی مولانا شبلی کی محبت سے ان کے ذہن کو جلالی مگرافسوس کہ یہ صحبتیں صرف چھ ماہ برقرار رہ

سکین۔“ ۳۴

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ مولانا کی تحریریں اور صحافتی صلاحیتیں غیر معمولی تھیں اور عوام و خواص میں ان کی مقبولیت ہو چکی تھی۔ تھی تو مولانا شبلی نے اپنے اخبار کی ادارت انھیں سوپنی اور وہ چھ مہینے تک اس اخبار کے مدیر رہے۔ اس کے بعد کی مولانا کی صحافتی کارکردگیوں پر پروفیسر جلیل نے بہت ہی مختصر طور پر معلومات فراہم کی ہیں لیکن جو بھی معلومات ہے وہ بہت ہی اہم ہے۔ جیسے مولانا شبلی کے اخبار کے بعد مولانا ”وکیل“، بمبئی کے مدیر بنے۔ ہفتہ وار اخبار ”السلطنت“ کلکتہ کے مدیر رہے اور یکم جون ۱۹۱۲ء کو خود اپنا اخبار ”الہلال“ نکالا اور ۱۹۱۵ء میں ”البلاغ“ جاری کیا۔ ”الہلال“ اور ”البلاغ“ صحافت کی دنیا کے کامیاب اخبارات ہیں۔ موصوف نے چھوٹے سے مضمون میں خاص خاص معلومات دی ہیں۔

☆ قصہ جہد مسلسل کا:

یہ مضمون ڈاکٹر جلیل نے اپنے شاگرد شید ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ کی پہلی کتاب ”شہر شولا پور کے روشن چراغ“ کے پیش لفظ کے طور پر لکھا تھا۔ ڈاکٹر صاحب پیش لفظ سے پہلے ”گفتار احوال“ کے تحت لکھتے ہیں۔

میری انتہائے نگارش یہی ہے

تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں ان کی کتاب کا ”پیش لفظ“ لکھوں۔ میں نے کہا ”یہ بندہ ناچیز حقیر و پر تقصیر اس قابل کہاں کہ کسی کتاب کا پیش لفظ تحریر کروں“ کہا کہ ”میں یہ حق کسی اور کو نہیں دینا چاہتا کہ آپ میرے مربی استاد ہیں اور آپ ہی کو میرے اولین تصنیف کا تعارف تحریر کرنا ہے“ بس! بے حد اصرار اور فرمائش کی تکمیل میں یہ چند سطور پیش خدمت کر رہا ہوں۔“

اس اقتباس سے ظاہر ہوا کہ ڈاکٹر غلام دستگیر کی خواہش اور فرمائش پر استاد نے یہ پیش لفظ لکھا۔ جو کافی طویل بھی ہے اور تعریف و توصیف کے لفظوں سے پُر ہے۔ مضمون سے پتہ چلا کہ ڈاکٹر غلام دستگیر نے شولا پور کی ادبی زندگی میں خالص رول ادا کیا ہے۔ عملی طور پر بھی وہ تعلیمی اور ادبی میدانوں میں ہمیشہ سرگرم رہے ہیں اور لکھنے کے معاملے میں بھی وہ ہمیشہ آگے آگے ہی رہے ہیں۔ استاد محترم کے قلم سے داد و تحسین کی یہ باتیں قابل قبول ہی مانی جانی چاہیے کیونکہ پروفیسر عبد الجلیل ایک صاحب رائے شخص کا نام ہے جنھوں نے اپنے اعلیٰ اور بہترین کردار کو زندگی بھر برقرار رکھا اور اب جبکہ ان کا وجد اس دنیا میں نہیں ہے

لیکن ان کے شاگردوں کی کمی نہیں جنہوں نے ان کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔  
یہ مضمون اصل میں ڈاکٹر غلام دستگیر کی مختصر سوانحی حالات پیش کرتا ہے جو بچپن سے لے کر جوانی تک ڈاکٹر صاحب کی جدوجہد کی عکاسی کرتا ہے اور بتدریج ان کی کامیابیوں کی منزلیں بھی دکھاتا ہے۔ استاد نے بڑے خلوص اور اپنائیت کے ساتھ یہ کام کیا ہے۔ مرحوم کے اس مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ کو شولا پور کے اولین تبصرہ نگار ہونے کا شرف خود بخود حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ ان سے قبل کسی قلم کار نے اس طرف توجہ نہیں دی ہے اور نہ کسی نے مقامی شعراء کے کلام کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے اور شعراء کے کلام کو عوام میں متعارف کرانے کا اہم فریضہ انجام دیا ہے۔ میں ان کی مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ بحیثیت مجموعی مضامین، یہ مجموعہ قابل قدر بھی ہے اور لائق مطالعہ بھی۔ ۴۶

مذکورہ اقتباس کے مطالعے سے یہ معلوم ہوا کہ استاد کی نظر میں شاگرد کا یہ کام قابل قدر ہے۔ ان کی رائے دعا کا درجہ رکھتی ہے۔ اور استاد محترم کی شولا پور کی ادبی دنیا سے محبت اور لکھنے والوں سے رغبت کا اندازہ مضمون کے آخری سطروں سے ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

”چلتے چلتے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شولا پور کے اہل قلم آگے آئیں۔  
ہمارے ارد گرد بے شمار موضوعات بکھرے پڑے ہیں۔ قلم اٹھائیں اور ان موضوعات کے متعلق اظہار خیال کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔“ ۴۷

☆ کلام غفور انیس میں حقیقت نگاری:

پروفیسر شیخ عبدالجلیل محی الدین نے بہت ہی کم مضامین لکھے ہیں۔ جن کی بھی شخصیت اور فن پر انہوں نے لکھا۔ لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ پروفیسر جلیل ایک شفیق استاد ہی نہیں اچھے انسان اور معیاری ادیب بھی تھے۔ لیکن اپنے مزاج کی لاابالی کی وجہ سے ادب میں وہ زیادہ کام نہ کر سکے۔ ان کے اعلیٰ ادبی ذوق نے شہر شولا پور کے بہت سارے نوجوانوں کی رہنمائی کی۔ شولا پور میں ادب کی تخلیق کے وہ خواہاں تھے اور ان کی خواہش تھی کہ شولا پور والے ادب میں ترقی کریں اور تعلیم میں آگے آئیں۔ شولا پور کے تعلیمی اور ادبی معاملات میں جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں انہیں وہ جہاں بھی موقع ملتا دور کرنے کی کوشش کرتے۔ اس کی ایک مثال غفور انیس کے کلام پر لکھتے ہوئے اس مضمون کی تمہید ہے ملاحظہ فرمائیں۔

”یہ ایک مفروضہ ہے کہ شہر شولا پور کی سرزمین شعراء ادب کے لیے بنجر سرزمین

ہے۔ نہیں معلوم کس ظالم اور حالات سے بے خبر شخص نے یہ بات کس وقت کہہ دی اور اطراف و اکناف میں یہ افواہ پھیل گئی کہ شہر شولا پور میں اردو زبان و ادب کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام ہے ہی نہیں اور نہ اس شہر کی سرزمین میں شاعرو ادیب پیدا ہوئے ہیں حالانکہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ شہر شولا پور آزادی کے قبل سے اردو کی ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا مرکز رہا ہے۔ دیانند کالج میں جو ۱۹۴۲ء میں قائم کیا گیا تھا۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے سطح تک اردو اور فارسی کی تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا۔ ادبی انجمنوں میں ’اقبال کلب‘، بزم غالب اور کاروان ادب اپنی ادبی سرگرمیوں میں مصروف رہے ہیں۔ اقبال کلب کے زیر اہتمام ہندوستان گیر سطح کے مشاعرے منعقد کئے جاتے تھے۔ بزم غالب کے زیر اہتمام بھی بڑے بڑے مشاعرے ہوئے ہیں۔ سیمینار رکھے گئے ہیں۔ ان مشاعروں میں ہندوستان کے تقریباً ہر بڑے شہر کے شعراء تشریف لاتے رہے ہیں۔“ ۴۸

مندرجہ بالا اقتباس محض اس لیے دیا گیا کہ ایک بزرگ استاد کے قلم سے شولا پور کے تعلیمی اور ادبی ماحول کی جو تصدیق ہوئی ہے اس کو سامنے لایا جائے۔ مرحوم نے غفور انیس والے اس مضمون میں زیادہ تر شولا پور کی تعلیمی اور ادبی حالات اور ماحول کا ذکر کیا ہے۔ تقریباً دیرٹھ صفحے کے بعد وہ اصل موضوع پر آئے ہیں۔ غفور انیس کی ادبی زندگی کا آغاز وہ ۱۹۴۸ء کا زمانہ بتاتے ہیں۔ جب ترقی پسند تحریک شباب پر تھی اور بہت سارے نوجوان قلم کاروں کی طرح غفور انیس بھی اس تحریک سے متاثر تھے۔ تحریک کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

”اسی تحریک کے زیر اثر اردو غزل زلف و گیسو اور لب و رخسار کی قید سے آزاد ہو کر زندگی کی ترجمان بنی ہے۔ اسی تحریک کے زیر اثر اردو نظم میں بھی ہیئت اور مواد دونوں میں نئے تجربے ہوئے، فکر و حسن میں بھی انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ شاعری فرضی اور خیالی باتوں کے بجائے حقیقت کی ترجمان بن گئی۔ ادب برائے زندگی کا نعرہ بلند ہوا، شاعری کو انسانی زندگی کا ترجمان بنا دیا گیا۔ انسان اور انسانی زندگی کے دکھ درد، سماجی اور معاشی مسائل کی ترجمانی کی جانے لگی، اردو شاعری میں ترقی پسند خیالات اور رجحانات کی ترجمانی کی جانے لگی۔ غفور انیس اسی دور کے پروردہ ہیں وہ بھلا کیونکر ترقی پسند تحریک

کے اثرات سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ اسی لیے وہ شولا پور کے نمائندے بن کر  
ترقی پسند تحریک کی کل ہند کانفرنس میں شریک ہوئے۔ وہ اس تحریک کے علم  
برداروں سے متاثر تھے۔ ان کے کلام میں ترقی پسند رجحانات واضح اور صاف  
طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ”دشتِ جنوں“ کی شاعری میں ان ہی موضوعات  
سے متعلق غفورا نیس نے اپنے مخصوص زاویہ نگاہ کی ترجمانی کی ہے۔<sup>۴۹</sup>

موصوف نے آگے ”دشتِ جنوں“ کی شاعری کے بارے میں اپنے زرین خیالات کا اظہار کرتے ہوئے انیس کو  
ایک ایسا شاعر ظاہر کیا جس نے شولا پور کا نام اپنی شاعری کے ذریعے اردو دنیا میں روشن کر دیا۔ اور راقم الحروف کا ناچیز خیال بھی  
یہی ہے کہ غفورا نیس نے ترقی پسند حلقوں میں رہ کر اپنی شاعری کو نکھارا سنوارا اور شولا پور سے باہر جوان کی زندگی گزری خاص  
طور پر بمبئی میں ان کو جو ماحول ملا اور حیدر آباد کے ادبی حلقوں سے وہ جو قریب رہے اس کا فائدہ انھیں یہ ہوا کہ انھیں خصوصی  
ادبی محفلوں میں کلام سنانے کے مواقع نصیب ہوئے اور آل انڈیا مشاعروں میں بھی وہ شرکت کر سکے۔  
پروفیسر جلیل نے اپنے اسی مضمون میں غفورا نیس کی شاعری کے بارے میں صاف اور شفاف رائے پیش کی ہے۔ ملا  
حظہ فرمائیں۔

”انیس کے اشعار ہمارے دلوں میں امید کے چراغ روشن کرتے ہیں وہ  
ہمارے حوصلوں کو بڑھاتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں زندگی کی نئی امنگ پیدا  
کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں ناسازگار حالات میں مسکرانے  
اور جینے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔  
زمانے کو جینا سکھاتا چلا چل      ترانے مسرت کے گاتا چلا چل  
نہیں شیوہ مردوں کا آنسو بہانا      مصائب کو ٹھوکر لگاتا چلا چل  
زمین آزماں کی حقیقت ہی کیا ہے      نئی کائناتیں بساتا چلا چل  
نیا عزم مردہ دلوں کو عطا کر  
نئی عظمتوں کو جگاتا چلا چل

اردو نثر میں استاد محترم کا کل سرمایہ اتنا ہی ہے۔ آپ میں تحریر کی بے پناہ صلاحیتیں تھیں لیکن آپ نے اس کو بروے  
کار نہ لایا۔ اپنے طلبہ کی سہولت کے لیے نوٹس بنانے میں اپنی صلاحیتیں صرف کر دیں۔ اگر ان کے یہ تمام نوٹس جمع کر کے شائع

کئے جائیں تو ادب کے طالب علموں اور اساتذہ کو بہت فائدہ حاصل ہوگا آپ کی یہ تحریریں اس لائق بھی ہیں کہ انھیں ترتیب دے کر شائع کیا جائے۔

### بشیر پرواز کی نثر نگاری

بشیر پرواز کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، کیونکہ وہ درس و تدریس کی علمی دنیا اور ادب کے میدان میں بہت ہی فعال ہیں۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف شولا پور والے ہی نہیں بیرون شولا پور کے ادبی حلقے بھی کرتے ہیں۔ پرواز صاحب نے شولا پور کے ادبی کو فروغ دینے کے لیے بہت کچھ کیا۔ شہر کے سماجی کاموں میں بھی آپ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ شولا پور کے مشہور شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہاں ان کی شاگردوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ ادبی محفلیں بھی سجاتے ہیں اور شعری نشستیں اور مشاعرے بھی کرواتے ہیں۔ شاعری کے علاوہ نثر سے بھی شغف ہے۔ ان کی نثری تخلیقات زیادہ شائع نہیں ہو پائی ہیں۔ خال خال ہی ان کے مقالے پڑھنے کو ملتے ہیں۔ کچھ شعراء حضرات کو کتابوں پر انھوں نے مقدمے اور دیباچے تحریر کیے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

☆ محبوب جامی۔۔۔۔ ایک تعارف:

مشہور شاعر محبوب جامی کے مجموعہ کلام ”صبح غزل“ کے لیے بشیر پرواز نے ایک مضمون تحریر کیا تھا۔ ”محبوب جامی۔۔۔۔ ایک تعارف“ اس میں انھوں نے محبوب جامی کا تعارف سلیقے سے کروایا ہے اور شاعر کے فن پر بھی بات کی ہے اور منتخب اشعار بھی پیش کیے ہیں۔ پرواز صاحب کی نثر بہت دلکش اور پر معنی ہوتی ہے۔ جیسے جامی کے دو شعر نموناً پیش کرنے کے لیے انھوں نے ایک جملہ لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، جملہ اور شعر۔

”محبوب جامی کی غزلوں میں اپنے عہد کا کرب زریں لہر بن کر اپنا اثر دکھاتا

ہے۔

میں نے اوروں کے گھروں پر پھینک دیں چنگاریاں

کیا خبر تھی آگ کی زد میں میرا گھر آئے گا

گھر میں فاقہ ہے مگر اس آس میں خوش ہیں سبھی

وہ سمندر پار سے خوشحالی لے کر آئے گا“

۵۰

مندرجہ بالا اقتباس کا ایک جملہ اور دلیل کے طور پر پیش کیے گئے دونوں اشعار اثر پیدا کرتے ہیں۔ اس سے لکھنے والے کی ذہنیت، نیت اور موضوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس تعارفی مضمون میں پرواز صاحب راقم طراز ہیں۔

”صبح غزل“ محبوب جاتی کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ اس مجموعہ کلام کے نام ہی میں دو اعلانات پوشیدہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ محبوب جاتی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ اور دوسرا مجموعہ کے خالق کا اعتراف کہ ابھی غزل کی صبح ہوئی ہے دوپہر باقی ہے یہ اعتراف فن کار کے فن کے زندہ مستقبل کے لیے نیک فعال ہے۔“

۵۱

محبوب جاتی کی شاعری پر بات کرتے کرتے دو شعر کا حوالہ دینا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ان کی تحریر ملاحظہ فرمائیں اور شعر بھی۔

”محبوب جاتی کی شاعری روایت سے وابستہ روحانی مزاج کی شاعر ہے۔ روایتی غزلوں کی ہر خوبی ان کی غزلوں میں پائی جاتی ہے۔ احساسات اور نازک جذبات کی ترجمانی، اظہار کی تازگی اور غنائی حسن جاتی کی غزلوں کی پہچان ہے وہ چونکا تے کم ہیں اور آسودگی زیادہ دیتے ہیں۔ پھول کے بوجھ سے اس طرح جھکی ہے ڈالی تم نے آہستی سے تسلیم کیا ہو جیسے !

تیرے دیوانے کو تکتے ہیں تیرے شہر  
اس کے چہرے پہ ترانہ لکھا ہو جیسے

۵۲

مندرجہ بالا اقتباس کا حوالہ پرواز صاحب کی لکھی ہوئی سطروں کے بعد کتنا اچھا لگتا ہے۔ یہ نثر کی خوبی ہے جو شعر تک آکر شیر و شکر ہو جاتی ہے۔ اور پڑھنے والے کو لطف سے آشنا کرتی ہے۔

اس مضمون کا اختتام پرواز صاحب کی نثر کے چند لفظوں اور جاتی کے ایک شعر سے ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”مجھے یقین ہے کہ جاتی کا تخلیقی عمل اپنی شعریت کی خوشبو اور نغمگی کے دھنگ رنگ سے اپنے قاری کے دل کے تاروں کو تادیر مرعش رکھے گا۔



ہم جو مٹ جائیں گے جاتی تو یقین ہے یہ بھی  
لفظ حق بن کے کتابوں میں ابھر آئیں گے

۵۳

☆ معصوم قلندر:

(الحاج حافظ اکبر علی عباد اللہ شاہ قادری قدیری)

الحاج حافظ اکبر علی کی شخصیت کا تعارف کرتے ہوئے بشیر پرواز نے لفظوں میں ان کے متحرک سراپے کی متحرک تصویر پیش کر دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”جنگ نامہ کی محفل میں، محرم کے جلسے جلوس میں، میلاد کی مجلسوں میں  
مشاعروں اور ادبی نشستوں میں، احباب کے جھمرے میں یا پیدل آتے  
جاتے شولا پور کے لوگ ایک معصوم نورانی صورت دیکھتے ہیں تو بے ساختہ  
انہیں مشائخ متقدمین، بزرگانِ سلف کی یاد آتی ہے۔ لوگ بزرگانِ دین کے  
ساتھ روحانی رشتہ کی بنا پر اس معصوم صورت سے بڑی تعظیم محبت سے پیش  
آتے ہیں اور حسبِ توفیق خدمت بھی کرتے ہیں۔ یہ نورانی صورت اکبر حافظ  
کی ہے۔۔۔۔۔ پست قد، سانولی رنگت، نحیف جسم، جھل آنکھیں، شرعی  
داڑھی، کندھے قدرے جھکے ہوئے، سفید کرتا، سفید ڈھیلا پانچامہ، سر پر دبی  
ہوئی ٹوپی، گلے میں سبز رنگ دوشالہ، کبھی کبھی گہرے رنگ کی شیر وانی اور سبز  
رنگ کا عمامہ۔ یہ ہیں شولا پور والوں کے سب کے اپنے اکبر حافظ صاحب،  
آپ کا خاندانی نام اکبر علی محمد علی دونی بیجا پورے ہے۔ خلافت عطا ہونے کے  
بعد آپ الحاج حافظ اکبر علی عباد اللہ شاہ قادری قدیری بن گئے۔ عبادت و  
ریاضت میں آپ کے جمال کے، خطابت میں آپ کے جلال کے اور روحانی  
طبیب کے روپ میں آپ کے کمال کے اہل شولا پور معترف ہیں۔“ ۵۴

☆ شاعر حیات۔۔۔۔۔ غفور انیس:

بشیر پرواز نے غفور انیس کی کتاب دشتِ جنوں کا بھی پیش لفظ لکھا۔ غفور انیس مرحوم پیدا تو شولا پور میں ہوئے تھے

لیکن ان کے ادبی ذوق کی تربیت و آبیاری اردو کے مراکز حیدر آباد، ناگپور اور ممبئی میں ہوئی۔ غفور انیس ترقی پسند شاعر اور جر نلسٹ تھے۔ صحافت انھوں نے انگریزی میں کی اور خوب نام بھی کمایا۔ وہ زیادہ تر شولا پور سے باہر ہی رہے لیکن شولا پور اور شولا پور والوں سے پیار میں کمی نہ آنے دی۔ یہی وجہ ہے کہ برسوں کے بعد یہاں کے لوگ انھیں خلوص سے یاد بھی کرتے ہیں۔ پرواز صاحب انیس کی ترقی پسندی کے متعلق لکھتے ہیں۔

”انیس کی شاعری کا زمانہ ترقی پسندی کے عروج کا زمانہ تھا۔ ترقی پسند تحریک یہ فکر و نظر کی ایک خاص جہت ہے جو معاشرے میں موجود برائیوں کے خلاف احتجاج اور اصلاح حال کی دعوت دیتی ہے۔ بھلائی کی طلب اس کا مسلک اور انسان دوستی اس کا لازمہ ہے۔ یہ فکر اردو ادب کے لیے نئی چیز تھی۔ اس نئی چیز کے اشتیاق میں ہر قابل ذکر شاعر اور مصنف اس تحریک میں شامل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ایسے ماحول میں غفور انیس کا اس تحریک سے متاثر ہونا تو اچھے کی بات نہیں اور ممکن ہے کہ ان حالات میں ان کا پسندیدہ فلسفہ حیات مارکسزم رہا ہو۔“

۵۵

اسی مضمون میں پرواز صاحب انیس غفور کی شاعری کی وکالت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”انیس نے اپنے دور کی زندگی کو جیسا دیکھا، جیسا پایا و جیسا ہی پیش کیا طبقاتی عصبیت، سماجی نا انصافی، سرمایہ داری کے جبر میں کچلے ہوئے مظلوموں، محروموں، بھوک اور افلاس کے ماروں پر انیس کا دل خون کے آنسو بہاتا ہے۔ ان کے احساسات شدید ہو جاتے ہیں۔ نظم ”خواب پریشاں“ میں ان کے احساسات کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

خنداں ہیں اہل علم پر جہلائے مقتدر  
اہل ہنر ہیں بے سروسامان ابھی تلک  
آباد ہیں ملوں میں ابھی بھوک مفلسی  
خٹو ووبائیں کھیت میں مہماں ابھی تلک

جنگ وجدل سیاست ظلم و ستم کا راج  
انسانیت ہے خون میں غلطاں ابھی تک

وہ زندگی کہ جس کا تمنائی تھا وطن  
وہ زندگی ہے خواب پریشاں ابھی تک

۵۶

پرواز صاحب چونکہ بنیادی طور پر شاعر ہیں اور شعری تاریخ پر بھی ان کی نظر ہے۔ اس لیے ان کی رائے کی اہمیت ہے۔ انیس صاحب کی شاعری کے بارے میں ان کی رائے ملاحظہ ہو۔

”القصہ غفور انیس صاحب شاعر حیات ہیں۔ جن کی شاعری صرف حیات بخش  
ہی نہیں حیات نما بھی ہے۔ یہ مجموعہ کلام ان کے ادبی مقام کے تعین میں

معاونت کر سکتا ہے۔“ ۵۷

☆ رفیع نواز کا کلام تنقید کا نہیں تحسین کا مستحق ہے:

بشیر پرواز نے شولا پور کے ایک مشہور شاعر رفیع نواز کے پہلے مجموعہ کلام ”ارتکا ز خیال“ کا پیش لفظ لکھا ہے۔ اس تحریر میں بھی پرواز صاحب نے وہی طریقہ اپنایا ہے کہ شاعر کا اختصار میں شخصی تعارف اور بہتر کلام کی نشاندہی، تحسین اور منتخب اشعار اور مدلل رائے۔ ملاحظہ فرمائیں ایک اقتباس۔

”ارتکا ز خیال، کے مطالعہ سے سوچوں کو سمت ملتی ہے کہ تخلیقی جوہر کی نشوونما  
کے لیے فارغ البالی اور اعلیٰ تعلیم ضروری نہیں۔ ”ارتکا ز خیال“ میں رسمی اشعار  
کے باوجود اچھے اشعار کی موجودگی سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے اچھے  
اشعار فکر و احساس کے گونا گوں کیفیات کے حامل ہیں۔ مثلاً۔

اٹھائے ہاتھ تجھے تک رہا ہوں حسرت سے  
مری مراد کے دامن میں کچھ تو ڈال بھی دے

میری یادوں میں روزِ مہکے ہے  
تیرا چہرہ گلاب کی صورت

نا کام ہوئی روشنی سورج کے نگر میں  
باقی ہے ابھی تیرگی سورج کے نگر میں  
نواز کی شاعری میں قدیم اور جدید اقدار کا احترام ملتا ہے۔ آپ نے روایت  
اور جدیدیت دونوں کے صحت مندرجہ جانات سے اکتساب کیا ہے۔“ ۵۸

☆ حبیب شوق۔۔۔۔۔ رنگ و آہنگ کا محسوس شاعر:

حبیب شوق کے مجموعہ کلام ”متاعِ سخن“ کا دیباچہ بشیر پرواز نے لکھا ہے۔ انھیں مختلف شاعروں کے مجموعہ ہائے  
کلام پر دیباچے، مقدمے یا پیش لفظ لکھنے پر قدرت حاصل ہے۔ شاعر کی زندگی اور شاعری کے رنگوں کا انتخاب کرنا، اشعار کے  
اندر چھپے جذبات و خیالات کو پرکھ کر سمجھ کر سامعین کو سمجھانا کوئی آسان کام نہیں لیکن پرواز صاحب کے پاس یہ کام آسان بن  
جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ کچھ مختلف طریقے سے لکھتے ہیں۔ جیسے حبیب شوق کے مجموعہ کلام پر پرواز صاحب کچھ اس طرح رقم طراز  
ہیں۔

”حبیب شوق کی شاعری کے تجزیے اور تحلیل سے ان کی شاعری تک پہنچنے سے  
قبل ذرا اس خط پر سوچیں کہ یہ شاعری کیا ہے؟ شاعری کی میسوں تعریفوں  
میں سے سب سے زیادہ سلیس اور جامع تعریف کولرج کی ہے۔ کولرج کے  
مطابق ”شاعری بہترین الفاظ ہیں، بہترین ترتیب میں“۔ یہاں خیال کی  
گہرائی، احساس کی گہرائی، تخیل کی بلندی کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اس سے بظاہر  
کولرج کی بات بے تکی لگتی ہے۔ فرانس کے دو شاعر ڈیکس اور ملارمے آپس  
میں گفتگو کر رہے تھے۔ ڈیکس نے ملارمے سے پوچھا کہ: ”میں کیا کروں میرا  
تخیل شاعرانہ خیالات سے لبریز ہے اس کے باوجود شاعری نازل نہیں ہو رہی  
ہے۔“ ملارمے نے جواب دیا ”میرے پیارے ڈیکس شاعری خیالات سے

نہیں الفاظ سے لکھی جاتی ہے۔ اور ٹی لیس ایلپیٹ نے بھی کولرج کی تعریف پر  
مہر لگادی اور کہا: ”شاعری عمدہ ترین ترتیب اور بحر ہے، کولرج، ملارے اور  
ایلپیٹ یہ تینوں عالمی سطح کے نقاد ہیں۔ یہ بے تکی بات کر ہی نہیں سکتے۔“

۵۹

مندرجہ بالا اقتباس کا تعلق شاعری سے ہے۔ حبیب شوق کے اس مجموعے سے ہیں لیکن یہ مجموعہ شاعری کا ہے اس  
لیے ربط ضرور ہے۔ ایسی کئی باتیں پرواز صاحب کسی پر بھی لکھتے ہوئے اگر ضروری سمجھیں تو درج کر لیتے ہیں۔ یہ قاری کی  
معلومات میں اضافہ کا ہی باعث ہے۔ اس مضمون میں غیر ملکی یا عالمی شہرت یافتہ نقادوں کی آراء اور ایک نتیجے پر پہنچنا کہ  
”شاعری بہترین الفاظ کے بہترین ترتیب کا نام ہے“ والی بات انھیں حبیب شوق کے کلام میں بھی نظر آئی اس لیے وہ مثالیں  
پیش کی گئیں۔ اسی خیال کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اس تعریف کے پس منظر میں حبیب شوق کی شاعری کا تجزیہ کریں تو یہ  
حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔ حبیب شوق بہت حد تک لفظوں کو برتنے کا ہنر  
جانتے ہیں۔ لفظوں کے صحیح اور بر محل استعمال سے ان شعروں میں کتنی تاثیر پیدا  
ہو گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بلندی کو رہ رہ کے تکتا ہے وہ  
پرندہ جو اڑنے سے معذور ہے

۶۰

اپنی بات منوانے کے لیے مندرجہ بالا شعر کی تعریف پرواز صاحب اس طرح کرتے ہیں کہ وہ کتنا پر زور شعر ہے۔  
اپنے لفظوں کے استعمال اور ترتیب سے شعر رک رک کر بڑھ رہا ہے۔ ایک ایک لفظ پر زور انداز سے ادا ہو رہا ہے۔ شعر کی  
کیفیت اور خیال کے تقاضوں کے مطابق الفاظ اپنا کام کر رہے ہیں۔ اب ایک شعر دیکھئے۔

دیر تک چارہ گرد کھتا رہ گیا  
میرا زخم، جگر دیکھتا رہ گیا

کتنا رواں شعر ہے اور کتنے سادے الفاظ سے بنا ہے لفظوں کی ترتیب سے جو

روانی پیدا ہوئی ہے اسی روانی نے اسے شعر بنایا۔“ ۶۱

اپنی بات منوانے میں پرواز صاحب کامیاب ہیں اور وہ حبیب شوق کو اچھا غزل گو شاعر تسلیم کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

”حبیب شوق نے شاعری کی بسم اللہ غزل سے کی اور اپنے شعری سفر کے پہلے پڑاوتک (پہلے مجموعہ کلام تک) بری ایمانداری کے ساتھ غزل سے وفاداری نبھاتے رہے ہیں۔ اس کے بعد اس صراحت کی قطعی ضرورت نہیں رہی کہ حبیب شوق بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔“ ۶۲

پرواز صاحب نے حبیب شوق کے کلام پر بہت ہی خلوص سے لکھا ہے اور شوق صاحب کے کلام کو بغور پڑھا اور غور کیا ہے۔ شولا پور میں پرواز صاحب ہی ہیں جو یہاں کے شعرائے کرام کے کلام پر لکھتے بھی ہیں اور یہ چاہتے بھی ہیں کہ اس شہر کے شعراء میدانِ ادب میں نام پیدا کریں۔ جس فراخ دلی سے یہاں کے شعراء کی خوبیوں کو پرواز صاحب سراہتے ہیں۔ یہ ان کی ادبی دیانتداری کا ثبوت ہے۔ اور پھر وہ خود جب صاحب عروض شاعر ہیں تو ان کی رائے مستند مانی جانی چاہیے۔ اس مضمون میں شوق صاحب کی شاعری کے ایک اہم پہلو کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے اور انھیں تعجب ہے کہ یہ ایسا کیوں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ایک اقتباس ے

”کہا جاتا ہے کہ شاعری شاعر کے ماحول کا عکس ہوتی ہے لیکن حبیب شوق کی شاعری اور ان کی زندگی کے کوائف میں بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔ شوق کی شاعری رنگین ہے، حسین ہے، مخمور ہے جبکہ شوق نے جو زندگی جھیلی ہے وہ ایک مزدور کی زندگی ہے ان کے کلام میں مزدوروں والی بات ہی نہیں ہے ایسا کیوں ہوا؟ یا ایسا کیوں ہوتا ہے!“ ۶۳

”حبیب شوق کی شاعری میں پرواز صاحب نے جو سوال پیدا کیا ہے اس کا جواب ڈھونڈتے ہوئے جس نتیجے پر وہ پہنچے ہیں وہ یہ ہے۔ حبیب شوق کی شاعری میں دل کے تاروں کو مرتعش کرنے کی بھرپور سکت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اردو دنیا اس مجموعہ کی ضرور پذیرائی ہوگی۔“ ۶۴

☆ سید عارف نعمانی ”حرف آگہی“ کہ آئینے میں (عصری حسیت کا شاعر):

اس مضمون میں بھی بشیر پرواز اپنے مخصوص اسلوب نگاری کی جولانیاں لئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تعریف و تحسین میں فراخ دلی اور خلوص اس مضمون میں بھی ہے اور یہ مضمون بھی شخصیت کے اوصاف کے ذکر سے شروع ہوا ہے ملاحظہ فرمائیں ایک اقتباس ے

”حضرت سید عارف نعمانی ایک پاک طبیعت، شریف النفس، سادگی اور

متانت کے پیکر، معصوم درویش ہیں۔ رنگ و روپ کی طرح خیالات،  
 رجحانات اور شرافت بھی ورثے میں ملی ہے۔ آپ ادنیٰ شریف کے اس  
 سادات خاندان کے چشم و چراغ ہیں جن کے بزرگ نے علم و عرفان کے نور کو  
 زمانے میں پھیلاتے رہے رشد و ہدایات کے منصب پر فائز ہو کر روحانیت  
 سے دنیا کو فیض پہنچاتے رہے، سادگی اور صداقت ان کی شخصی اور شعری مزاج  
 کے اساسی پہلو ہیں اور ان کی جڑیں اس کے ماحول اور ورثے میں تلاش کی  
 جاسکتی ہیں۔

”زیب دیتا ہے انھیں جس قدر اچھا کہئے“

۶۵

عارف صاحب کے بارے میں پرواز صاحب کے الفاظ جن مضمون کو ظاہر کرتے ہیں وہ اپنے آپ میں گہرائی لئے  
 ہوئے ہیں۔ شاعر کی شخصیت کے شفاف گوشے ان کی اس نثر سے اجاگر ہوتے ہیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاعر کا مقام و مرتبہ کیا  
 ہے اور وہ کس مرتبہ اور کس خاندان کا ہے۔ کردار اور خیالات میں یکسانیت شاعر کے فن کا حصہ بن جاتی ہے پرواز صاحب  
 نے ”حرفِ آگہی“ کے مطالعہ کے بعد محسوس کیا کہ۔

”عارف صاحب نے جمالیاتی احساس کو آبروئے غزل سمجھ کر اختیار کیا ہے  
 ”تخن بہ محبوب گفتن“ والا انداز دیکھئے۔

دیوانگی کی آگ میں جل جل کے رات بھر  
 عارف پکھل رہا ہے یہ کس بت کی یاد میں

لوٹ آیا جب تلک میں  
 تو کس کا ہو چکا تھا

جن کے غم کو دل بنا کر ہم نے رکھا عمر بھر  
 بات کیا ہے آج وہ ملنے سے کترائے بہت

۶۶

پرواز صاحب نے اس مختصر مضمون میں عارف صاحب کی شاعری کے کئی پہلوؤں پر بات کی ہے۔ کم لفظوں میں ہر پہلو پر بھرپور بات ہے یہ پرواز صاحب کی نثر کا کمال ہے مثال کے لئے کئی باتیں کئی شعر ہیں لیکن یہاں صرف ایک سطر اور ایک شعر پر بات ختم کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”آپ کی شاعری میں عصری حیثیت کے نقوش بھی ملتے ہیں۔ جس ماحول میں رہ کر زندگی جھیل رہے ہیں اس ماحول کے شانہ بہ شانہ رہ کر شاعری کی ہے۔ کرب کو محسوس کیا ہے۔

آنکھ کے جام نہ زلفوں کی گھٹا مانگے ہیں  
آج بس آدمی جینے کی ادا مانگے ہیں

۶۷

☆ تنقید اور ادب کا رشتہ:

بشیر پرواز نے کئی اردو کانفرنسوں میں شرکت کی ہے اور ادب کے کئی موضوعات پر تقریریں بھی کی ہیں اور مقالے بھی پڑھے ہیں لیکن تقریروں کا اور مقالوں کا ریکارڈ محفوظ نہیں ہے وہ مقالے جو شائع ہو گئے وہی اخبارات اور رسائل میں محفوظ رہ گئے۔ اسی طرح بشیر پرواز کا ایک ”مقالہ تنقید اور ادب کا رشتہ“ جو انھوں نے جشنِ غفور انیس میں منعقدہ اردو کانفرنس ۳ اکتوبر ۲۰۰۴ء بمقام سوشل کالج ہوال میں پڑھا تھا وہ جشنِ غفور انیس (روداد مع تصاویر) نامی کتاب میں شائع ہوا۔ چار صفحات پر مشتمل یہ مقالہ تنقید کے موضوع پر بہت ہی اہم اس لئے ہے کہ اس میں بڑی سلیتگی کے ساتھ تنقید کے بنیادی اصول بتائے گئے ہیں اور نثر کی خوبی یہ کہ سلیس زبان میں اردو ادبی تنقید کیا ہے اچھی طرح سے سمجھایا گیا ہے۔ مغربی نقادوں کے مضامین کے اقتباسات بھی دئے گئے ہیں۔ جو ادب کے طالب علموں کے لئے فیض حاصل کرنے کی تحریر ہے اس مقالے سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”تنقید کی جتنی اہمیت زندگی میں ہے اتنی ہی ادب میں بھی ہے کیونکہ زندگی کے بغیر ادب کا وجود ناممکن ہے۔ زندگی اور ادب کا رشتہ اٹوٹ رشتہ ہے ادب زندگی سے ہی جنم لیتا ہے اور زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ ادب کی دنیا میں تنقید کا شہرہ بہت زیادہ ہے بلکہ اسے خالص ادب کے لفظ سمجھا جاتا ہے اور جہاں بھی تنقید کا لفظ استعمال ہوا اس سے مراد ادبی تنقید ہی لیا گیا۔ تنقید اور



ادبی تنقید میں فرق ہے۔ تنقید کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو سکتا ہے۔  
 لیکن ادبی تنقید کا تعلق صرف ادب سے ہے۔ ادبی تنقید کا بنیادی مطلب کسی  
 ادبی فن پارے کا ہمہ گیر جائزہ لینا ہے۔ ادبی تنقید کی تعریفیں مختلف زمانوں  
 میں مختلف کی گئی ہیں۔“ ۶۸

بشیر پرواز نے ادب کی تنقید پر کئی زاویوں سے سوچا ہے اور تنقید کو ادب کے لیے اہم جانا ہے۔ عالمی تنقید نگاروں کے  
 حوالے دے کر بھی دیگر سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ پرواز صاحب کا خیال ہے کہ ادب فہمی کے لئے بھی تنقیدی شعور کا ہونا قاری  
 کے لیے ضروری ہے۔ اسی مقالے سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”ادب فہمی میں بھی تنقید کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ہر پڑھا لکھا آدمی غالب کو  
 مکمل طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ غالب کو سمجھنے کے لیے ان کے کلام سے لطف اندوز  
 ہونے کے لیے تنقیدی صلاحیتوں کی ضرورت ہوگی یا نہیں تو دوسروں کی مدد  
 سے یہ مرحلہ سر ہو سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں تنقید کی ضرورت محسوس ہوگی۔  
 مختصر یہ ہے کہ ادب کی دنیا میں تنقید کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں۔“ ۶۹

بشیر پرواز نے ادب فہمی کے لیے بھی تنقید کو ضروری خیال کیا ہے۔ ان کی بات اپنی جگہ اٹل اور درست ہے کہ قاری میں  
 تنقیدی شعور ہوگا تو ہی وہ تخلیق کا جائزہ لے سکے گا۔ کئی زاویوں سے سوچ سمجھ کر نتائج اخذ کر سکے گا۔ پرواز صاحب نے اس  
 مقالے کے آخر میں ادبی تنقید کے سلسلے میں اپنی رائے پیش کی ہے۔ ملاحظہ  
 فرمائیں۔

”عظیم تخلیقی کارنامے بغیر اچھے تنقیدی شعور کو اجود میں نہیں آسکتے۔ تنقیدی  
 شعور کی رہبری تخلیقی جوہر کے لیے اشد ضروری ہے ورنہ گمراہ ہو جائیں گے۔  
 بقائے ادب اور ارتقائے ادب دونوں میں تنقید کا کلیدی رول ہوتا ہے۔ تنقید  
 جذبات کی تربیت کرتی ہے اور اسے فکر کی روشنی دیتی ہے اور ادب کو اسی روشنی  
 کی ضرورت ہوتی ہے۔ تنقید اور ادب کا رشتہ اختلاف کا نہیں اشتراک کا ہے۔  
 تنقید ادب کی راہوں کو آسان بناتی ہے۔ اس پر چراغ جلاتی ہے اور لطف کی  
 بات یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ چلتی ہے۔“ ۷۰

پرواز صاحب میں لکھنے کی بے پناہ صلاحیت ہے لیکن آپ سنجیدگی سے اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ کسی کے کہنے پر

یا کسی کی کتاب کی اشاعت پر آپ مضامین لکھتے ہیں۔ اگر ادب کے موضوعات پر توجہ دے کر آپ مضامین لکھنے لگیں تو شولا پور کی نشر میں اچھی تحریروں کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ راقم الحروف کی رائے ہے کہ ان کے ان تمام مضامین کو ترتیب دے کر شائع کیا جا سکتا ہے۔

### اعجاز نبی کارگیر کی نثر نگاری

اعجاز نبی کارگیر درس و تدریس کی اور شعر و ادب کی دنیا میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ ان کی ادبی صلاحیتوں کے بھی لوگ قائل ہیں۔ بحیثیت انسان لوگ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بحیثیت استاد انھوں نے اپنے کئی شاگردوں کی رہبری کی ہے۔ ادب کی خدمت ان کے لیے باعث تسکین ہے۔ ”کلیاتِ درویش“ کے صفحہ نمبر ۱۰، پر انھوں نے حضرت محمد حنیف درویش کا تعارف ایک صفحہ میں لکھا ہے۔ اقتباس پیش ہے۔

”حضرت محمد حنیف درویش ہمارے شہر شولا پور (مہاراشٹر) کے بزرگ ترین شاعر ہیں۔ عمر شریف کے ۶۵ ویں سال میں آپ کا دیوان ”دیوانِ درویش“ کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔ اس طرح آپ شہر شولا پور کی سرزمین پر پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہوئے۔ اس کے بعد مجموعہ ”درویش، تحفہ سلام، تصوف درویش، رنگِ درویش، چھٹا مجموعہ ۷۷ سال کی عمر میں ”تجلیاتِ درویش“ کے نام سے ظاہر ہوا۔ آپ شولا پور کے کہنہ مشق شاعروں میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے آپ کے کلام میں رنگِ تغزل کے ساتھ رنگِ تصوف اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ جو قلب و زبان کو نورِ ایمان سے منور کر دیتا ہے۔ اس طرح درویش صاحب کے کلام کو اپنے معاصر شعراء کرام سے منفرد اور بلند مقام حاصل ہے۔“

☆ ”بارود کے پھول“ کا پیش لفظ:

”بارود کے پھول“ عبدالرزاق رند شولا پوری کا مجموعہ کلام ہے۔ اس کا پیش لفظ اعجاز نبی کارگیر نے لکھا ہے۔ اعجاز صاحب فن شاعری سے واقف ہی نہیں ماہر بھی ہیں۔ وہ اس لائق بھی ہیں کہ شعراء کو مشورے دے سکیں۔ مجموعہ چھپنے سے پہلے شاعر حضرات انہیں ایک نظر دیکھنے اور نوک و پلک سدھارنے کے لیے اپنے مجموعہ کا نسخہ ان کے حوالے کرتے ہیں اور اعجاز صاحب پوری توجہ سے مسودہ کا مطالعہ کرتے ہیں اور ضرورت پڑے اور کوئی فنی عیب نظر آئے تو درست فرماتے ہیں۔ رند صاحب نے ”اظہار تشکر“ کے تحت ان کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

”میں محترم المقام جناب اعجاز نبی کا ریگر کا از حد ممنون ہوں کہ انھوں نے میرے مجموعہ کلام کے نوک و پلک سنوارے اور مبسوط پیش لفظ لکھا۔“ ۷۲

”نقد و نظر“ عنوان کے تحت اعجاز صاحب نے رند شولا پوری کے مجموعہ کلام کا ”پیش لفظ“ چار صفحات میں لکھا ہے۔ اس میں ان کی نثر کی خوبیاں بھی نظر آتی ہیں اور فن شاعری اور شاعر کے کلام سے رغبت بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس پیش لفظ میں اعجاز صاحب نے شاعر کی خوبیوں کو واضح کرتے ہوئے نمونے کے طور پر اشعار بھی دیے ہیں۔ جس سے کہ ان کے حالات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس دیا چے سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

”جناب رند کے کلام کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی شاعری صرف غم دوراں کی شاعری نہیں ہے۔ اس میں غم جاناں بھی ہے اور غم ذات بھی، انھوں نے اپنے احساسات اور تجربات سے اپنی شاعری کا نگار خانہ سجایا ہے۔ خوش کلامی اچھی شاعری کا وصف خاص ہے اور یہ وصف خاص ہر غزل میں دکھائی دیتا ہے۔

”بارود کے پھول“ میں چند غزلیں ایسی بھی ہیں کہ جن کا ہر شعر مطلع سے مقطع تک ہم قافیہ ہے۔ اس شاعر کی اردو زبان پر دسترس اور قادی کلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ ”بارود کا پھول“ با ذوق قارئین کے لیے یقیناً ذوق کی تسکین فراہم کرے گا اور مجھے یقین ہے کہ ادبی حلقہ جناب رند کے لب و لہجے اور ان کے کلام کی تازگی اور اثر آفرینی کو سراہے گا اور داد و تحسین سے نوازے گا۔“

۷۳

اعجاز صاحب ایک صاحب طرز ادیب ہیں آپ نے بہت سے مضامین لکھے ہیں۔ آپ سے گفتگو کے بعد پتہ چلا کہ وہ ادبی رسالوں میں شائع بھی ہوئے۔ لیکن یہ راقم الحروف کی کم نصیبی ہے کہ وہ دستیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے اسی پر اکتفا کرنا راقم کی مجبوری ہے۔ ورنہ یہ صاحب فلم پڑھنے اور غور سے پڑھنے اور سبق حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ان کی شاعری کے متعلق بھی راقم کی یہی رائے ہے جو اس مقالے میں آچکی ہے۔ یہ شخصیت شولا پوری کی چندہ صاحب کمالوں میں سے ہے۔

پروفیسر ایم۔ اے رنگریز خلیل شولا پوری کی نثر

خلیل شولا پوری کا ایک مختصر مضمون ”مولانا ابوالکلام آزاد۔۔۔ ایک ہمہ گیر شخصیت“ دستیاب ہوا جو صرف دو صفحات پر مشتمل ہے۔ ان دو صفحات میں ہی پروفیسر صاحب نے مولانا کی ہمہ گیر شخصیت کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ نثر

سادہ اور دلنشین ہے۔ اندازِ بیان طالبانِ ادب کو سمجھانے والا ہے۔ موصوف اپنے مقصد یعنی مولانا کے بارے میں اہم معلومات قاری تک پہنچانے میں کامیاب ہیں۔ اس مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”دینی کتب کا مطالعہ اتنا وسیع اور گہرا تھا کہ وہ ایک زبردست عالمِ دین بن گئے، کئی دینی کتابیں لکھیں۔ اس راہ میں ان کا عظیم کارنامہ ”ترجمان القرآن“ ہے جو ناقیامت یادگار بنا رہے گا۔ جہدِ آزادی کے عظیم رہنماؤں میں مولانا آزاد صنفِ اول کے رہنماؤں کے امام بن گئے۔ سیاسی تحریک میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اخبار ”الہال“ اور ”البلاغ“ کے ذریعے ہندوستانیوں کے دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی، وہ ایک بیباک صحافی تھے اور میدانِ صحافت میں بھی انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ مولانا آزاد کا اندازِ تحریر بالکل نیا اور اچھوتا ہے۔ ان کی تحریر و تقریر میں خطیبانہ جوش و خروش اور عالمانہ وقار نظر آتا ہے۔ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کے علاوہ انھوں نے فرانسیسی اور جرمنی زبانیں بھی سیکھیں۔ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیرِ تعلیم بنائے گئے۔ جمعیتِ العلماء ہند کے بھی صدر بنائے گئے۔ انگریزوں کے خلاف جہدِ آزادی کے دوران جیل کی صعوبتیں بھی جھیلیں۔ مولانا آزاد کی نجی زندگی نہایت پاک اور صاف ستھری گذری۔“

۴۷

خلیل رنگریز مرحوم (تاریخ وفات ۱۱ مارچ ۱۹۶۱) ایک بہت اچھے انسان اور ایک شفیق استاد تھے۔ راقم الحروف کو آپ کی شاگردی نصیب ہوئی ہے۔ ان کی درس و تدریس کا انداز یہ تھا کہ جماعت میں گوگنا طالب علم بھی بول اٹھتا ہے۔ اس ضمن میں مجھے میرا نیس کا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔

جس بے زباں سے میں کروں بات، بول اٹھے

مجھ میں وہ کمال ہے کہ تصویر بول اٹھے

راقم الحروف میں آج جو بھی صلاحیتیں ہیں۔ اس میں آپ کی محبت شفقت شامل ہے۔ جسے راقم زندگی بھر یاد رکھے گا۔ اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔ عین ممکن ہے کہ آپ نے بہت کچھ لکھا ہو۔ راقم کی لاکھ کوششوں کے بعد آپ کی تحریریں اور آپ کا کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ اس ضمن میں راقم الحروف نے آپ کے فرزندوں سے ملاقات کی۔ مگر انھوں نے بھی آپ کی کوئی تحریر سنبھال کر نہیں رکھی۔ راقم کا خیال ہے کہ آپ کی تحریروں کے ضائع ہونے سے

شولا پور کے اردو ادب کو کافی نقصان ہوا ہے۔

### الیاس احمد الیاس کی نثر

الیاس احمد الیاس نے عمر سلیمان باور صاحب پر ایک تعارفی مضمون لکھا ہے جو باور صاحب کے بارے میں کافی معلومات فراہم کرتا ہے۔ یہ مضمون صرف دو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پر کچھ اظہار خیال کرنے سے بہتر ہے کہ اس مضمون کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے ملاحظہ فرمائیں۔

”باور صاحب نے ہر صنفِ شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ عوام میں بے حد مقبول ہیں۔ آپ کے گیت، غزلیں، قوالیاں محفل کو زعفران زار بنا دیتی ہیں۔ شولا پور کے قوالوں نے آپ کے کلام کو بہت گایا اور ریڈیو پر بھی نشر کیا۔ محفلِ سماع میں آپ کا کلام ہرے ذوق سے سنا اور پرہا جاتا ہے۔ عوام آپ کے اشعار گنگناتی ہے۔ بس یہی ان کے اچھے شاعر ہونے کی ایک پختہ دلیل ہے۔ باور صاحب مراٹھی کے طالب علم ہونے کے باوجود اردو کے ایک اچھے شاعر کہلائے گئے۔ یہ ان کے لیے باعثِ افتخار بات ہے۔ اور ان کی یہ اردو خدمت قابلِ ستائش ہے۔“

۷۵

”اپنے مجموعہ کلام پر الیاس صاحب نے اپنا تعارف خود کروایا ہے اور اپنی شاعری کے بارے میں کسی سے دیباچہ، مقدمہ وغیرہ لکھوانا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ ان کی خود اعتمادی کی دلیل ہے اور انھوں نے جو کچھ اپنے بارے میں اپنی شاعری کے بارے میں لکھا ہے وہ ایک طرح کی جرأت اور انکساری ہے جو کسی کسی کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ ان کی تحریر کے مطالعے سے ان کے اندازِ نگارش پر روشنی پڑتی ہے اور ان کے مضمون کے برتنے کا انداز دکھائی دیتا ہے۔ اب الیاس صاحب کی تحریر ملاحظہ فرمائیے۔“

”بچپن ہی سے میرا طبعی میلان شاعری کی طرف رہا ہے لڑکپن سے عہدِ شباب تک اس کے جنون میں کئی نشیب و فراز سے گزر اصراروں کی خاک چھانی۔ یہ میری بد نصیبی ہے کہ مجھے آج تک کسی استاد کی شاگردی کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ میری دلی تمنا تھی کہ مجھے حضرت قدیر شولا پوری کی شاگردی کا شرف حاصل ہو مگر کئی وجوہات کی بنا پر یہ ممکن نہ ہو سکا۔ میری حسرت، حسرت ہی رہی۔ میں استاد کی کمی کو مطالعے سے باٹنے کی کوشش کرتا رہا اور آج بھی اپنے

اس رویے پر برقرار ہوں۔ جن دانشوروں اور ادبی دوستوں نے اپنی مخلصانہ  
 رائے دے کر میری حوصلہ افزائی کی ہے میرے لیے ان کی آراء رہبری سے کم  
 نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے اور میرے قاری و ناقد کے درمیان  
 میرے کلام کی تفہیم کے لیے کوئی اور ذریعہ نہ ہو سکا، مجھے میرا پڑھنے والا برائے  
 راست مجھے سمجھے اور میرے قد کا تعین فرمائے۔ اسی لیے میں نے کسی سے پیش  
 لفظ نہیں لکھوایا۔“

۷۶

### ☆ متاعِ سخن پر الیاس شولا پوری کی تحریر:

الیاس شولا پوری شولا پور کے ادبی حلقوں میں مقبولیت کی حامل شخصیت ہیں۔ ان کی ہر دلعزیزی بھی مشہور ہے اور  
 سنبھلی ستھری رائے بھی۔ اس لیے احباب ان سے لکھانا چاہتے ہیں۔ حبیب احمد شوق کا مجموعہ کلام جب شائع ہونے کے  
 مراحل سے گزر رہا تھا شوق صاحب سے مجموعے کے لیے لکھنے کی فرمائش کی چنانچہ انھوں نے ”حرفِ چند“ کے عنوان سے چند  
 سطریں لکھی ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

کامیابی سچی لگن کی ضمانت ہوتی ہے اور یہ لگن حبیب احمد شوق میں بدرجہ اتم  
 موجود ہے۔ انھوں نے شعر و ادب کو اس کی غنائیت و نزاکت کے روپ میں  
 اختیار کیا ہے۔ اسی حوالے سے وہ جانے پہچانے جاتے ہیں۔ نئے لہجے میں نئے  
 بات کہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اسی تگ و دو میں وہ شروع سے جتے ہوئے ہیں۔ ان کے شعر عوام و  
 خواص دونوں سے داد حاصل کرتے ہیں۔ ویسے تو شوق خالص غزل کے شاعر  
 ہیں۔ غزل ایک ایسی صنفِ سخن ہے جو سرچڑھ کر بولتی ہے۔ اسے جادو کہا  
 جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

شوق کی کتاب ”متاعِ سخن“ ایسی ہی سحر انگیز غزلوں، نظموں اور  
 قطعات کا مجموعہ ہے۔ میرا دل کہا ہے کہ ادبی حلقے میں اس کی خاطر خواہ  
 پذیرائی ہوگی۔

میں یہ سب مردِ تانہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ میرے شاگرد ہیں۔ کلام  
 آپ کے سامنے ہے پڑھیے اور فیصلہ کیجیے۔

۷۷

الیاس شولا پوری کی نثر فطری ہے وہ جو اپنے دل میں ہوتا ہے صاف صاف لکھتے ہیں۔ ان کی نثر میں تکلف و تصنع نہیں

ہوتا ان کی نثر کو ہم فطری نثر کہہ سکتے ہیں۔

### عبدالرشید ارشد کی نثر

عبدالرشید ارشد شولا پور کی ادبی فضاء میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ انہیں نثر سے شغف ہے۔ کم مگر خوب لکھتے ہیں۔ محمد حنیف بے چین کی کتاب (مجموعہ کلام) میں انھوں نے شاعر کا تعارف پیش کیا ہے۔ بے چین صاحب کی تعلیم، تربیت اور زندگی کے بارے میں مختصر طور پر انھوں نے قارئین کے لیے معلومات فراہم کی ہیں۔ اس تعارف کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”بے چین صاحب شہر شولا پور کی ادبی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ بزم انجم کی تشکیل ہو کہ کاروانِ ادب کی تنظیم ہر جگہ آپ کی کوششیں قابلِ ذکر ہیں۔ شہر شولا پور میں ہونے والے اکثر مشاعرے، ادبی نشستیں آپ کے تعاون سے ہوتی رہتی ہیں۔ آپ ایک مشہور خوش گلو شاعر ہیں۔ ہر مشاعرے میں آپ کا ترنم سامعین کو محظوظ کرتا ہے۔ آپ نہایت مخلص اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک ہیں اسی لیے آپ کا حلقہ احباب وسیع ہے۔ امید ہے کہ زیرِ نظر مجموعہ کلام ”بال و پر“ آپ کو پسند آئے گا۔ توقع ہے کہ آپ کا پر خلوص تعاون نصیب ہوگا۔“

۷۸

### ☆ شولا پور کا ادبی پس منظر:

”دشتِ جنون“ نامی کتاب کے لیے عبدالرشید ارشد نے ”شولا پور کا ادبی پس منظر“ کے نام سے ایک مضمون لکھا ہے جو بہت ہی مختصر ہونے کے باوجود شولا پور کے ادبی پس منظر کو پیش کرتا ہے۔ زمانہ قدیم سے لے کر اب تک جو پس منظر ہے وہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ اس مختصر مضمون کا ایک پیرا گراف ملاحظہ فرمائیں اس سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔

”مرثیہ گوئی میں شولا پور کے شاعر مشہور تھے جن میں نادر استاد، مکر استاد، خواجہ استاد اکبر قاسم جیسے شاعر یہاں کے مقامی دکنی زبان میں شعر کہتے اور ان کے شعر محرم میں نہ صرف شولا پور بلکہ شولا پور کے اطراف کے تعلقے اکلکوٹ، برہانپور، میندرگی اور اس کے علاوہ بھیونڈی، احمد آباد بلکہ آج پاکستان میں بھی گائے جاتے ہیں۔ یہ دور ۱۹۱۰ء تک رہا۔ اس کے بعد ادبی شاعری کا دور شروع ہوا۔ اس میں بیگم پیٹھ کی دارالمطالعہ میں ایک ادبی مرکز قائم ہوا جس میں شعراء اور ادباء کی تربیت ہونے لگی اور ۱۹۲۸ء میں دارالمطالعہ کے نام سے

لابریری قائم ہوئی۔ ۱۹۶۴ء میں انجمن ترقی پسند کی شاخ قائم ہوئی۔ عبدالغنی کلیم اس کے صدر اور حکیم ناطق سکرپٹری تھے۔ اراکین میں ابراہیم نادر (پاکستان) عبدالغفور انیس، عبدالغفور خیر دی، محمد ایوب اور سید حسین عبداللہ شامل تھے۔ ان میں کچھ ادیب بنے اور ابراہیم نادر، عبدالغفور انیس اور غنی کلیم اچھے شاعر ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں ترقی پسند مصنفین کی کل ہند کانفرنس جو بھیونڈی میں منعقد ہوئی تھی اس میں شولا پور کی جانب سے عبدالغفور انیس، محمد ایوب اور حکیم ناطق اور دوسرے شاعروں کا کلام شامل تھا۔“

اس کے علاوہ نثر میں شولا پور کی تاریخ آپ کا موضوع خاص رہا ہے۔ شولا پور کی مسلمانوں کی تاریخ پر آپ نے تحقیقی مضامین لکھے ہیں۔ ان کے یہ مضامین ”آئینہ ایام“ شولا پور میں شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ ”شولا پور تاریخ کے آئینے میں“ بھی آپ کے کئی تحقیقی مضامین شامل ہیں۔ آپ کے مضامین اور تحریر کی سب سے بری خوبی یہ کہ آپ کی ہر تحریر معلومات سے پر ہوتی ہے۔ انداز بھی معلوماتی ہوتا ہے یہی ان کی نثر کا خاصہ ہے۔ راقم الحروف کی نظر میں یہ ایک مورخ بھی ہیں۔ انہیں شولا پور کی ایک مستقل تاریخ مرتب کرنی چاہیے۔ راقم الحروف کو اس بات کا اعتماد ہے کہ ارشد صاحب یہ کام بڑی حسن و خوبی سے کر سکتے ہیں۔

### ڈاکٹر غلام دستگیر کی نثر نگاری ”روشن چراغ“ کے آئینے میں

ڈاکٹر غلام دستگیر شولا پور کے تعلیمی اور ادبی حلقوں میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ موصوف مسلسل لکھتے اور چھپتے رہے ہیں۔ رسائل اور جرائد کے علاوہ اخبارات میں بھی ان کے ادبی، علمی اور تعلیمی موضوعات پر مضامین شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ شولا پور کے شعراء کی شخصیت اور ان کے فن پر کام کرنے کا سہرا ان کے سر جاتا ہے کہ انھوں نے شہر شولا پور کے روشن چراغ نام سے ایک کتاب لکھ کر ادبی کارنامہ انجام دیا ہے۔ ان کا یہ کام یادگار اور عمدہ ہے۔ اب جو بھی جب بھی شولا پور کے شعری ادب پر کام کرنا چاہے گا اس کو اس کتاب سے کافی مدد ملے گی۔ ڈاکٹر صاحب کا ذکر اسی مقالے میں مختلف مضامین اور کئی مواقع کے تحت حوالوں میں آیا ہے۔ اس لیے راقم الحروف ان کے بارے میں زیادہ کچھ نہ لکھتے ہوئے ان کی کتاب کے اصل مواد کا ذکر کرنا چاہے گا۔

”شہر شولا پور کے روشن چراغ ۱۴۵ صفحات پر مشتمل فردِ واحد کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ اس کتاب پر ان کے استاد محترم عبد الجلیل کا ایک مضمون ”گزارش احوال“ کے زیر عنوان شامل کیا گیا ہے۔ اور ”حرف چند“ کے تحت خود مصنف نے اظہار



خیال کیا ہے۔ اس میں ۲۴ شاعروں کے تذکرے ہیں جس میں پوری دیانتداری کے ساتھ شعراء کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ منتخب اشعار بھی پیش کیے گئے ہیں۔ اور پوری کوشش کی گئی ہے کہ شاعروں کی روزمرہ زندگی، پیشہ ان کے ماضی اور حال کی معلومات قاری کو دی جائیں۔ ڈاکٹر دستگیر اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر دستگیر کی نثر معیاری ہے زبان صاف شفاف اور دلنشین ہے رواں تحریر پڑھنے میں لطف دیتی ہے اور معلومات بھی فراہم کرتی ہے۔

راقم الحروف اب ان کی تحریر کی ایک جھلک پر اکتفا کرنا چاہے گا۔ ملاحظہ فرمائیں اقتباس۔

”یکتا عدنی کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وہ فیض احمد فیض سے کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ حالانکہ فیض کی شاعری کی ابتداء روایتی انداز سے ہوئی۔

اولین تخلیقات میں حسن و عشق کے موضوعات اور واردات قلبی روایتی انداز میں پیش کیے ہیں۔ اس لیے ان کے یہاں حسن و عشق کے ترانے اور سرشاری و سرمستی ملتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس یکتا عدنی کے یہاں غم جاناں کے بجائے غم دوراں کا ذکر ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے ذاتی غم کی بجائے غم دوراں کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ اسی لیے ان کی شاعری کو موضوعات، احساسات، مزدور کی شریک زندگی، سرمایہ دار سے خطاب، آوارہ عشق، نیا دور، وقت کا بہاؤ وغیرہ ہیں۔

چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

اسی انسان میں اک سویا ہوا انساناں ہے  
اب اسے وقت کی لاکار ہی بیدار کرے

ہے مری نظروں میں وہ مردِ مجاہدِ بخدا  
مسکراتا ہوا جو رقصِ سردار کرے

شعر گوئی سے فقط اتنا ہے مقصد یکتا  
خواب سے سوئی ہوئی قوم کو بیدار کرے

مقید ہوں تا کیا ہے۔ قلب تو آزاد ہے میرا  
جو اس کو بھی کرے محسوس زنداں ایسا بنوالو

۵۰

کتاب ”شہر شولا پور کے روشن چراغ“ میں شولا پور کے شعراء کے مندرجہ بالا اشعار کی طرح کئی معیاری اشعار مل جاتے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کے شعراء نے جو شاعری کی ہے وہ کسی بھی طرح کم معیار کی نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان شعراء کو جو مقبولیت ملنی چاہیے تھی نہ مل سکی۔ ڈاکٹر دستگیر کی یہ پیش کش ان شعراء کی صلاحیتوں کو دنیا کے ادب سے متعارف کرنے میں اور انھیں مقام دلانے میں معاون ثابت ہوگی ایسا یقین راقم الحروف کو ہے۔ اس کے علاوہ موصوف نے ایک اور تصنیف شولا پور کے بزرگ استاد شاعر قدیر شولا پوری کی حیات اور کارناموں پر لکھی ہے جس کا نام ”لالہ صحرا“ ہے۔ راقم اس پر بھی کچھ لکھتا چاہتا ہے مگر کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔ یہاں صرف اتنا ہی لکھا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب شولا پور کے کسی شاعر کے فن اور شخصیت پر لکھی ہوئی پہلی تصنیف قرار دی جاسکتی ہے۔

### شولا پور کے تاریخ کے آئینے میں (ایک نثری کتاب)

اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور کی طرف سے ”شولا پور۔۔۔۔۔ تاریخ کے آئینے میں“ شائع ہوئی۔ اس کے مرتب و نگراں فاروق سید اور مدیر نسیم منان شولا پوری ہیں۔ مرحوم نسیم منان صاحب بڑی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ شولا پور اور شولا پور والوں سے پیار کرنے والوں میں سے تھے۔ اردو اور اردو ادب کی ترقی کے لیے آخری سانس تک کام کرتے رہے۔ راقم الحروف کو محترم کے شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ راقم ذاتی طور پر یہ بات جانتا ہے کہ مرحوم نے اس کتاب کی تدوین کے لیے بہت محنت کی، ادارے کے علاوہ پانچ اہم مضامین (۱) شولا پور کے اولیائے کرام (۲) شولا پور کے نورانی سلسلے (۳) شولا پور کے صوفی شعراء (۴) شولا پور کی ادبی تاریخ (۵) شولا پور کے تاریخی کتبائے نسیم منان صاحب نے خود لکھے، جس کی آج تاریخی اہمیت ہوگئی ہے۔ اگر استاد یہ نہ لکھتے تو شولا پور کی تہذیب اجاگر نہ ہوتی۔ تاریخ مدھم پڑتے پڑتے مٹ جاتی اور اولیائے کرام اور مذہب کے بارے میں یہاں ہوئے کام اندھیرے میں ہی رہ جاتے۔ انھوں نے اس کتاب کے لیے اچھے اور قابل قلم کاروں کو موضوعات دے کر لکھوایا۔ اس طرح یہ کام مکمل ہو کر تاریخی اہمیت اختیار کر گیا۔ راقم الحروف کو تحقیقی ذوق کی ترغیب دینے والے کوئی اور نہیں نسیم منان سر ہی تھے۔ اس مقالے کی تیاری کے وقت بار بار ان کی یاد آتی ہے اور ان کی وہ باتیں بھی یاد آتی ہیں جو انھوں نے برسوں کی مختلف ملاقاتوں میں کہی تھیں۔ راقم شولا پور کے ادبی منظر نامے پر کام کر رہا ہے تو ان کی

باتیں جو یادداشت میں محفوظ ہیں رہبری کر رہی ہیں۔ استاد اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ شولا پور کے تعلق سے جو بھی مضامین میں لکھ رہا ہوں اس میں بہت ساری باتیں تحقیق طلب ہیں ہاں اس کے اشارے میرے مضامین میں ملتے ہیں۔ تحقیق کا کام کرنے والے اس سلسلے کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ یہ مقالہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہی سمجھئے۔

یہ ایک تحقیقی کتاب ہے جسے رسالے کا نام دیا گیا اور مدیر، نائب مدیر اور نگراں اور مشیران کے بھی نام دیے گئے جبکہ صدق دل سے، محنت سے نسیم منان سر نے یہ کام کیا تھا۔ اس بات کا اندازہ ان کے ادارے کے اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

”اصلاحی و فلاحی تنظیم نے اردو میلے کے لیے جن پروگراموں کو ترتیب دیا تھا ان میں ایک رسالے کی اشاعت کا پروگرام بھی شامل تھا۔ کافی غور و خوص کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ شہر شولا پور کی تاریخ بتانے والا ایک رسالہ ترتیب دیا جائے اور اس تاریخ میں خاص طور پر شولا پور کے مسلمانوں کی تہذیب اور ادب کی عکاسی ہو۔ اس طرح ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور خاکسار کو اس کے ایڈیٹر بننے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس رسالے کو ”شہر شولا پور۔۔۔ تاریخ کے آئینے میں“ عنوان بخشا گیا۔ شہر کی تحقیق اور تدوین سے دلچسپی رکھنے والے اہل قلم حضرات سے رابطہ پیدا کیا گیا اور ایسے عنوانات منتخب کئے گئے جن کے ذریعے شولا پور کے مسلمانوں کے بارے میں مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاسکتی کہ شولا پور جو تہذیب و تمدن، علم و ادب میں ایک کچھڑے ہوئے شہر کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس کے روشن زاویے بھی دور دراز کے لوگوں کی نظر میں آسکیں۔ اس رسالے کے مضامین کے لیے جو عنوانات متعین کیے گئے

میری نظر میں بے حد مناسب ہیں۔“

۸۱

مندرجہ بالا اقتباس سے نسیم منان صاحب کی دلچسپی، لگن اور ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم اس کام کے سلسلے میں کتنے سنجیدہ تھے۔ اس کتاب میں مختلف موضوعات پر لکھنے والوں میں نسیم منان صاحب کے علاوہ ایڈووکیٹ عبدالرشید جناور کر، اعجاز نبی کارگیر، ایڈووکیٹ سید شاہ غازی الدین، محمد علی گارڈ، عبدالرزاق رند اور سید اقبال ہیں۔ جنہوں نے ذیل کے عنوانات کے تحت مضامین لکھے۔

(۱) شولا پور کا تاریخی پس منظر (۲) شولا پور کی تاریخی عمارتیں (۳) شہید وطن قربان حسین

(۴) شولا پور کے مذہبی، سیاسی و سماجی رہنما (۵) شولا پور اور رنگ زیب (۶) شولا پور کا مسلم معاشرہ  
 (۷) شولا پور کے دینی ادارے (۸) شولا پور کے تعلیمی ادارے (۹) شولا پور اور اردو ڈرامے۔  
 بحیثیت مجموعی یہ کتاب ”شولا پور۔۔۔ تاریخ کے آئینے میں“ شولا پور کی مسلم تہذیب و ادب کی ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

### پروفیسر عبدالرشید عبدالبشیر شیخ کی نثر نگاری

پروفیسر عبدالرشید ادبی و علمی مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ ان کے مضامین وقتاً فوقتاً اخبارات اور رسائل میں شائع بھی ہوئے ہیں۔ لیکن یہ سلسلہ کبھی رک جاتا ہے تو کبھی چلنے لگتا ہے۔ یعنی یہ مسلسل نہیں لکھتے کبھی کبھی لکھتے اور چھپواتے ہیں۔ کتاب جشنِ غفورانیس (روداد مع تصاویر) کے لیے ان سے غفورانیس کے بارے میں لکھوایا گیا تو انھوں نے غفورانیس۔۔۔ میری نظر میں لکھا اور اس کتاب کے صفحہ ۶۱ پر شائع بھی ہوا۔ یہ تحریر پورٹنگ رپورٹنگ کے طور پر لکھی گئی ہے جو دو صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیں۔

”اردو زبان کی ترقی سے متعلق اخلاص ہو یا عالموں، ادیبوں اور شاعروں کی مہمان نوازی ہو سرزمینِ ہند میں شہرِ شولا پور اپنی مثال آپ ہے۔ بارہا دیگر شہروں کے عالموں، ادیبوں اور شاعروں نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اسی بابرکت روایتی اخلاص کا نظارہ مجھے شہرِ شولا پور کے معتبر صحافی و شاعر غفورانیس کی یاد میں منعقد کئے گئے جشنِ غفورانیس میں دکھائی دیا، ہمیں بخوبی اس کا علم ہے کہ کسی بھی اجتماعی کام کو کامیابی سے ہم کنارے کرنے کے لیے خلوص کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ میرے اپنے خیال کے مطابق یہی خلوص ہے جس نے جشنِ غفورانیس کے بے حد کامیاب بن دیا ہے۔“

۸۲

☆ تعارف پر نپل ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ:

یہ مضمون پروفیسر عبدالرشید نے ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ کی کتاب لالہ صحرا کے لیے لکھا تھا۔ راقم کی فرمائش پر آپ نے اس مضمون کا مسودہ عنایت فرمایا اس میں موصوف نے ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ کا تعارف لکھتے وقت اس بات کا پورا خیال رکھا کہ یہ تعارف پوری طرح مکمل ہو، تبھی تو انھوں نے ڈاکٹر دستگیر کے حالاتِ زندگی اور ان کے آبا و اجداد تک معلومات دینے کی کوشش کی ہے۔ پہلے پیرا گرام میں انھوں نے شہرِ شولا پور کا ماحول اور اس ماحول میں ڈاکٹر دستگیر کی غربت کا ذکر کیا ہے۔ پھر آبا و اجداد

کا مقام رہائش اور پیشے کے بارے میں لکھا ہے۔ پھر ڈاکٹر دستگیر کے بچپن اور ابتدائی تعلیم اور زندگی اور تعلیم میں دشواریوں کا بھی ذکر کرتے ہوئے، ان کے پختہ عزائم اور مسلسل محنت اور جدوجہد اس کے ساتھ علیم کے سلسلے کو انھوں نے کس طرح جاری رکھا اور ایک پرائمری اسکول میں ٹیچر بن کر درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا اور محنت اور لگن سے کس طرح ڈاکٹر دستگیر نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی اور اس کے بعد گائیڈ بنے اور کالج میں لکچرار اور پرنسپل کے اعلیٰ عہدوں تک رسائی کس طرح ہوئی اس کی تفصیل اس مضمون (تعارف) میں موجود ہے۔ پروفیسر عبدالرشید مکمل تعارف کروانے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی نثر رواں اور سلیس ہے۔ اس مضمون کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”ڈاکٹر صاحب درس و تدریس کی خدمات پیش کرتے ہوئے علمی و ادبی کام بھی بڑی خوش دلی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ آئے دن کئے اخبارات میں مختلف عنوانات پر مضامین برابر چھپتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ نے شولا پور شہر کے مختلف شعرائے کرام کے فن اور شخصیت پر مضامین لکھے ہیں۔ آپ کے مضامین کا مجموعہ ”شولا پور کے روشن چراغ“ عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ ”شولا پور کے روشن چراغ“ لکھ کر آپ نے شولا پور کا پہلے تبصرہ نگار ہونے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ آپ نے شولا پور شہر کی معروف شخصیت قدیر شولا پوری کی حیات اور ان کی شاعری پر کئی مضامین الگ الگ عنوانات کے تحت لکھ کر اسے کتابی صورت دی ہے اور اس کا نام آپ نے ”لالہ صحرا قدیر“ شولا پور۔۔۔ فن اور شخصیت رکھا۔ اس طرح آپ نے اپنے شہر سے محبت کا ثبوت دیا ہے۔“

☆ مہاتما گاندھی ایک سیاسی رہنما:

”مہاتما گاندھی ایک سیاسی رہنما“ عبدالرشید عبدالبشیر شیخ کا ایک معلوماتی مضمون ہے جو بہت ہی ذمہ داری اور عرق ریزی سے لکھا گیا ہے۔ اس کے لکھنے کے لیے انھوں نے کئی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، نوٹس لیے ہونگے۔ ان پر سوچا ہوگا تب کہیں گاندھی جی پر وہ ایک بہترین معلوماتی مضمون لکھ پائے ہیں۔

عبدالرشید نے گاندھی جی کی ۱۸۹۲ء کی افریقہ کی زندگی سے ان کے حالات زندگی کا جائزہ لیا ہے کہ کس طرح وہاں پر صرف ۲۱ برس کی عمر میں ظلم و زیادتی کا مشاہدہ کیا، احتجاج کیا اور وہاں کے لوگوں کو انصاف دلایا اور جب وہ افریقہ سے ہندوستان لوٹے تو یہاں کے کیا حالات تھے اور انھوں نے کیا اقدامات کیے۔ اور جب لوگ مانیہ تلک کا انتقال ۱۹۲۰ء میں ہوا

تو گاندھی جی سیاسی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ افریقہ کے اپنے تجربے کو بروئے کار لاتے ہوئے انھوں نے جدوجہد آزادی کی کوشش اپنے طور پر شروع کر دی۔ اس مضمون میں بہت ساری باتیں ہیں۔ گاندھی جی طریقہ کار اور اصولوں پر بھی بات کی گئی ہے۔ پھر ہندوستان آزاد ہونے تک کی اور اس کے بعد تقسیم ملک کی حقیقی داستان اور گاندھی جی قتل تک کی روداد عبدالرشید صاحب نے تاریخ اور تاریخی حوالوں سے لکھی ہے مضمون بہت ہی اہم اور معلوماتی ہے۔ اس طول طویل مضمون کا مختصر اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”گاندھی جی کی ستیہ گرہ کی تحریک بہت ہی کامیاب کی ساتھ آگے بڑھنے لگی، انھوں نے کانگریس میں ہر مذہب کے لوگوں کو شریک کیا، جس کی وجہ سے سب کو یہ لگنے لگا کہ کانگریز پارٹی ہماری ہے۔ سارا ملک ایک ہو گیا۔ سارے مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چلنے لگے اور آزادی کی لڑائی لڑنے لگے۔ سارے ہندوستانی ایک پرچم تلے جمع ہو گئے۔ آخر کار گاندھی جی نے ۱۹۴۳ء کو آزادی کا آخری نعرہ لگایا انھوں نے انگریزوں سے صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ بھارت چھوڑو، وہاں سے بھارت چھوڑو آندولن کی شروعات ہو گئی اور اس آندولن کا نعرہ تھا ”کریں گے یا مریں گے“ برسوں کی کوشش کے بعد آخر کار ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو انگریزوں نے بھارت کو آزاد کر دیا۔“ ۸۳

### ایڈوکیٹ سید شاہ غازی الدین کی تصانیف

(۱) عہدِ عالمگیر کے درباری اخبار (۲۰۰۰ء):

”عہدِ عالمگیر کے درباری اخبار“ (دکن میں اورنگ زیب عالمگیری کی مہمات مشاغل اور فیصلے تاریخ کے آئینے میں ۱۶۸۱ء تا ۱۷۰۷ء) سید غازی الدین ایڈوکیٹ کی مرتب کردہ ایک تاریخی کتاب ہے۔ جسے ”ادارہ برائے مطالعہ و تحقیق تاریخ دکن“، شنوار پیٹھ، شو، لا پور نے، ۱ جولائی ۲۰۰۰ء میں شائع کیا ہے۔ مرتب و مترجم ایڈوکیٹ غازی نے اس کتاب کی تحریک ملنے کی بات اپنے اظہارِ تشکر میں کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”راقم الحروف اپنے زیرِ ادارت شائع ہونے والے ہفت روزہ ”الفیض“ میں مغل دربار کے اخبار جب اقتضا سے شائع کیا تو قارئین کی جانب سے اس سلسلے کو کافی سراہا گیا۔ اسی دوران جناب ڈاکٹر سید عبدالباری (شبیم سبجانی) سابق صدر شعبہ اردو جی۔ ایس۔ پی۔ جی کالج اودھ یونیورسٹی سلطان پور

(یو۔ پی) اتفاق سے آل انڈیا ملی کونسل کی میٹنگ کے سلسلے میں شولا پور آئے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں جب ”الفیض“ کے شمارے دیے تو صاحب موصوف نے ان کا مطالعہ کی اور اس کوشش کو سراہتے ہوئے کہا کہ فی الحقیقت اس کتاب کی نہایت سخت ضرورت ہے جو اورنگ زیب کی صحیح تصویر پیش کر سکے۔ آپ نے راقم الحروف سے مزید تحقیق کی اور اس کام کی اہمیت کے پیش نظر خاکسار سے کہا بلکہ یوں کہیے کہ حکم دیا کہ اس ضمن میں جتنا مواد ہے شائع ہونا ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ خواہش اس کتاب کی محرک بنی۔ آپ نے وقتاً فوقتاً اس سلسلے میں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا جس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔“

۸۴

اس کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر سید عبدالباری (شبنم سبحانی) نے لکھا ہے اس کے بعد ایڈوکیٹ شاہ غازی الدین نے ”اورنگ زیب عالمگیر دکن میں“ کے عنوان سے ایک طویل مضمون تحریر کیا ہے۔ اس کے بعد کے صفحات ”اورنگ زیب کے دربار کے اخبار“ سے لی ہوئی اہم اہم خبریں ۲۹ مئی ۱۶۸۵ء سے یکم جنوری ۱۷۰۵ء تک کی اس کتاب میں موجود ہیں۔ اس عرصے میں اورنگ زیب کی سیاسی، سماجی زندگی کی بے شمار باتیں اس میں ملتی ہیں۔ جس سے ان کی طرز زندگی، ذاتی اور عوام حالات، حکومتی امور، مذہبی باتیں، یکجہتی، اختلافات، رنجشیں اور محبت کی ہزار ہا داستانیں اس میں ہیں جو بادشاہ کی بادشاہیت، وقار اور عظمت کی تصویریں پیش کرتی ہیں۔

اس کتاب کے ذریعے اورنگ زیب اور اس کے دور حکومت کا صحیح اور سچا نقشہ قارئین کے سامنے آتا ہے۔ جس سے فرضی واقعات اور غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔ ایڈوکیٹ غازی الدین کا یہ کارنامہ تاریخی اور یادگار ہے۔ اس کتاب پر اہلیان شولا پور جتنا فخر کریں کم ہے۔

(۲) شیواجی کون تھے؟ (۲۰۰۴)

شیواجی کون تھے؟ ۷۴ صفحات کی ایک کتاب ہے جسے مراٹھی زبان میں گویند پانسرے نے لکھا ہے اس کا ترجمہ سید شاہ غازی الدین نے اردو زبان میں کیا ہے۔ اس کے ناشر پرکاش وشواس راؤ ہیں۔ یہ شیواجی کی شخصیت پر بہت ہی اہم کتاب ہے۔ اردو زبان میں یہ کتاب اردو والوں کے لیے ایک تحفہ سے کم نہیں۔ اسی وہ اردو والے جو شیواجی کی حیات اور کارناموں سے کم، یا ناواقف ہیں۔ اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔ مختلف عنوانات کے تحت اس میں شیواجی کے زمانے کی پوری تاریخ اور تہذیب کم لفظوں میں مگر پوری طرح سامنے آتی ہے۔ ذیل میں کچھ اہم عنوانات دیے جا رہے ہیں اسی سے اس کے متن کے

موضوعات کا علم ہو جائے گا، ملاحظہ فرمائیں۔

- (۱) راجہ کی قدر جہوریت میں۔ (۲) جان کی قربانی کا جذبہ۔ (۳) جاگیر داری، وطن داری اور انعام داری۔  
 (۴) شیواجی: خواتین کی آبرو کے محافظ (۶) شیواجی اور سرکاری انتظامیہ کی زبان۔ (۷) کاشتکاروں کی فوج۔  
 (۸) شیواجی اور مذہب (۹) شیواجی کے مسلمان سردار (۱۰) مسلمان حکمرانوں کے تحت ہندو سردار۔  
 (۱۱) پہلے حکومت بعد میں مذہب۔ (۱۲) شیواجی کے برہمن معاون۔ (۱۳) شیواجی کے خاندان کی تاریخ۔  
 (۱۴) شیواجی اور تبدیلی مذہب۔ (۱۵) تاریخ کو کیوں مسخ کیا جاتا ہے۔ (۱۶) شیواجی کے ساتھ کیا ہوا۔  
 (۱۷) شیواجی کے خطوط۔

مندرجہ بالا عنوانات سے موضوعات کا پتہ چلنے پر انھیں پڑھنے کے بعد راقم الحروف کو شیواجی کی زندگی کا مقصد اور ان کے اصولوں سے واقفیت ہوئی اور شیواجی کی غیر معمولی صلاحیتوں سے آشنائی ہوئی۔ سید شاہ غازی الدین نے کچھ ایسا ترجمہ کیا کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی اور زبان سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اردو زبان میں ہی لکھی گئی ہے۔

### ۳) مہاتما جوتی باپھلے۔۔۔ حیات اور کارنامے:

”مہاتما جوتی باپھلے۔۔۔ حیات اور کارنامے“ سید شاہ غازی الدین ایڈوکیٹ کی سانچی کتاب ہے جو انھوں نے پھلے جیسے اہم کردار پر تحریر کی ہے۔ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ غازی صاحب نے بہت ہی دلچسپی اور جانفشانی سے کتاب کا مواد حاصل کیا ہوگا۔ ان کا یہ کام لائق صد تحسین ہے کہ اردو دنیا میں اس کی ضرورت تھی۔ اس سے پہلے اردو کے پڑھے لکھے لوگ بھی پھلے کے متعلق سرسری معلومات ہی رکھتے تھے۔ اس کتاب کے شائع ہونے سے پونہ کے پیشوائی دور میں مذہبی اور سماجی حالات کا پتہ چلتا ہے۔ اور پھلے کی ابتدائی زندگی کے حالات بھی سامنے آئے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ پھلے اسلام اور مسلمان کے بارے میں کیا سوچتے تھے اور کیا کہتے تھے اور پھلے نے سارے ہندوستانی سماج کے لیے کس طرح تحریک چلائی اور لوگوں کو آپس میں جوڑنے کی کوشش کی۔ اس کتاب کے مقدمے کے طور پر جو مضمون لکھا گیا ہے اسی سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

☆ اردو بک ریویونی دہلی:

”موجودہ کتاب ان کی شعوری کوشش اور بے پناہ محبت کا نتیجہ ہے اس مختصر

کتاب میں مہاتما پھلے کے حوالے مصنف نے ہندوستانی تاریخ کے کئی اہم



موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ پیشوائی دور کی قباحتوں پر روشنی ڈالی ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ برہمنوں نے کس عیاری سے شیواجی کے بعد حکومت مراٹھا قوم سے چھین کر خود ہتیا لی تھی۔ اور اس کے ذریعے براہمنی نظام کی جڑیں کس قدر مضبوط کیں۔ ۱۷ویں صدی میں شیواجی مہارات نے مغل سلطنت کے تسلط سے آزاد جس مہاراشٹر ریاست کی بنیاد رکھی اور مراٹھا اقتدار قائم کیا وہ یہاں کے چپ پاؤں برہمنوں کو قبول نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے ۱۸ویں صدی کے نکلنے نکلنے مراٹھا طاقت کو اقتدار سے بے دخل کر کے پیشوائی حکومت قائم کی۔ جس کی چند جھلکیاں مصنف نے اس کتاب میں پیش کی ہیں۔“ ۱۵

مندرجہ بالا اقتباس سے اس کتاب کی حقیقی مواد کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ شاہ غازی الدین ایڈوکیٹ نے تاریخ کی سچائیوں کو سامنے لانے کی پوری کوشش کی ہے۔ راقم الحروف اس کتاب کو شولا پور کی پہلی باقاعدہ ”سوانح“ کہنے کے حق میں اس کو بلاتامل شولا پور کے اردو ادب میں پہلی سوانح کا درجہ حاصل ہے۔ یہاں سے اردو میں سوانح نگاری کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ایڈوکیٹ صاحب نے اپنی ہی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے دوسری سوانحی تصنیف بھی لکھی جس کا نام ”ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر (حیات اور کارنامے)“ ہے۔ جس کا جائزہ ذیل میں درج ہے۔

(۴) ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر (حیات اور کارنامے):

سید شاہ غازی الدین شولا پور کے ایک پڑھے لکھے، قابل ایڈوکیٹ، سماجی کارکن، تاریخ و سوانح نویس ہیں۔ انھوں نے کچھ اہم شخصیتوں کی سوانح بھی لکھی ہے۔ ان کی بہت ہی اہم اور ضخیم کتاب ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر (حیات و کارنامے) ہے جو ۴۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جو امبیڈکر کی زندگی اور ان کے کارناموں کے سلسلے میں اہم ہے۔ غازی صاحب کی دلچسپی اور توجہ سے یہ مواد اردو والوں کے حصے میں آیا۔ ویسے امبیڈکر کے بارے میں اردو میں چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی چھپیں اور کتنا بچے بھی اس کے علاوہ اردو کی درسی کتابوں میں بھی ان کے بارے میں سرسری مواد ملتا ہے۔ لیکن غازی صاحب کی اس کتاب میں امبیڈکر کی زندگی اور ان کی جدوجہد اور کارناموں کی تفصیل ملتی ہے۔ اس کتاب کو ادارہ برائے مطالعہ تحقیق تاریخ دکن شولا پور نے شائع کیا ہے۔ اس کی اشاعت کے لیے شولا پور میونسپل کارپوریشن نے ایک لاکھ پچاس ہزار عطیہ کے طور پر دیے ہیں۔ اردو کی اس کتاب پر اتنی خطیر رقم دینا اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ یہ کتاب جب شائع ہو کر مارکیٹ میں آئی تو اس کی اردو والوں میں بری پذیرائی ہوئی۔ اخبارات اور رسائل میں

تبصرے میں شائع ہوئے۔ ذیل میں ان تبصروں کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

”ضرورت اس بات کی ہے کہ ایڈوکیٹ غازی الدین کے ان کارناموں کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی جائے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں دلتوں کے متعلق جو شکوک و شبہات ہیں وہ رفع ہوں اور ہندوستان کی عظیم اکثریت جنہیں اقلیت بنادیا گیا ہے باعزت طور پر اپنے حقوق حاصل کر سکیں۔“ ۷۶

(دانش اقبال ”اردوبک ریویو“ جولائی اگست ستمبر ۲۰۰۸ء)

☆ روزنامہ انقلاب ممبئی:

”شاہ غازی الدین کی نہایت قابل قدر تصنیف ”ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر حیات اور کارنامے“ پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم نے اپنی بات یہاں پر ادھوری چھوڑی تھی کہ اس کتاب میں وہ شکایتیں تو کافی تفصیل سے موجود ہیں جو ڈاکٹر امبیڈکر کو ہندوؤں سے تھیں لیکن شکایتوں کا تفصیلی ذکر نہیں ہے جو انہیں مسلمانوں سے تھیں لیکن جتنا بھی ہے اس سے ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر کو مسلمانوں سے شکایتیں بھلے ہی رہی ہوں، اسلام سے شکایت نہیں تھی۔ اس کا ذکر انھوں نے بار بار اپنی تحریروں اور تقریروں میں کیا ہے۔“ ۷۷

(حسن کمال۔ کالم، خاص مضمون۔ روزنامہ انقلاب ممبئی، یکم جون ۲۰۰۸ء)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایڈوکیٹ غازی کی امبیڈکر پر لکھی ہوئی سوانحی کتاب اردو دنیا میں کافی مقبول ہوئی۔ اس کو اہل نظر نے سراہا۔ اس کتاب کے مطالعے سے اردو داں طبقے کی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے اور وہ جو غلط فہمیاں تھیں یا پیدا کر دی گئی تھیں وہ بھی دور ہو رہی ہیں۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ کتاب ہے اس مقصد کے تحت لکھی گئی ہے۔ ایڈوکیٹ غازی الدین سے راقم کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں ان کی اردو کتابوں پر بھی بات ہوتی ہے وہ ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو صحیح معلومات اور صحیح رہبری کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کی بہوجن سماج کے مسلمانوں سے مراسم و روابط بنانے کی ضرورت ہے۔ اس لیے انھوں نے شولا پور میں ”پھلے، شاہو، امبیڈکر، وچار منچ“ کا قیام کیا۔ ہندوستان میں جو بہوجن سماج کی تحریک چلائی جا رہی ہے۔ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ ان کی مذکورہ کتابیں اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ جو بھی ہو راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ غازی الدین کی کوششوں سے شولا پور کی اردو نثر کو کافی فائدہ ہوا۔ یہاں سوانح نگاری کی روایت قائم

ہوئی۔ گو کہ یہ سوانح نگاریاں اردو کی سوانح نگاری کی فنی تقاضے پوری نہیں کرتی پھر بھی اس کے بیچ تو بوئے گئے مستقبل میں کئی اہل قلم اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اس پودے کو تناور درخت بننے میں مدد کر گئے۔

### تاریخ شولا پور و مختصر تاریخ دکن

”تاریخ شولا پور و مختصر تاریخ دکن“ کے ترتیب کار، مصنف اور ناشر مجاہد القاسمی ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس میں شولا پور کی اور دکن کی مختصر تاریخ درج ہے۔ یہ کام تحقیق کا ہے کہ اس میں بہت محنت اور بری ذہانت کی ضرورت ہے۔ مجاہد القاسمی کی مجاہدانہ جدوجہد اور جستجو نے ان سے یہ کام کروایا۔ اصل بات یہ ہے کہ دکن کی تاریخ دستیاب ہے لیکن شولا پور کا تذکرہ کہیں کہیں دکن کی تاریخ میں تو ملتا ہے۔ لیکن تاریخ نہیں ملتی۔ مجاہد صاحب نے شولا پور کی تاریخ مرتب کرنے میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دی۔ عام فہم زبان میں اتنے بہترین ڈھنگ سے یہ کتاب لکھی گئی ہے کہ تعریف کے لیے الفاظ کم پڑتے ہیں اور شولا پور اور مہاراشٹر اسٹیٹ کے لیے اس کتاب کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اس کتاب لکھنے کے جو مقاصد آپ نے بتائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنا ماضی یاد دلانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے قرآن شریف میں تاریخ کی اہمیت کو بھی واضح کیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ کتاب کافی اہمیت رکھتی ہے۔ یقیناً کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مجاہد القاسمی کی تحریر ملاحظہ فرمائیے۔ جو انھوں نے کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھی ہے۔

ماضی کا اعتراف ضروری ہے آج بھی

یہ اور بات ہیکہ زمانے گزر گئے“

”جن دنوں میں ”تاریخ فرشتہ“ کا مطالعہ کر رہا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ تاریخ

فرشتہ میں شولا پور کا ذکر بار بار تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ خیال آیا کہ شولا پور

کے زمانہ قیام میں ہی کیوں نہ اسے یکجا کر لوں، پھر سوچا جب ایک کام کرنا ہے

تو اچھی طرح کر لوں۔ اس کے لیے دوسرے تاریخوں مثلاً تاریخ جہانگیر،

تاریخ شاہ جہاں وغیرہ کا مطالعہ کرنا پڑا۔ پھر شولا پور گزٹ کی طرف رجوع ہوا

تو معلوم ہوا کہ سب کو ملا کر باقاعدہ ایک تاریخی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اللہ کا

نام کر کام شروع کیا اور کتاب تیار ہو گئی۔

تاریخ میرا پسندیدہ مضمون ضرور ہے مگر تاریخ نگار بننا بڑی ذمہ داری

کا کام ہے۔ میں نے صرف یہ کیا کہ تاریخ فرشتہ، تاریخ جہانگیر اور تاریخ شاہ

جہاں نیز شولا پور گزٹ میں جو صفحات میں مختلف موضوعات کے تحت تاریخی

مواد بکھرا ہوا تھا اسے سن وار مرتب شکل میں پیش کر دیا ہے۔ کتاب ہر خاص و عام کے لیے ہو اس کے لیے تاریخ کا انداز بیان یہ رکھا اور یہی قرآن کا اسلوب بھی ہے۔ قرآن میں ماضی کے واقعات بیان یہ انداز کے ملتے ہیں تاکہ وہ سب کے لیے باعثِ عبرت ہو۔ اب تک شولا پور کی تاریخیں محدود پیمانے پر مختلف زبانوں میں آتی رہی ہیں وہ زیادہ تر ۱۸۱۸ء کے بعد کی یا پھر زیادہ سے زیادہ مراٹھا دور تک کی ہیں۔ میں نے مسلم دور کو زیادہ اہمیت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کیونکہ یہی دور شولا پور کے وجود و ترقی کا دور ہے۔ ساتھ ہی پوری کوشش اس بات کی بھی کی ہے کہ شولا پور کو دکن سے دکن کو پورے بھارت سے اور بھارت کو باقی دنیا سے جوڑے رکھوں، اس طرح شولا پور کا تعلق پورے ملک کی تاریخ میں برقرار رہے۔“ ۷۸

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوا کہ مجاہد القاسمی نے بہت ہی دلچسپی اور ذمہ داری سے شولا پور کی تاریخ لکھنے کا عزم کیا تھا اور خواہش کی تھی کہ مسلم دور کی اہم باتیں اس تاریخ میں آجائیں۔ ان کا عزم محکم تھا، خواہش جائز تھی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ یہ کتاب نایاب اور یادگار ہے۔ آنے والے زمانے میں بھی اس کی اہمیت کم نہیں ہوگی۔ راقم الحروف کے اب تک کے مطالعہ کی بنیاد پر راقم یہ کہنے کے حق میں ہے کہ یہ شولا پور کی تاریخ پر لکھی گئی اردو کی پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب بھی راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔

### سوینیر جشن قدیر شولا پوری (۱۹۹۹ء)

جشن قدیر شولا پوری کے موقع پر ان کا مجموعہ کلام ”بوائے پیرا ہن“ کا رسم اجراء، مارچ ۱۹۹۱ء کو عمل میں آیا۔ بزرگ استاد قدیر کے جشن کے سلسلے میں ایک سوینیر بھی شائع کیا گیا۔ جو اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں تھا۔ (ایک طرف اردو ایک طرف ہندی) اس جشن کا اہتمام مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی نے کیا تھا۔ صدر سوسائٹی ابراہیم عبدالقادر شیخ نے سوینیر کا حرا آغاز لکھا جس میں سوسائٹی کی کارکردگیوں اور خدمات کے بارے میں معلومات ہیں۔ اس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”مقامی ادب کے پیش نظر شہر شولا پور کے کہنہ مشق استاد شاعر حضرت قدیر

شولا پوری کا مجموعہ کلام ”بوائے پیرا ہن“ کے اشاعت کے ذمہ داری بھی لے لی

اور اس کے اجراء کے سلسلے میں آل انڈیا مشاعرے کا انعقاد کیا۔ ہونہار طلباء

وطالبات کی حوصلہ افزائی کے متعدد پروگرام عمل میں لائے گئے۔“ ۷۹

اس سوینیر میں حضرت قدیر کی شخصیت اور فن پر مضامین بھی شامل کیے گئے جو درج ذیل ہیں۔

(۱) شاعر حیات قدیر۔۔۔ شخصیت و فن (ڈاکٹر ایچ۔ ایم۔ شیخ) (۲) بوئے پیرا ہن ایک جائزہ (ایف۔ اے۔ شیخ)

(۳) قدیر شولا پوری شاعری انسانیت (ایم۔ ایم۔ شیخ) (۴) ہوتا ہے ہر صدف میں درِ صوفشاں کہا۔ (اعجاز نبی)

کارگیر (۵) بوئے پیرا ہن۔۔۔ ایک تجزیہ (تجل حسین) اس کے علاوہ حضرت قدیر پر ہندی میں بھی مضامین شائع کیے گئے ہیں۔ یہ سوینیر ہے لیکن اس کی مشمولات کتاب والی ہیں۔ سبھی مضامین معیاری اور حضرت قدیر کی شخصیت اور ان کے فن کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ سوینیر یادگار کہا جاسکتا ہے۔ کسی شاعر کی کتاب کی اشاعت کے موقع پر جشن منانے کا انداز نرالا ہے۔ اس قم کی سرگرمیاں ہونی چاہیے۔ ایسا کرنے سے ہم صاحب تصنیف کی شخصیت کے تمام پہلو اجاگر کر سکتے ہیں۔ اس سوینیر سے یہ روایت شولا پور میں ڈالی گئی۔ ۲۰۰۴ء میں اسی طرز پر جشن غفور انیس منایا گیا۔ بعد ازاں جشن غفور انیس (روداد مع تصاویر) کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی گئی۔

#### مینارِ عزیمت

”مینارِ عزیمت“ میر افضل میر شولا پوری کی کاوشوں کا نتیجہ یہ جو انھوں نے پیر طریقت نیرہ محدث دکن حضرت ابو الخیرات الحاج سید انوار اللہ شاہ صاحب نقشبندی مجددی و قادری جیسے بزرگ کی حیات اور حالات پر نظر اور نثر میں اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کیا۔ یہ رسالہ مشہور ادارہ ”اصلاحی و فلاحی تنظیم“ کے زیر اہتمام سے شائع کیا گیا۔ اس میں میر کی چار شعری تخلیقات ہیں جو حضرت کی شان میں کہی گئی ہیں۔ ”منقبت“ کے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

جواذن رسولِ خدا مل گیا

چلا خوب حضرت کا خامہ چلا

زجاجہ کی تدوین کی آپ نے

بڑھا خوب احناف کا مرتبہ

حقیقت کھلی ہم پہ ایمان کی

جو ”میلا دنامہ“ عطا کر دیا

شہادت کی روشن ہوئیں منزلیں  
بیاں جو کیا منظرِ کر بلا

جو تفسیر ”یوسف“ لکھی آپ نے  
ہوئے حکمتوں سے کبھی آشنا

فضائل جو سمجھائے رمضان کے

تو قرآن کی آمد کی عقدہ کھلا ۹۰

اس کتاب میں میر افضل میر نے حضرت پر ایک طویل مضمون قلمبند کیا ہے۔ جس میں حضرت کی حیات اور ان کی نیک سیرت اور انسان دوستی عقیدت سے ذکر ہے۔ یہ مضمون اس لیے بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں حضرت کی شولا پور اور اہلیانِ شولا پور سے خاص انس کی باتیں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں اس مضمون کا ایک اقتباس۔

”شولا پور سوشل اردو ہائی اسکول کے سابق صدر مدرس محمود صاحب کی کتاب ”ذوقِ نظر“ کی رسمِ اجراء حضرت سید انوار اللہ شاہ صاحب کے دستِ مبارک سے شولا پور میں سوشل کالج کے وسیع ہال میں عمل میں آئی۔ اس موقع پر شولا پور کے بہت سے اردو مصنفین کو حضرت کے دستِ مبارک سے اعزازات بھی دیے گئے۔ جن میں بشیر پرواز، عبدالرزاق رند، عبدالرشید ارشد، ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ، فاروق سید (مدیر رسالہ گل بوئے) عبدالرشید شیخ، عبدالرشید خان، محمد علی گارڈ، الطاف حسین میندرگی، سید یعقوب علی خطیب (صدر تنظیم) وغیرہ حضرات کو ان کے ادبی خدمات کے اعتراف میں اعزازات سے نوازا گیا تھا۔ اس مبارک موقع پر حضرت سید انوار اللہ شاہ صاحب کا اندازِ تکلم بالکل مختلف تھا۔ ختمِ نبوت پر اور حیاتِ النبی جیسے نازک موضوعات پر آپ نے کھل کر اظہارِ خیال کیا تھا۔ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان موضوعات کو یہاں و ہر اسکول البتہ آڈیو کیسٹ دستیاب

ہے۔ اہل نظر حضرات اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔“ ۹۱

اس طرح حضرت کی شولا پور تشریف آوری کے سلسلے میں یہ بات بھی ان کے مضمون میں شامل ہے کہ شولا پور میں جامعہ حنفیہ مدرسہ سے فارغ حفاظ کرام کی دستار بندی کے سلسلے میں آپ ہمیشہ تشریف لاتے تھے۔ ہزاروں مریدین اور متقیدین کا مجمع ہوتا۔ لوگ انہیں دیکھنے مصافحہ کرنے اور انھیں سننے کے لیے بے چین رہتے۔ ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”وصال سے آٹھ روز قبل حضرت سید انوار اللہ شاہ صاحب درگاہ مصری گن میں دادا حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب کے قدموں میں مدفون اپنی ماں کے مزار اقدس کے بازو میں جو درخت تھا اسے نکال کر اس جگہ کو صاف کرنے کو کہا، گویا اپنی آخری آرام گاہ کے لیے خود ہی جگہ منتخب کی لی۔ اس واقعہ سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت سید انوار اللہ شاہ صاحب کو اپنی وصال سے متعلق اشارہ نبی ہو چکا تھا۔ اللہ والوں کے راز اللہ ہی جانے ہم تو بس عقیدت مند ہیں۔ اپنا دل ان کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔“

حضرت سید انوار اللہ شاہ صاحب قبلہ پر میر افضل میر شولا پوری نے بہت ہی اچھا اور معیاری مضمون لکھا ہے۔ مضمون طویل ہونے کے باوجود پر مغز ہے۔ اس رسالے میں حضرت ابوالفیض سید عطا اللہ شاہ صاحب کا ایک مضمون جہفت روزہ ”گواہ“ حیدرآباد میں شائع ہوا تھا شامل ہے۔ یہ رسالہ کمپیوٹر کتابت اور طباعت کے لحاظ سے بہت ہی خوبصورت اور ٹائٹل پر حضرت کی پر نور تصویر ہے جو دیدہ زیب ہے۔

یہ تھا شولا پور میں اردو نثر کا منظر نامہ۔ راقم الحروف نے شولا پور کے نثر نگاروں کی نثری تخلیقات کو حاصل کرنے اور ان کا مطالعہ کرنے کی اپنی بساط کے مطابق کوشش کی ہے۔ جتنی کتابوں اور مضامین کا ذکر اس مقالے میں آیا ہے وہ تمام راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ تخلیقات میری نظر سے چھوٹ گئی ہوں۔ تحقیق ایک لگا تار جاری رہنے والا عمل ہے۔ جیسے جیسے تحقیق ترقی کرتی ہے۔ پرانے انکشافات باطل ٹھہرتے ہیں۔ نئے نئے انکشافات ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ ایک لگا تار جاری رہنے والا عمل ہے۔ مستقبل میں شولا پور میں اور بھی حقیق پیدا ہوں گے بلکہ یہ سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ شولا پور میں یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ یہاں پی۔ ایچ۔ دی ڈگری کے لیے انتظامات کیے گئے ہیں۔ مستقبل میں ایم۔ فل۔ کی باقاعدہ شروعات ہوگی تو بہت سے محقق یہاں پیدا ہوں گے راقم کی یہ کوشش رہے گی کہ یہاں ایسے محقق پیدا کرے جو اردو ادب کے علاوہ شولا پور کے ادب پر بھی تحقیقی کام کرے۔

## حواشی

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	ناشر	سن اشاعت	صفحہ
(۱)	شولا پور تاریخ کے آئینے میں	نسیم منان -	اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور -	۱۹۹۹ء	۱۲۲
(۲)	ایضاً -	ایضاً -	ایضاً -	ایضاً -	۱۲۳
(۳)	بگل	اثر شولا پوری -	علوی بک ڈپو، ممبئی -	۱۹۷۲ء	۵
(۴)	ایضاً -	ایضاً -	ایضاً -	ایضاً -	۱۰، ۱۱
(۵)	ایضاً -	ایضاً -	ایضاً -	ایضاً -	۵
(۶)	یہ شام بھی کہاں ہوئی -	سید عباس، صفی انور، عارف خورشید -	نوائے دکن، پبلکیشنز، اورنگ آباد ۱۹۸۲ء		۷
(۷)	اعتماد، حیدر آباد - مراٹھواڑہ کے	نمائندہ افسانہ نگار - سید عباس -	ڈاکٹر شجاع کامل	۵ جنوری ۲۰۰۶ء	حیدر آباد
(۸)	یہ شام بھی کہاں ہوئی	سید عباس، صفی انور، عارف خورشید -	نوائے دکن، پبلکیشنز، اورنگ آباد ۱۹۸۲ء		۱۳، ۱۴
(۹)	ایضاً - (افسانہ - ادھوری بات)	ایضاً -	ایضاً -	ایضاً -	۳۳، ۳۲
(۱۰)	اعتماد، حیدر آباد - مراٹھواڑہ کے	نمائندہ افسانہ نگار سید عباس -	ڈاکٹر شجاع کامل -	۵ جنوری ۲۰۰۶ء	اعتماد حیدر آباد
(۱۱)	اکڑہ جگورا	نسیم منان -	نسیم منان ۳۳۵، شکر پیٹھ، شولا پور -	۱۹۸۵ء	۳، ۴
(۱۲)	انٹرویو - شاعِل ادیب، ۲۵، نومبر ۲۰۰۸ء	نیرنگ ادب پبلکیشنز			
(۱۳)	حروفِ تابندہ (شاعِل ادیب کے نثری مضامین - اظہر افسر)	شاعِل ادیب -	صدیق نگر حیدر آباد -	۱۹۹۳ء	۳۱



MRP - DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR

۱۴	حروفِ تابندہ (دیباچہ) یوسف ناظم۔	شاغل ادیب۔	صدیق نگر حیدر آباد۔	۱۹۹۳ء	۳
۱۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۴
۱۶	ایضاً۔ (حروفِ تابندہ،				
۳۲	روح کی آواز) عاتق شاہ۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً	
۱۷	ایضاً۔ مضمون۔ قوم۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۱۷
۱۸	ایضاً۔ مضمون۔ قومی یکجہتی	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۴
۱۹	حروفِ تابندہ (مضمون بھائی چارگی)	شاغل ادیب۔	صدیق نگر حیدر آباد۔	۱۹۹۳ء	۷
۲۰	ایضاً۔ مضمون منزل۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۸
۲۱	ایضاً۔ مضمون شراب نوشی۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۱۰
۲۲	ایضاً۔ مضمون شراب نوشی۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۳۰
۲۳	ذوقِ نظر (اعتراف) یعقوب علی خطیب	ایم۔ ایم۔ شیخ۔	اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔	۱۹۹۹ء	۵
۲۴	ذوقِ نظر مضمون اُردو مدارس کو	درپیش اساتذہ کے مسائل۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً
۲۵	ایضاً۔ مضمون۔ مولانا آزادی				
۷۰	ولادت کی صدر سالہ سالگرہ کے موقع پر	ایضاً	ایضاً	ایضاً	
۲۶	ایضاً۔ مضمون۔ اقبال شاعر اسلام۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۱
۲۷	کاروانِ ادب مضمون تحریک				
۷۰، ۶	آزادی اور قومی یکجہتی	تسیم منان۔	کاروانِ ادب شولا پور۔	۱۹۹۸ء	
۲۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۷
۲۹	کہکشاں۔	کاروانِ ادب۔	کاروانِ ادب، شولا پور۔	۲۰۰۶ء	۴
۳۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۴
۳۱	شیم غزل۔ (پیش لفظ) عبدالرزاق رند	عبدالحمید محبت شولا پور۔	رند شولا پوری لوک مانیہ تلک	۲۰۰۴ء	۵

ہونگی روڈ، شولا پور۔

۱۷	۲۰۰۳ء	شاخ، شولا پور۔	محمد حنیف درویش	عبدالرزاق رند شولا پوری۔	کلیاتِ درویش (مضمون۔ تقریظ)	(۳۲)
۱۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔		(۳۳)
۱۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔		(۳۴)
۱۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔		(۳۵)
۱۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔		(۳۶)
			ڈاکٹر گلام دستگیر	جشن غفور انیس مضمون۔		(۳۷)
۳۴	۲۰۰۴ء	غفور انیس میموریل ٹرسٹ، شولا پور	غفور انیس ماضی حال اور مستقبل کا شاعر۔ رند			
۳۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔		(۳۸)
۳۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔		(۳۹)
۳۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔		(۴۰)
			متاعِ سخن۔ مضمون حبیب احمد۔ شخصیت			(۴۱)
۱۰	۲۰۰۵ء	شاستری نگر، شولا پور۔	حبیب احمد شوق	اور شاعری۔ عبدالرزاق رند۔		
۱۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔		(۴۲)
			کاروانِ ادب مضمون مولانا آزاد			(۴۳)
۸	۱۹۹۸ء	کاروانِ ادب شولا پور۔	تسیم منان۔	ایک بے باک و بے مثال صحافی		
۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔		(۴۴)
			شہر شولا پور کے کے روشن چراغ۔			(۴۵)
۲	۲۰۰۶ء	میموریل ٹرسٹ، شولا پور۔	ڈاکٹر غلام دستگیر	مضمون قصہ چہد مسلسل کا۔ پروفیسر عبدالجلیل		
۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔		(۴۶)

۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۷)
۴۰	۲۰۰۴ء	ٹرسٹ، شولا پور۔	ڈاکٹر غلام دستگیر	جشن غفور انیس۔	(۴۸)
				مضمون کلام غفور انیس میں حقیقت نگاری، عبد الجلیل	
۴۱	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۹)
۴۰	۲۰۰۴ء	غفور انیس میموریل ٹرسٹ	ڈاکٹر غلام دستگیر	صبح غزل، مضمون	(۵۰)
				کلام غفور انیس میں حقیقت نگاری، عبد الجلیل	
۱۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۱)
۱۰	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۲)
۱۲	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۳)
۱۴	۲۰۰۱ء	بزم غالب شولا پور۔	حافظ عبداللہ	آئینہ وفا۔ معصوم قلندر۔ بشیر پرواز۔	(۵۴)
				دشت جنوں۔ شاعر حیات۔ غفور انیس	(۵۵)
۱۶	۲۰۰۴ء	غفور انیس میموریل ٹرسٹ، شولا پور	غفور انیس	بشیر پرواز	
۱۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۶)
۱۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۵۷)
				ارتکا ز خیال۔ رفیع نواز کا کلام تنقید	(۵۸)
۹-۸	۲۰۰۳ء	گل بوٹے پبلی کیشنز ممبئی۔	رفیع نواز	کانہیں، تحسین کا مستحق ہے پرواز۔	
				متاعِ سخن۔ حبیب شوق۔ رنگ	(۵۹)
۶	۲۰۰۵ء	شاستری نگر شولا پور۔	حبیب احمد شوق	واہنگ کا محسوس شاعر۔ بشر پرواز	
۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۰)
۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۱)
۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۲)

۸	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۳)
۹	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۴)
				عارف نعمانی شخصیت اور فن۔	(۶۵)
۱۷۳	۲۰۰۲ء	محمد صدیق نقوی ادونی۔	محمد صدیق نقوی	مضمون، عصری حیثیت کا شاعر پرواز	
۱۷۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۶)
				عارف نعمانی شخصیت اور فن	(۶۷)
۱۷۴	۲۰۰۲ء	محمد صدیق نقوی ادونی۔	محمد صدیق نقوی	مضمون، عصری حیثیت کا شاعر پرواز	
		این۔ آر۔ پیریا۔ میموریل		جشن غفور انیس۔ مضمون تنقید	(۶۸)
۶۴، ۶۳	۲۰۰۴ء	ٹرسٹ، شولا پور	ڈاکٹر غلام دستگیر۔	اور ادب کا رشتہ۔ بشیر پرواز	
۶۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۶۹)
۶۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۷۰)
				کلیاتِ درویش	(۷۱)
۱۰	۲۰۰۳	شاخ، شولا پور۔	محمد حنیف درویش۔	(تعارف، اعجاز نبی کا ریکر۔)	
		عبدالرزاق رندلوک مانیکر،		بارود کے پھول،	(۷۲)
۴	۲۰۰۴ء	عبدالرزاق رند، شولا پوری۔ ہونگی روڈ، شولا پور۔		(اظہار تشکر، رند شولا پوری)	
		عبدالرزاق رندلوک مانیکر،		بارود کے پھول،	(۷۳)
۷	۲۰۰۴ء	عبدالرزاق رند، شولا پوری۔ ہونگی روڈ، شولا پور۔		(اظہار تشکر، رند شولا پوری)	
				کاروانِ ادب۔ مضمون، مولانا	(۷۴)
۵، ۴	۱۹۸۸ء	کاروانِ ادب، شولا پور۔	ایم۔ اے۔ رگمیز۔	ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت۔	
		مولانا ابوالکلام آزاد		لہو ترنگ۔ (لہو ترنگ۔ شاعر۔	(۷۵)
۶	۱۹۹۲ء	سوسائٹی شولا پور۔	باور شولا پوری۔	الیاس احمد الیاس)	

- (۷۶) نوک سوزاں۔ (کچھ اپنے بارے میں۔ الیاس شولا پوری۔) الیاس شولا پوری۔ بزم غالب شولا پور۔ ۲۰۰۳ء ۵
- (۷۷) متاعِ سخن (حرف چند۔ الیاس شولا پوری) حبیب احمد شوق حبیب احمد شوق، شاستری نگر، شولا پوری ۲۰۰۵ء ۱۵
- (۷۸) بال و پر (تعارف، عبدالرشید ارشد) محمد حنیف بے چین فلورا بک ڈپو، شولا پور۔ ۱۹۸۹ء ۴
- (۷۹) دشتِ جنوں (شولا پور کا ادبی پس منظر) عبدالرشید ارشد۔ غفور انیس۔ غفور انیس میموریل ٹرسٹ شولا پور ۲۰۰۴ء ۶
- (۸۰) شہر شولا پور کے روشن چراغ۔ ڈاکٹر غلام دستگیر۔ این آر پیریا میموریل ٹرسٹ شولا پور ۲۰۰۶ء ۱۸، ۱۷
- (۸۱) شولا پور تاریخ کے آئینے میں نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔ ۱۹۹۹ء ۸
- (۸۲) جشن غفور انیس ڈاکٹر غلام دستگیر این۔ آر۔ پیریا، میموریل این۔ آر۔ پیریا، میموریل ٹرسٹ شولا پور۔ ۲۰۰۴ء ۶
- (۸۳) مہاتما گاندھی ایک سیاسی رہنما۔ از عبدالرشید شیخ روزنامہ مقدس شولا پور۔ ۳ اکتوبر ۱۹۹۹ء
- (۸۴) عہد عالمگیر کے درباری اخبار۔ سید شاہ غازی الدین۔ ادارہ برائے مطالعہ و تحقیق دکن شولا پور ۲۰۰۰ء ۷
- (۸۵) مہاتما جوتی باپھلے حیات اور کارنامے۔ مقدمہ۔ سید افتخار احمد۔ سید شاہ غازی الدین۔ ادارہ برائے مطالعہ و تحقیق دکن شولا پور ۲۰۰۰ء ۱۸
- (۸۶) اُردو بک ریویو۔ تبصرہ دانش اقبال۔ محمد عارف اقبال۔ اُردو بک ریویو پوڈی جولائی، اگست ۲۰۰۸ء
- (۸۷) روزنامہ انقلاب ممبئی۔ کالم خاص مضمون، کو اسلام سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ حسن کمال ڈاکٹر امبیڈکر یکم جون ۲۰۰۸ء
- (۸۸) تاریخ شولا پور و مختصر تاریخ دکن۔ مجاہد القاسمی۔ مجاہد القاسمی۔ ۱۰ اسہارا نگر شولا پور۔ ندارد۔ ۱

## باب پنجم

### اردو ڈرامے کے فروغ میں شولا پور کے ڈرامہ نگار اور ڈرامہ گروپس کا حصہ

ڈرامہ شولا پور کی مٹی میں شامل ہے۔ شولا پور میں شاعری کی روایت جتنی قدیم ہے۔ ڈرامہ کی شروعات بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ شولا پور میں ڈرامہ کی روایت تقریباً سو سال پرانی ہے۔ اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ پہلا ڈرامہ کب اور کہاں کھیلا گیا اور اسے کس نے کھیلا البتہ بزرگوں سے اس ضمن میں گفتگو کے بعد پتہ چلا کہ یہاں ڈراموں کی روایت کافی پرانی ہے۔ ابتدائی دور میں یہاں مختلف ڈھنگ سے ڈرامے کھیلے جاتے تھے۔ ان کے نام مختلف تھے۔ ڈرامے کھیلنے کے طریقے بھی الگ تھے۔ اکثر محرم کے مہینے میں ”تختِ رواں“ اور ”دربار“ کے نام سے یہ ڈرامے کھیلے جاتے تھے۔ ”تختِ رواں“ اور ”دربار“ کھیلنے کا طریقہ آج کے ٹکڑا ٹک (Street Play) کی طرح ہوتا تھا۔ یہ ڈرامے چوراہوں پر ہوتے تھے۔ ان میں واقعات کر بلا کی عکاسی ہوتی تھی۔ گویا ڈرامہ صوفیائے کرام کے تبلیغ دین کی طرح کام کیا کرتا تھا۔ بزرگوں سے یہاں تک سنا ہے کہ ان ڈراموں کو صوفیائے کرام کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔ ان ڈراموں کا مقصد اخلاقیات کی تعلیم اور اس کے پیرائے میں مذہب کی تعلیم تھا۔ چوں کہ شولا پور مزدوروں کا علاقہ رہا ہے اس لیے یہاں کے لوگ محنت و مشقت کے عادی تھے۔ دن بھر کام کرنا اور رات کو تھک کر سو جانا ان کا معمول رہا ہے۔ زیادہ تر عوام تنگ دستی و مفلسی کا شکار رہی ہے۔ ان کے پاس وقت گزاری کے کوئی خاص ذرائع نہ تھے۔ اس لیے لوگ تفریح کے لیے اپنے ہی ساتھیوں کے ساتھ گپ ہانکتے تھے یا گیت گاتے تھے یا کسی کی نقل اتارتے تھے۔ ان ہی چیزوں سے ان کے اندر فنکارانہ صلاحیتیں پیدا ہوتی چلی گئیں۔ زندگی کی تلخیاں، کرب، کچھ کرنے کی چاہت یہ سب ایسے جذبات تھے جو اظہار کا ذریعہ چاہتے تھے۔ جب انھیں ڈرامہ کرنے کا موقع ملا تو یہ جذبات اٹھانے کے لیے باہر آنے لگے اور وہ اچھے فنکار ثابت ہونے لگے۔ عوام کے پاس بھی وقت گزاری کا کوئی ذریعہ نہ تھا وہ ان ڈراموں کو دیکھنے میں دلچسپی لینے لگے۔ ویسے بھی ڈرامہ اس زمانے میں ایک ایسی تفریح کا ذریعہ تھا جسے دیکھنے اور لطف اندوز ہونے کے لیے ہونے کے لے روپیوں پیسوں کی ضرورت نہ تھی۔ یہی وجوہات رہی ہوں گی جس کی وجہ سے یہاں کا ماحول ڈرامہ کے لیے سازگار ثابت ہوا۔

وجہ جو بھی ہو شولا پور میں ڈرامہ کی فضاء قائم ہوئی۔ یہاں کے فنکاروں نے اس کی طرف توجہ دی اس فروغ میں حصہ لیا اور اس کی روایت کو آگے بڑھایا۔ آج شولا پور کا ڈرامہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ترقی پر ہے۔ ہاں کے فنکار اس کی باریکیوں سے واقف ہیں۔ نہ صرف واقف ہیں، بلکہ اس فن میں نئے نئے تجربے بھی کرتے رہتے ہیں۔ اپنی انہی فنکارانہ

صلاحیتوں کی بدولت نہ صرف مہاراشٹر بلکہ سارے ہندوستان میں اپنے فن کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان جا کر بھی اپنی فنکاری کا لوہا، وہاں کی عوام سے منوا چکے ہیں۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ یہاں کے فنکاروں نے ڈرامے لکھے بھی، پیش بھی کیے، کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن اس کا کوئی تحریری ریکارڈ نہیں رکھا۔ شولا پور میں ڈرامہ نگاری اور ڈرامہ کی پیش کش دونوں شعبوں میں جو کام ہوا اس کا تحریری ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ نا ہی اب تک کسی نے بھی اس کی کوئی مستقل تاریخ قلمبند کی ہے۔ یہ ساری تنک سارے گر، سینہ بہ سینہ چلے آرہے ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ لوگ اپنی ذات کی خوشی کے لیے ڈرامے کیا کرتے تھے یا تفریح و طبع کے لیے یا سماج کی اصلاح ان کا مقصد ہوتا تھا۔ اس شعبہ سے ان کا تعلق تھا۔ بس!۔۔۔ فنی سطح پر ڈرامہ کیا! داد و تحسین حاصل کی! اپن مقصد پورا کیا اور چھوڑ دیا۔ پھر نئے ڈرامہ کی طرف رجوع ہو گئے۔ اس طرح یہ معاملہ چلتا رہا۔ البتہ ڈرامہ کی اسکرپٹ ضرور لکھی جاتی تھیں۔ لیکن کسی کو یہ خیال مطلق بھی نہیں آیا کہ ان اسکرپٹوں کو جمع کر کے شائع کیا جائے۔

راقم الحروف بھی ڈرامہ فیلڈ سے تعلق رکھتا ہے۔ ڈرامہ سے اپنے ذاتی شغف کی بنیاد پر اس کی تحقیق کا بھی ذوق رکھتا ہے۔ لیکن جب راقم نے شولا پور کی ڈرامہ نگاری کی تاریخ لکھنی چاہی تو بڑی مایوسی ہوئی۔ کیوں کہ حوالے کے لیے کوئی تحریری ریکارڈ نہیں ملا۔ جو کچھ معلوم ہوا بزرگوں سے گفتگو کے بعد معلوم ہوا۔ ایک آدھ مضمون ہاتھ لگا جسے دورِ حاضر کے نوجوان اقبال سید نے تحریر کیا تھا۔ جب ان سے رابطہ قائم کیا تو انھوں نے بھی یہی کہا کہ ”میں نے بھی بزرگوں سے گفتگو کے بعد جو معلومات ملی اسی کو لکھا ہے“۔ عین ممکن ہے کہ یہاں ڈراموں کا اور بھی کام ہوا ہو۔ راقم کا تجسس اور بڑھا اور راقم الحروف اس نتیجے پر پہنچا کہ بہت سے لوگوں سے ملاقات کی جائے۔ ان سے انٹرویو لیے جائیں۔ حاصل شدہ معلومات کا تجزیہ کیا جائے جو، صحیح اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ جن باتوں کی تصدیق ہوتی ہے ان کو یکجا کر کے ایک مستقل تاریخ لکھی جائے۔ اگلے صفحات میں درج معلومات راقم کی اسی تگ و دو اور کوششوں کا ثمرہ ہیں۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ ڈرامہ چوں کہ صرف لکھنے کی چیز نہیں ہے اس کو کھیلا بھی جاتا ہے۔ تو گویا لکھنا اور پیشکش دونوں فن ہیں۔ شولا پور میں ان دونوں شعبوں پر توجہ دی گئی ہے۔ اس لیے راقم الحروف نے اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصے میں شولا پور کے ڈرامہ نگاروں کی ڈرامہ نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں اس کی پیشکش کا حال درج ہے۔

### شولا پور کے ڈرامہ نگار اور ان کی ڈرامہ نگاری

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ شولا پور میں ڈرامہ کی روایت سو سال پرانی ہے۔ ابتدائی دور میں یہاں جو ”تختِ رواں“

اور ”دربار“ کھیلے گئے۔ ان کے لکھنے والے بھی مقامی لوگ ہی تھے لیکن افسوس صد افسوس کہ ان کی تحریریں ضائع ہو گئیں۔ اس زمانے میں منظوم ڈرامے کھیلے گئے۔ یہ سارے ڈرامے محرم کے مہینے میں کھیلے جاتے تھے۔ صوفیائے کرام کے کلام میں محرم کے مہینے میں گائے جانے والے ”صدی میل“ کی روایت شولا پور میں ملتی ہے۔ صدی میل لکھنے والوں میں اکبر قاسم اور گل رو وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ ان کے ”صدی میل“ کلام دستیاب ہیں۔ (باب دوم میں اکبر قاسم کے صدی میل کی مثال درج ہے) لیکن ڈراموں کی اسکرپٹ دستیاب نہیں۔ البتہ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان ”صدی میل“ کا استعمال ڈراموں میں خوب ہوتا تھا۔ اس زمانے کے کسی خاص ڈرامہ نگار کا نام تو معلوم نہ ہو سکا البتہ ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ ایک ڈرامہ نگار کے متعلق معلوم ہوا جن کا نام علاؤ الدین منشی تھی۔ راقم الحروف ان ہی سے اپنی بات شروع کرتا ہے۔

☆ علاؤ الدین منشی کے ڈرامہ نگاری:

۱۹۲۵ء کے آس پاس شولا پور کے ”تخت رواں“ اور ”دربار“ سے متاثر ہو کر علاؤ الدین منشی صاحب نے کئی ڈرامے لکھے۔ منشی صاحب بذات خود ایک مصنف، اداکار اور ہدایت کار تھے۔ ڈرامہ سے آپ کو کافی دلچسپی تھی۔ چنانچہ آپ نے ڈرامہ لکھنے کی طرف بھی توجہ دی۔ آپ نے بہت سے ڈرامے لکھے ہیں۔ ایک ڈرامہ کافی مقبول ہوا جس کا نام ”دربار کی صورت“ تھا۔ اس ڈرامہ کا موضوع امیری اور غربی کے درمیان کشمکش تھا۔ ڈرامے میں اس کشمکش کو بڑی حسن و خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ ڈرامہ کی کردار نگاری بہترین تھی۔ مکالمہ نگاری بھی بہت اچھی تھی۔ ڈرامہ کے مکالموں کو عوام نے بے حد پسند کیا۔ سماجی موضوع پر لکھا جانے والا یہ پہلا ڈرامہ تھا۔ اس سے پہلے کے ڈراموں میں مذہبی موضوعات ہوا کرتے تھے۔ یہاں سے سماجی ڈراموں کی شروعات ہوئی۔ عوام نے اسے بے حد پسند کیا۔ یہ ڈرامہ الہلال احمد علی ڈرامیٹک کلب شنوار پیٹھ کے زیر اہتمام کھیلا گیا۔ منشی صاحب نے اور بہت سے ڈرامے لکھے لیکن وہ دستیاب نہیں ہیں ۲

☆ ایچ۔ ایم۔ شیخ کی ڈرامہ نگاری:

ڈاکٹر ایچ۔ ایم۔ شیخ شولا پور کی معتبر شخصیت ہیں۔ آپ ممبئی میں سینیر کالج میں اردو کے لکچرار تھے۔ آپ نے ایس۔ ایس۔ اے۔ آرٹس، اینڈ کامرس کالج شولا پور کے ”بزم اردو ادب“ کے پروگرام میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ کی ممبئی کی دوران ملازمت میں شہنشاہ جذبات دلپ کمار کو آپ نے پڑھایا ہے۔ اس پر آپ کو فخر بھی ہے۔ جناب عبدالستاد دلووی آپ کے ساتھی پروفیسر رہ چکے ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں آپ ایس۔ ایس۔ اے۔ آرٹس اینڈ کامرس کالج کے پہلے پرنسپل بھی رہ چکے ہیں۔ اس وقت وہ اپنی پہلی ملازمت سے وظیفہ یاب ہو چکے تھے۔ آپ نے بہت سے ڈرامے لکھے لیکن ایک ڈرامہ کافی مقبول ہوا جس کا نام ”انارکلی“ تھا۔ اس ڈرامے کے شولا پور میں چار کمر شیل شوز بھی ہوئے۔ آپ کے دیگر ڈراموں کے متعلق



معلومات نہ مل سکی۔ ۳

ایچ۔ ایم۔ شیخ کا یہ ڈرامہ کافی اہم اس لحاظ سے بھی ہے کہ امتیاز علی تاج کے ”انارکلی“ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اسٹیج نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مکالمے بہت طویل ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے یہ ڈرامہ لکھ کر بہت حد تک اس کمی کو پورا کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب چوں کہ اردو کے پروفیسر تھے۔ شاید ان کے نزدیک یہ نکتہ ضرور رہا ہوگا۔ اسی لیے انھوں نے ”انارکلی“ ڈرامہ تحریر کیا اور اس کو پیش بھی کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف یہ ڈرامہ لکھا بلکہ اس کو ہدایت بھی آپ ہی نے دی اور اس میں اداکاری کے بھی جوہر دکھائے۔

☆ قدیر شولا پوری کی ڈرامہ نگاری:

قدیر شولا پوری ایک قد اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مدرس بھی تھے۔ شولا پور مہانگر پالیکا کے اردو مدرسہ نمبر ۷ میں آپ درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے تھے۔ اس زمانے میں بین المدارس ڈرامہ مقابلے لیے جاتے تھے۔ ان میں قدیر صاحب نے اپنی اسکول کی طرف سے ۱۹۵۸ء میں ایک ڈرامہ ”چھایا“ پیش کیا۔ ۴ اس ڈرامے کو اول انعام بھی ملا۔ ”چھایا“ ایک بچوں کا ڈرامہ تھا۔ اس ڈرامے کو بھی بہت پسند کیا گیا۔ عین ممکن ہے کہ قدیر صاحب نے اور بھی ڈرامے لکھے ہوں لیکن ان کے ڈرامے دستیاب نہیں ہیں۔ ان کے دو مجموعہ کلام، ”بوئے پیرا ہن“ اور ”ترانے“ شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن کسی نے بھی ڈراموں کی تحقیق نہیں کی ان کے ڈراموں کی تلاش کی جائے تو عین ممکن ہے کہ کچھ اور ڈرامے نکل آئیں۔

☆ پروفیسر علاؤ الدین شاد کا مبلے کی ڈرامہ نگاری:

آپ کا پورا نام علاؤ الدین اسماعیل کا مبلے ہے۔ شاد آپ کا تخلص ہے۔ ۳، مارچ ۱۹۳۸ء کو آپ شولا پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیمی قابلیت ایم۔ اے۔ ہے۔ آپ نے اردو، فارسی میں شولا پور کی دیانند کالج سے ایم۔ اے۔ کیا۔ آپ نے ملازمت کی ابتداء بیدر سے کی بعد ازاں ۱۹۶۵ء میں سنگمیشور کالج میں اردو فارسی کے پروفیسر ہوئے۔ ۱۹۹۸ء میں وظیفہ یاب ہوئے۔ آپ نے سنگمیشور کالج کی گیدر رنگ کے لیے کئی ڈرامے لکھے۔ اور ترجمے کیے۔ راقم الحروف نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کی ڈرامہ نگاری کے متعلق گفتگو کی۔ آپ نے بتایا کہ:

”میرے پاس میرے لکھے ڈرامے محفوظ نہیں ہیں۔ بہت سے ڈرامے میں نے لکھے مگر اب ضعیفی کی وجہ سے یاد کر کے نام بتانا بھی مشکل ہے۔ البتہ جو ڈرامے بہت مشہور ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) شیروانی، بریانی، پریشانی (فل لینتھ) (۲) فلمی بخار (یک بابی) (۳) گھنٹی کون بجائے

گ۔ (یک بابی)“ ۵

ضعیفی کی وجہ سے موصوف کی یادداشت کمزور ہو گئی ہے لیکن آپ نے اپنے حافظے پر زور دے کر مذکورہ ڈرامے کے نام بتائے۔ راجہ باغبان صاحب نے اپنے انٹرویو میں علاؤ الدین شاد کے ایک ڈرامے کا ذکر کیا جس کا نام ”چوٹی رانی، موچھیں غلام تھا۔ راجہ صاحب نے اس میں اداکاری کی تھی۔ پہلا ڈرامہ مراٹھی کے مشہور ڈرامہ نگار بال کولہٹکر کا ترجمہ ہے۔ اس کا مراٹھی نام ”بال پنی دیگا دیوا“ تھا۔ دوسرا ڈرامہ آپ کا طبع زاد ڈرامہ ہے۔ اس میں نو جوانوں پر فلم بینی کے برے اثرات کو مزاحیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے ڈرامے میں کالج کے مسائل بتائے گئے ہیں۔ اس میں بیون کی لاپرواہی اور کالج کی بد نظامیوں پر طنز کیا گیا ہے۔ موصوف اگر اپنے ڈرامے محفوظ رکھتے تو شولا پور کے ڈرامہ کے سرمایے میں اضافہ ہوتا۔

☆ نسیم منان کی ڈرامہ نگاری:

شولا پور کی ڈرامہ نگاری کا ایک معتبر نام عبدالمنان نسیم کا ہے۔ نسیم منان صاحب میں ڈرامہ نگاری کی ساری صلاحیتیں تھیں۔ وہ فن ڈرامہ نگاری سے بخوبی واقف تھے۔ منان صاحب ایک مدرس تھے۔ ایم۔ اے۔ پانگل اینگلو اردو ہوائی اسکول و جونیئر کالج میں اردو اور تاریخ پڑھاتے تھے۔ اس مقالے میں ان کا ذکر کئی جگہ پر کئی حیثیتوں سے آچکا ہے۔ راقم الحروف کو بھی ڈرامہ کا شوق آپ ہی کی صحبت و قربت سے نصیب ہوا ہے۔ آپ میں ڈرامہ نگاری کا شوق شولا پور کی قدیم روایت اور ڈرامہ کے ماحول سے پیدا ہوا۔ شولا پور کے ایک معتبر ڈرامہ نگار اداکار اور ہدایت کار راجہ باغبان ”جو راقم الحروف کے اس فیلڈ کے استاد ہیں“ نے بتایا کہ منان صاحب اکثر ان سے کہا کرتے تھے کہ ”مجھے ڈرامہ نگاری کی ترغیب محمد حنیف مرتضیٰ عرف پہلوان جناب (اردو پرائمری اسکول میں مدرس تھے) اور لالکوٹ جناب (اردو پرائمری اسکول کے مدرس) سے ملی۔ یہ دو حضرات مجھ سے اردو اسکول کی گید رنگ کے لیے ڈرامے لکھواتے تھے۔“ ان کے بیشتر ڈرامے ان کے فرزند ان کے پاس محفوظ ہیں۔ راقم الحروف کو۔ ان کے فرزند تنویر احمد اور بابا قدیر نے ان کے ڈراموں کے جو نام بتائے وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ ☆ بہار آنے تک (فل لینتھ)، ☆ جلتے چمن (یک بابی)، ☆ سوسونا کی (فل لینتھ) ☆ ڈھیلی کھاٹ (فل لینتھ) ☆ فیصلہ (یک بابی)، ☆ شکنہ (یک بابی)، اس کے علاوہ نسیم صاحب نے بچوں کے لیے بہت سے ڈرامے لکھے جو مختلف اسکولوں کی گید رنگوں میں کئی مرتبہ کھیلے گئے۔ ان میں مزاحیہ مشاعرہ، بیکاں کا کورٹ، کلوڈا کو، میں بکرا ہوں، باکسر، پپی برتھ ڈے، ہمدردی، منحوس قدم، ٹی۔ وی۔ کاروگ، اندھیار وغیرہ شامل ہیں۔

نسیم صاحب کے ڈرامے ڈرامہ نگاری کے تمام فنی تقاضوں پر پورے پورے اترتے ہیں۔ آپ کی ڈرامہ نگاری کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے ڈراموں کے لیے اخلاقی موضوعات کا انتخاب کیا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت قدیر کے

مرید تھے اور ہمیشہ سماجی اصلاح کے پیش نظر صوفیا کے طریقے پر چلتے تھے۔ فیصلہ اس کی بہترین مثال ہے۔ فیصلہ ایک ایسا ڈرامہ ہے جسے لوگوں نے اسلامی ڈرامہ بھی کہا۔ ڈرامہ کے ذریعے اگر اسلام کی تعلیم دی جاسکتی ہے تو نسیم منان کا یہ ڈرامہ اس کی بہترین مثال ہے۔

### ☆ ڈھلی کھاٹ ایک شاہکار ڈرامہ:

نسیم منان کے تمام ڈراموں میں ”ڈھلی کھاٹ“ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ راقم الحروف ہی پہ کیا موقوف ہے۔ شولا پور کے بیشتر ماہر ڈرامہ اس کو صرف نسیم صاحب کا نہیں شولا پور کا شاہکار ڈرامہ مانتے ہیں۔ اس ڈرامہ کا موضوع شولا پور کا مزدور سماج اور اس کے مسائل ہیں۔ اس کی کردار نگاری لا جواب ہے۔ نسیم صاحب نے فضلو، جیبون، گھریا، نانا، سیٹھ، گورکھا، پاگل، لکشمی، شامو کے پیرائے میں شولا پور کے جیتے جاگتے کردار تخلیق کیے ہیں۔ پڑھنے اور دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا ہے کہ ان کرداروں سے وہ مل چکے ہیں۔ بات کر چکے ہیں بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ہر شولا پور اپنی تصویر ان کرداروں میں دیکھتا ہے۔ اس میں نسیم صاحب کی باریک بینی سماجی مطالعہ اور گہری نظر اور گہر مشاہدہ موجود ہے۔ راقم الحروف کی نظر میں یہ ڈرامہ شولا پور کے مسلمانوں کی سماجی و ثقافتی تاریخ ہے۔ آج کل تاریخ نگار بھی سیاسی تاریخ سے ہٹ کر سماجی و ثقافتی تاریخ نویسی کا نظر یہ پیش کر رہے ہیں۔ کیونکہ سیاسی تاریخ میں بادشاہوں، جاگیرداروں اور امراء و سوا کا تذکرہ ہوتا ہے عوام، سماج اور تہذیب و تمدن کا ذکر کم ہی ہوتا ہے۔ اس ڈرامے کے مطالعے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے۔ ڈھلی کھاٹ شولا پور کے مسلمانوں کی سماجی تاریخ ہے۔ اس ڈرامے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میلوں میں کام کرنے والے مسلم سماج کی گھریلو حالت کیا تھی اور سماج کیسا تھا۔ ان کے مسائل کیا تھے۔ ان کے سکھ دیکھ، ہنسی، مذاق، نوک جھونک، رسم و رواج کیا اور کیسے تھے۔ نسیم صاحب نے زبان بھی وہی استعمال کی ہے جو اس وقت شولا پور کی عام بول چال میں استعمال ہوتی تھیں۔ بولی بھاشا کے روزمرہ، ضرب الا مثال، محاورے بھی وہی استعمال کیے۔ یہاں تک کہ عورتوں کی زبان اور لب و لہجہ و لفظیات بھی من و عن ہیں۔ اس لحاظ سے اس ڈرامے کو بجا طور پر شولا پور کی سماجی و تہذیبی تاریخ کہہ سکتے ہیں۔ اس ڈرامے کو شولا پور والوں نے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ اس ڈرامے کو کئی ڈرامے گروپوں نے پیش کیا۔ اس کے کمرشیل شو بھی ہوئے۔

مذکورہ ڈراموں کے علاوہ بچوں کے ڈراموں میں بھی منان صاحب نے سماجی مسائل کو بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ڈرامے کے اختتام پر وہ بڑی حسن و خوبی سے درس اخلاقیات دیتے ہیں۔ ایسا کرتے وقت ڈرامہ کا مجموعی تاثر ضائع نہیں ہوتا۔ ڈرامہ صرف تبلیغ نہیں معلوم ہوتا۔ ڈرامہ کی جو اصل شرط ہے چونکا دینا۔ یہ ان کے ڈراموں میں موجود ہوتی ہے۔ ان کا قاری و ناظر اس سے محفوظ ہوتا رہتا ہے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے بڑے فرزند، تنویر احمد بیجا پور نے

آپ کے بچوں کے ڈراموں کے دو انتخاب ”ہنسامت (۲۰۰۴ء)“ میں ”گلگلے (۲۰۰۷ء)“ میں شائع کیے ہیں۔ ”ہنسامت“ میں کل تین ڈرامے ہیں۔ ”ہمدردی“، ”ٹی۔ وی۔ کاروگ“، اور ”منحوس قدم“۔ ”گلگلے“ میں دو ڈرامے ”بیکاس کا کورٹ“ اور ”گڑ بڑ گھٹالا“ شامل ہیں۔ ویسے بقول فرزند ان منان ان کے ڈراموں کی کل تعداد ۱۸ ہے۔ راقم الحروف کو اس بات کی خوشی اور تسلی ہے کہ آپ کے فرزند ان ان ڈراموں کو شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اس ضمن میں پہل بھی کر چکے ہیں۔ مذکورہ دو کتابچے اس بات کا ثبوت ہیں۔

نسیم منان صاحب نے شولا پور میں ڈرامہ کو فروغ دینے اور اس کی ترقی و ترویج کے لیے بھی بہت کوششیں کی ہیں۔ آپ کی ترغیب کی وجہ سے شہر میں بہت سے فنکار پیدا ہوئے۔ آپ شولا پور میں ”فنکار ڈرامہ اسوسی ایشن“ اور انوار ڈرامہ اسوسی ایشن کے بانیوں میں سے ہیں۔ ان ڈرامہ گروپ کے علاوہ دیگر گروپس کو بھی آپ ہر لحاظ سے تعاون کرتے رہے۔

☆ تجمل تمنا کی ڈرامہ نگاری:

تجمل حسین سرفراز حسین قاضی شولا پور کے ڈرامہ نگاروں میں سے ایک ہیں۔ آپ شاعر بھی ہیں۔ تمنا آپ کا تخلص ہے۔ آپ بڑے قابل آدمی ہیں۔ آپ کی تعلیمی قابلیت، ایم۔ اے۔ ہے۔ آپ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔ فی الحال گلف میں انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ ۸

آپ کو ڈرامہ نگاری کا شوق تھا۔ یہ فنکار ڈرامہ اسوسی ایشن سے جڑے ہوئے تھے۔ آپ نے بھی ڈراما نگاری کی طرف توجہ دی۔ راقم الحرف کو آپ کے تین ڈراموں کے نام معلوم ہوئے جو یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ ”آئینہ“، ”ظلم“، اور ”منزل دور ہے“ وغیرہ۔ آپ کے یہ ڈرامے سٹیج کیے جا چکے ہیں۔ یہ ڈرامے بھی کافی مقبول ہوئے۔ اس باب کے دوسرے حصے میں اس کی پیش کش کے متعلق معلومات دی جائے گی۔ آپ کے ڈرامے بھی فن ڈرامہ نگاری کے تمام اصول پر پورے اترتے ہیں۔

### شولا پور کا فطری ڈرامہ نگار

شولا پور ڈرامہ کے فنکاروں اور شائقین ڈرامہ کا شہر ہے۔ یہاں اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی ڈرامے ہوتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ شولا پور کی مراٹھی مونسپل اسکول نمبر ۹ سدھیشور پیٹھ پنچ کٹا (آج کی سدھیشور مراٹھی ہائی اسکول کے بازو) میں مشہور نفل اداکار ”پرتھوی راج کپور“ کا ایک ڈرامہ کھیلا گیا۔ جس میں بذات خود پرتھوی راج کپور مرکزی کردار نبھا رہے تھے۔ اس ڈرامے کا نام تھا ”پٹھان“ ڈرامہ دیکھنے کے لیے سارا شہر اٹھ پڑا۔ ان شائقین میں ایک بچہ بھی شامل تھا۔ وہ بھی پرتھوی راج کپور کو دیکھنے کے لئے بھیڑ میں گھس گیا۔ بڑی کوششیں کی کہ جگہ ملے تو ڈرامہ دیکھے۔ مگر ساری محنت رائیگاں گئی

بالآخر ضدی بچے نے ہار نہ مانی اور ڈرامہ دیکھنے کے لیے درخت پر چڑھ گیا۔ ڈرامہ دیکھا، خوش ہوا۔ ڈرامہ ختم ہونے کے بعد پرتھوی راج کپور نے ڈرامہ کے موضوع پر تقریر کی۔ باتوں باتوں میں موصوف نے ناظرین میں سے کسی کو نقل کر کے دکھانے کو کہا۔ سارے تماشا ئی تماشہ دیکھتے رہ گئے۔ کسی نے جرأت نہ کی۔ یہ بچہ آگے بڑھا اور اسی جگہ پر ”چندہ“ کے موضوع پر جودل میں آتا گیا، حرکات و سکنات اور آواز کے چڑھ اتار کے ساتھ اداکاری کے جوہر دکھائے۔ سامعین نے بے حد داد دی۔ پرتھوی راج کپور نے اس کی تعریف کی اور اس کو بروئے کار لانے کی ہدایت دی۔ ان کی ہمت افزائی اور ہدایت پر عمل کرتے ہوئے یہ بچہ اس ضمن میں کوششیں کرتا رہا اور اسی ”سولو“ (چندہ) کو تحریر کر کے ایک بابی ڈرامہ میں منتقل کیا اور اپنے کالج کے زمانے میں گیدرنگ میں پیش کر کے داد و تحسین حاصل کی۔ اس تک دو دو میں وہ مسلسل لکھتا رہا اور شولا پور کی اردو ڈرامہ نگاری کا ایک مستقل باب بن گیا۔ اب تک اس فنکار نے ۳۳ کامیاب ڈرامے لکھے۔ یہ تمام ڈرامے اسٹیج ہوئے۔ یہ ڈرامہ نگار کوئی اور نہیں شولا پور کا ڈرامہ نگار بی۔ ایچ۔ کر جلیکر کر ہے۔ ۱۰

بی۔ ایچ۔ کر جلیکر ۴ فروری ۱۹۴۴ء میں شولا پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مراٹھی زبان میں ہوئی۔ آپ نے بی۔ اے اور ایم۔ اے۔ ہندی مضمون میں کیا۔ کالج کی تعلیم کے دوران ایس۔ ٹی۔ میں پارٹ ٹائم سروس کی ۱۹۷۳ء میں شولا پور سوشل اسوسی ایشن اردو ہائی اسکول میں ہندی اور مراٹھی کے مدرس بنے اور فروری ۲۰۰۲ء میں وظیفہ یاب ہوئے۔ آپ ایک کامیاب مدرس رہے ہیں۔ جن جن طلبہ نے آپ کے پاس پڑھا وہ آج بھی آپ کو ایک مثالی مدرس مانتے ہیں آپ شولا پور کے اردو ذریعہ تعلیم کے ہندی پڑھانے والے مثالی مدرس تسلیم کیے گئے ہیں۔ اپنے مضمون سے پیار کرنے والا یہ مدرس ”ہندی مراٹھی اسوسی ایشن ضلع شولا پور“ کا بیس سال تک سیکریٹری رہا ہے۔ اردو مدرسے میں پڑھاتے پڑھاتے آپ نے اردو زبان سیکھنے کی طرف توجہ دی۔ اس زمانے میں سوشل اردو ہائی اسکول میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کی طرف سے غیر اردو داں کو اردو سکھانے کے کلاسیس ہونے لگے۔ جو اعجاز نبی کارگیر صاحب (خالق۔ برگ حنا) لیا کرتے تھے۔ آپ اس میں شریک ہوئے اور اردو زبان سیکھی۔ یہاں آپ نے اردو زبان کو اور اردو زبان نے آپ کو اپنایا۔ باقی ماندہ تمام زندگی آپ نے اردو زبان میں ڈرامے لکھے۔ آپ نے شولا پور سے شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار آئینہ ایام میں طنز و مزاحیہ مضامین بھی لکھے۔ آپ ”چورن“ کالم میں ”نزلا“ قلمی نام سے لکھتے تھے۔ آپ شولا پور کے واحد شخص ہیں جس نے نثر میں طنز و مزاح کی روایت ڈالی۔

اردو کے علاوہ مراٹھی اور ہندی اخبارات میں بھی آپ لکھتے رہے۔ آپ کو طالب علمی کے زمانے ہی سے لکھنے کا شوق تھا۔ روزنامہ ”سماچار“ (مراٹھی) ہفتہ وار ”جئے۔ وجئے“ (مراٹھی) اور ”دو بھائی“ (ہندی) میں کالم اور مضامین لکھتے

رہے۔ آپ کو مطالعے کا بے انتہا شوق تھا۔ آپ شولا پور کے قدیم اور تاریخی کتب خانہ ”کاشانہ ادب“ سے کتابیں لے کر پڑھتے تھے ساتھ ہی ساتھ ”بھارت لائبریری“ اور ”ہیرا چندر نیم چند“ لائبریری سے بھی استفادہ کیا۔ شولا پور کے منگل بازار سے پرانی کتابیں خرید کر لانا اور اس کا مطالعہ کرنا آپ کا مشغلہ تھا۔ اور ہے۔ ہندی مراٹھی اور اردو کی مایہ ناز ادبی شخصیتوں کی صحبت میں رہنا ان سے گفتگو کرنا اور بطور خاص فرن ڈرامہ نگاری پر تبادلہ خیال کرنا۔ آپ کا شیوار ہا ہے۔

آپ نے کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، امرتا پریتم۔ پو۔ل۔ دیشپانڈے اور پروفیسر اترے کی تخلیقات کا دیوانہ وار مطالعہ کیا ہے اور اپنے زمانے کی قد آور ادبی شخصیتوں کی صحبت میں رہے ہیں۔ جن میں ہندی کے سنت ساہتیہ کے ماہر ڈاکٹر نریندر کنٹے، ڈرامہ نگار ”سنت راؤ ایک بوٹے“ پنڈورنگ کا لے، مشہور زمانہ شاعر و ڈرامہ نگار پروفیسر چندر بھوشن کل سریشٹھ وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ میں بزرگوں کے اس قول پر عمل کرتا ہوں:

”اگر جلد اور اچھے ادیب بننا ہے تو قد آور ادیبوں کی صحبت میں رہو۔“

اپنی اس علمی قابلیت اور فطری ڈرامہ نگاری کی بل بوتے پر آپ نے شولا پور کو بہترین اسٹیج ڈرامے عطا کیے۔ آپ کے ڈرامہ نگاری کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ایس۔ ایس۔ اے۔ آرٹس۔ اینڈ کامرس کالج کی گیدرنگ کے لیے لکھے گئے ڈرامے۔

(۲) مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے لیے لکھے گئے ڈرامے۔

(۳) سنگمیشور کالج کی گیدرنگ کے لیے لکھے گئے ڈرامے۔

(۴) دیگر ڈرامہ مقابلوں کے لیے لکھے گئے ڈرامے۔

”چندہ“ آپ کا پہلا ڈرامہ تھا۔ جسے آپ نے اپنے کالج کے زمانے میں لکھا اور کھیلا۔ اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں آپ نے ”زکام صاحب کی کھانسی“ یہ کمرشیل ڈرامہ لکھا۔ یہ ڈرامہ شولا پور کے ”رنگ بھون“ میں کھیلا گیا۔ اس کی تشہیر کے لیے پمفلٹ، پوسٹر اور اخباروں میں اشتہارات دیے گئے۔ یہ آپ کا پہلا نفل لینتھ ڈرامہ تھا۔ جسے عوام نے بے حد پسند کیا اور اس کے بہت سے شوز ہوئے۔ اس میں شولا پور کے موجودہ دور کی مشہور و مقبول ہستیوں نے کام کیا تھا۔ ان میں ڈاکٹر عزیز نداف، راجہ باغبان، ساغر شولا پوری، محمد شریف وغیرہ شامل تھے۔

بحیثیت ہندی کے لکچرار شولا پور سوشل اسوسی ایشن آرٹس اینڈ کامرس کالج کے دوران ملازمت آپ نے سالانہ گیدرنگ کے لیے کئی کامیاب اردو یکباہی ڈرامے لکھے۔ جن کے نام اور سن ذیل میں درج ہیں۔

۱۹۸۵ء میں ایم دوت۔

۱۹۸۷ء میں	سا کر ایٹیس۔
۱۹۸۸ء میں	ہنگامہ۔ ۸۸۔ اور ویننگ روم۔
۱۹۸۹ء میں	عکس (عبدالحمید دالمبے کے ساتھ مل کر لکھا ڈرامہ)۔
۱۹۹۰ء میں	رشتوں کے سوداگر۔
۱۹۹۱ء میں	ہم سب پاگل ہیں۔ وغیرہ۔
مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے ڈرامہ مقابلوں کے لیے آپ نے پرنسپل محمد علی وڈوان (ایس۔ ایس۔ اے۔ آرٹس اینڈ کامرس کالج شولا پور) اور محمود سر (ہیڈ ماسٹر۔ ایس۔ ایس۔ اے۔ اردو ہائی اسکول) کی ترغیب اور حوصلہ افزائی پر ایس۔ ایس۔ اے۔ اردو ہائی اسکول کے لیے ڈرامے لکھے۔ جسے منظور عالم کی ہدایت میں کھیلا گیا ان کے نام یہ ہیں۔	
۱۹۷۶ء میں	نہیں۔
۱۹۷۷ء میں	دوڑ۔
۱۹۷۸ء میں	وہ ایک لمحہ۔
۱۹۷۹ء میں	کروٹ۔
۱۹۸۰ء میں	ہنگامہ شادی۔
۱۹۸۱ء میں	مسیحا۔
۱۹۸۳ء میں	تعارف۔
۱۹۸۴ء میں	سونے کا پنجرہ۔
۱۹۸۶ء میں	جاگتے رہو۔
۱۹۸۷ء میں	غبار۔
۱۹۸۸ء میں	سودا۔
۱۹۸۹ء میں	روشن مینار۔

ان میں سے آٹھ ڈراموں کو اس مقابلے میں بیسٹ اسکرپٹ کے انعام سے نوازا گیا۔ سنگیشور کالج شولا پور کے قدیم کالجوں میں سے ایک ہے۔ یہاں بی۔ اے۔ بی۔ کام۔ بی۔ ایس۔ سی۔ اور دیگر یو۔ جی۔ اور پی۔ جی۔ کی تعلیم کے انتظامات ہیں۔ یہ غیر اردو دان اور غیر مسلموں کا ادارہ ہے لیکن یہاں کی طلبہ کے لیے کی جانے

والی سالانہ گید رنگ اپنی مثال آپ رہی ہے۔ منظور عالم اور راجہ باغبان جیسے فنکار اسی گید رنگ سے ابھرے ہیں۔ بی۔ ایچ۔ کر جلیگر نے اس گید رنگ کے لیے یہاں کے ذمہ داران کی فرمائش پر ڈرامے لکھے۔ اس کی فہرست ذیل میں درج ہے۔

ابھی فیصلہ باقی ہے۔ ۱۹۸۷ء

انٹرویو۔ ۱۹۸۸ء

پردے کے پیچھے۔ ۱۹۹۰ء

الیکشن۔ ۱۹۹۲ء

کرائے دار۔ ۱۹۹۳ء

دروازے بند کر دو۔ ۱۹۹۵ء

کیکٹس۔ ۱۹۹۶ء

ان ڈراموں کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اس وقت کے کالج کے پرنسپل جوشیواجی یونیورسٹی کولہاپور کے دومرتبہ وائس چانسلر رہ چکے تھے۔ ”پرنسپل۔ کے۔ بھوگی شین“ بہ نفس نفیس ڈرامے دیکھنے کے لیے حاضر رہتے اور ان ڈراموں سے لطف اندوز ہوتے۔ بی۔ ایچ۔ کر جلی صاحب کو داد و تحسین دیتے اور ان کی گل پوشی بھی کرتے تھے۔ یہ اس زمانے میں کسی اردو والے کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا کہ کسی غیر اردو والے اور غیر مسلم ادارے میں اردو والے کی اتنی پذیرائی ہو۔

ان کے علاوہ آپ نے ضلع پریشد شولا پور کے ڈرامہ مقابلوں کے لیے ۱۹۸۰ء میں ”راہی اکیلا“ اور ۱۹۸۲ء میں ”ریت کی دیوار“ لکھا۔ بزمِ غالب کے بین المدارس ڈرامہ مقابلوں کے لیے ۲۰۰۵ء میں ”شکوہ جواب شکوہ“ اور ۲۰۰۷ء میں ”تیسری جنگ عظیم“ لکھا۔ ان دونوں ڈراموں میں آپ کو بہترین ڈرامے کے ایوارڈ بھی ملے۔

آپ نے کل ۳۳ ڈرامے لکھے اور سبھی اسٹیج ہوئے۔ ڈرامہ فیلڈ میں ڈرامہ کتابی شکل میں شائع ہونے سے زیادہ اہمیت ڈرامہ اسٹیج ہونے کی ہوتی ہے۔ کیوں کہ ڈرامہ صرف لکھنے کی چیز نہیں بلکہ کھیلنے کی چیز ہے۔ ڈرامہ کا کھیلنا اس کی کامیابی اور اشاعت ہے۔ بلکہ اصل اشاعت تو یہی ہے۔ بی۔ ایچ۔ کر جلی کر اس لحاظ سے سو فی صدی کامیاب ڈرامہ نگار ہیں۔ کیوں کہ ان کے تمام ڈرامے نہ صرف کھیلے گئے، بلکہ بار بار کھیلے گئے۔ یہاں تک کہ کچھ ڈراموں کے دیگر زبانوں میں ترجمے ہو کر شولا پور اور شولا پور سے باہر بھی کھیلے گئے۔ کئی ڈراموں کو بیسٹ اسکریپٹ کے اوارڈ ملے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے آٹھ انعام، ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ پونے اور روٹری کلب شولا پور کے دو انعام اور بزمِ غالب کے دو انعام۔ اس کے علاوہ مختلف گید رنگوں میں تقریباً سبھی ڈراموں کو انعامات حاصل ہوئے ہیں۔



اس کے علاوہ ڈرامہ سے جڑی ہوئی دیگر شعبہ جات میں بھی آپ کی قدر ہوئی اور آپ سے کام لیے گئے۔ آکاش وانی اور دور چتر وانی پونے کے لیسنس کے ڈراماٹائزیشن (Lessons Dramatisation) کورس کے لیے آپ کا انتخاب ہوا۔ ودیہ پرٹشٹھان بارہ متی کے فلاپی لیٹرچر (Floppy Literature) کے لیے آپ کا سلیکشن ہوا۔ شیواجی یونیورسٹی کولہاپور کے ۲۰۰۸ء، ۲۰۰۷ء کے بی۔ کام سال اول کے ڈسٹنس ایجوکیشن کی اردو کی درسی کتاب میں آپ کا ڈرامہ ”چال چل گئی“ شامل کیا گیا۔ شولاپور میں منعقد ”اردو میلہ“ میں ڈرامہ سرگرمی کی ایک کڑی ڈرامہ ماہر سے انٹرویو کے تحت، محترمہ نادرہ بر سے ڈرامہ کے متعلق انٹرویو لینا آپ ہی کے ذمہ تھا۔ ڈرامہ ”نہیں“ کو مشہور فلم رائٹر ”علی رضا صاحب“ نے خوب سراہا۔ ڈرامہ ”دوڑ“ کو علی سردار جعفری نے دل کھول کر داد دی۔ ڈرامہ ”مسیحا“ کو دی سورڈ آف ٹیپو سلطان کے مصنف ”وجاہت مرزا“ نے بے حد پسند کیا۔

بی۔ ایچ۔ کر جکیر اپنے ڈراموں کے لیے تھیم (Theme) اور موضوعات عام سماجی زندگی سے لیتے ہیں۔ آپ کا ہر ڈرامہ با مقصد ہے۔ آپ کے ڈراموں کے مکالموں میں چٹکیلا پن ہوتا ہے۔ محاوروں کے استعمال سے مکالمے موثر ہو جاتے ہیں۔ ان میں طنز کے نشربھی ہوتے ہیں۔ اور زبان کا چٹخارہ بھی ہوتا ہے۔ آپ کے ڈراموں میں واقعات تیزی سے بدلتے نظر آتے ہیں۔ آپ کے ڈراموں کی ایک خوبی یہ ہے کہ ناظرین شروع سے آخر تک آپ کا ڈرامہ بغیر کسی تکلیف کے یکسوئی سے دیکھتے ہیں۔ اسکرپٹ میں وحدتِ تاثر ہوتا ہے۔ اس لیے آج بھی پایہ رکاب ہیں۔ آپ کا قلم چل رہا ہے۔ مانو، قلم، نہ رہ کر آپ کی زندگی کی دھڑکن بن گیا ہے۔ آپ سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ راقم الحروف نے آپ سے بڑی تڑپ اور شدت سے خواہش ظاہر کی کہ آپ کے ڈراموں کو کتابی شکل دی جائے۔ آپ نے اس مشورے کو مانا بھی۔ امید کہ آپ کا یہ بیش قیمتی سرمایہ جلد از جلد آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ ہو جائے۔ آمین۔

### منظور عالم کی ڈرامہ نگاری

شولاپور کے دوسری پیڑھی کے سرگرم ڈرامہ نگار اداکار اور ہدایت کار ہیں۔ آپ نے چالیس سال تک مسلسل تھیٹر کیا۔ شولاپور کے ڈرامہ کے ایک مستقل باب کا نام منظور عالم ہے۔ آپ ۱۰ جنوری ۱۹۴۵ء کو شولاپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیمی لیاقت۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ۔ ہے۔ آپ شولاپور سوشل اسوسی ایشن اردو ہائی اسکول میں بحیثیت مدرس کے اپنی خدمات انجام دے کر فی الحال وظیفہ یاب ہوئے ہیں۔

راقم الحروف نے آپ سے گفتگو کی اور آپ کی ڈرامہ کی سرگرمیوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے نہ صرف معلومات دی بلکہ راقم کے کہنے پر اپنی تحریر میں اپنی جملہ خدمات کا ریکارڈ بھی دیا۔ یہاں راقم الحروف وہی معلومات تحریر کر رہا ہے جو آپ سے

اور آپ کے تحریر سے حاصل ہوئی۔ ہاں راقم نے اس معلومات کی تصدیق تجربے کے لیے دوسروں سے پوچھ پ بھی کی ہے۔ منظور عالم کو بچپن ہی سے ڈراموں کا شوق تھا۔ ۱۹۵۲ء میں میونسپل اردو اسکول نمبر ۷ میں آپ کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ اسکول کی گیدرنگ سے آپ نے ڈرامہ میں حصہ لینا شروع کیا۔ آپ کا پہلا ڈرامہ بطور اداکار ”نسیکیشن“ تھا۔ اس کے بعد ۱۹۵۷ء میں آپ نے ”دولت والوں کی دنیا“ میں حصہ لیا۔ ان ڈراموں کے ہدایت کار قدیر شولا پوری تھے۔ جب آپ ایم۔ اے۔ پانگل اینگلو اردو ہائی اسکول میں پہنچے تو یہاں کی گیدرنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ اسی اسکول کی گیدرنگ میں ۱۹۶۰ء میں ڈرامہ ”ہمارے بھی استاد کیسے کیسے“ میں حصہ لیا اور خوب نام کیا۔ یہاں سے نکل کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے سنگمیشور کالج پہنچے تو اپنے ساتھ ماضی کا تجربہ رکھتے تھے۔ نوجوان منظور عالم میں کچھ کرنے کی امنگ اور چاہت تھی۔ کالج کا ماحول بھی ڈرامہ کی سرگرمیوں کے لیے سازگار تھا۔ یہاں آپ کے فن کو اور جلا ملی۔ ویسے دنیا میں ملتا اسی کو ہے جو کشش کرتا ہے۔ محنت و مشقت کرتا ہے۔ یہاں بھی آپ نے ڈرامہ میں حصہ لینے کا ایک بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ۱۹۶۲ء میں آپ نے یہاں منشی سر کی ہدایت میں ”بدھ کا شد“ میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ اس کے بعد ”ریہرسل“ نامی ڈرامے میں کام کیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۵ء میں ”سچ کا زہر“ ۱۹۶۶ء میں ”پرکھ“ میں نمایاں رول (مرکزی کردار) ادا کیا۔ اسی دوران کالج میں کرشن چندر کا مشہور زمانہ ڈرامہ ”دروازے کھول دو“ پیش ہوا۔ تو آپ نے اس میں بھی اہم رول ادا کیا۔ اس ڈرامے کے شولا پور کے علاوہ پونے اور کولہا پور میں بھی سوز ہوئے۔ یہ ایک انوکھا تجربہ تھا جو نے آپ کی شخصیت کو نکھارنے اور سنوارنے میں معاون ثابت ہوا۔ کالج کی تجرباتی اور جوشیلی زندگی سے آپ جب عملی زندگی میں داخل ہوئے۔ تو آپ کے پاس ڈرامہ کا ایک اچھا خاصہ تجربہ تھا۔

اس کے بعد منظور صاحب سوشل اردو ہائی اسکول میں مدرس ہوئے۔ اب آپ پر ملازمت کی ذمہ داریاں عائد ہوئیں۔ یہاں پہنچ کر آپ ایک محرک اور فعال استاد ثابت ہوئے۔ طالبہ میں فن اور مدرس کی بدولت ہرلعریزی حاصل کی۔ جو مدرس ڈرامہ فیلڈ سے تعلق رکھتا ہے وہ درس و تدریس میں کامیاب ثابت ہوتا ہے۔ کئی ماہر تعلیم نے تدریس کو اداکاری سے تشبیہ دی ہے۔ کہا گیا کہ ”ایک بہترین مدرس ایک بہترین اداکار ہوتا ہے۔“ یہ قول آپ پر صادق آیا۔ آپ نے اپنی شخصیت سے طلبہ کو متاثر کیا اور ان میں ڈرامہ کا ذوق و شوق پیدا کیا۔ یہاں سے آپ ڈرامہ میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کی طرف رجوع ہوئے۔ بچوں سے ڈرامے بھی کروائے مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے ڈرامہ مقابلوں کی شروعات کے بعد سوشل اردو ہائی اسکول کی طرف سے ڈرامے پیش کرنا شروع کر دیا۔ یہاں سے آپ کی ہدایت کاری بھی شروع ہوئی اور آپ شولا پور میں ایک اچھے ہدایت کاری حیثیت سے جانے پہچانے جانے لگے۔

۱۹۷۵ء میں آپ فنکار ڈرامہ اسوسی ایشن سے جڑ گئے اور نسیم منان کے فل لینتھ ڈرامہ ”بہار آنے تک“ میں کام کیا۔ یہ ڈرامہ پروفیشنل لیول پر کیا گیا تھا۔ پونہ میں اس کے کمرشیل شو ہوئے۔ عوام نے اس کو پسند کیا۔ اس کے بعد منیر شاہ ملک کی ہدایت ۱۹۷۶ء میں ”دھبہ“ میں کام کیا۔ اس کے بعد عبد الحمید دالبے اور بی۔ ایچ۔ کرجگی کر کے تحریر کردہ ڈرامہ ”عکس“ میں رول کیا۔ ساتھ ہی ساتھ ”ہائے اللہ“ اور ”تین پاگل“ میں بھی کام کیا۔ اسی دوران ۱۹۷۷ء سے سوشل اردو ہائی اسکول کی طرف سے ڈرامے پیش کیے جانے لگے تو آپ نے ڈرامہ لکھنا شروع کیا۔ اسی زمانے میں آپ طنز و مزاح کی طرف رجوع ہوئے اور شولا پور کو کامیاب طنزیہ، مزاحیہ ڈرامے عطا کیے۔ آپ ایک کامیاب ڈرامہ نگار ہیں۔ آپ نے بہت سے ڈرامے لکھے ہیں۔ یہاں اس کی فہرست دی جاتی ہے۔ ”کون سے ابا“، ”انڈا کون کھائے گا؟“، ”ماگلی ماگلی“، ”ڈاکو کون“ وغیرہ۔

ڈرامہ کی دو قسمیں انجام کے اعتبار سے مانی گئیں ہیں۔ ایک ٹریجڈی اور دوسری کامیڈی، کامیڈی کی تین ضمنی قسمیں بتائی گئی ہیں۔ مزاح، طنز و مزاح، تمسخر، مزاح میں صرف مزاح ہوتا ہے۔ تمسخر میں پھکڑ پن ہوتا ہے۔ یہ کامیڈی کی ادنیٰ قسم مانی گئی ہے۔ کامیڈی کی معیاری قسم طنز و مزاح ہے۔ اس میں سنجیدگی بھی ہوتی ہے۔ اس میں ڈرامہ نگار ہنساتے ہنساتے فرد اور سماج کی کمزوریوں اور برائیوں پر طنز کرتا ہے۔ جس سے مزاح کا حسن دوبالہ ہو جاتا ہے۔ اور بات دل کو چھو جاتی ہے۔ منظور عالم کے ڈرامے اس زمرے میں آتے ہیں۔

منظور صاحب نے ڈرامہ کرتے وقت۔ اس کی رنگینی۔ اور چمک دمک کی دنیا اور ماحول سے اپنے آپ کو اور اپنے فنکاروں کو بچائے رکھا۔ چالیس سال تک آپ اردو تھیٹر کرتے رہے۔ ضلع اور مقامی سطح کے ہر اہم انعامات حاصل کیے لیکن اخلاقیات کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اپنے ڈرامہ کا مقصد بھی درس اخلاق اور اصلاح معاشرہ رکھا سب سے انوکھی اور قابل تعریف بات یہ ہے کہ آپ نے ان چالیس سالوں میں اپنے کسی بھی ڈرامے میں کسی مونث کردار کو جگہ نہ دی۔ آپ کے کسی بھی ڈرامے میں کسی لڑکی نے کام نہیں کیا۔ یہ تھیٹر کرنے والوں کے لیے اپنے آپ میں ایک چیلنج ہے اور بہت بڑا ریکارڈ بھی ہے۔

☆ بشیر پرواز کی ڈرامہ نگاری:

۲۰ دسمبر ۱۹۴۴ء کو شولا پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیمی لیاقت ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ ہے۔ دی پروگریسیو اردو اسکول میں اردو کے مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دے کر وظیفہ یاب ہوئے۔ شولا پور کی نامی گرامی شخصیتوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ انتظامی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ فی الحال ”بزم غالب شولا پور“ کے صدر ہیں۔ بہت اچھے شاعر ہیں۔ شولا پور کے کہنہ مشق استاد شعراء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

۱۳

شاعری آپ کو ورثے میں ملی۔ قدیر شولا پوری آپ کے والد ہیں۔ پرواز صاحب ڈرامہ سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔

شولاپور کے ڈرامہ نگاروں کی فہرست میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ تھیٹر کا عملی تجربہ نہیں رکھتے۔ اداکاری اور ہدایت کاری میں دلچسپی نہیں ہے۔ لکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ فنکار ڈرامہ اسوسی ایشن کے رکن رہ چکے ہیں۔ ۱۹۷۲ء کے درمیان ڈرامہ میں خاصی دلچسپی لی بعد ازاں آپ کی ڈرامہ نگاری کا سفر رک گیا۔ درمیان میں موقع محل اور ضرورت کے لحاظ سے لکھتے رہے۔ آپ نے اب تک کل آٹھ ڈرامے لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈرامہ منشی پریم چند کے مشہور افسانہ ”کفن“ پر منحصر ہے۔ جو اسی نام سے لکھا گیا دوسرا محمد حسن کا دوبابی ڈرامہ ”ضحاک“ ہے۔ جسے آپ نے یکابابی ڈرامے میں منتقل کیا۔ آپ کے دیگر ڈراموں کے نام یہ ہیں۔ ہائے اللہ، دھبہ، انگارے، اندھی آنکھ اور ایک بچوں کا ڈرامہ اجالوں کے داغ، مولانا ابوالکلام آزاد کی حالاتِ زندگی پر ایک بابی ڈرامہ آپ نے لکھا ہے۔

”اندھی آنکھ“ کو مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے مقابلوں میں ضلع سطح پر بہترین اسکرپٹ کا ایوارڈ ملا ہے۔ بچوں کا ڈرامہ ”اجالوں کے داغ“ کو اصلاحی و فلاحی تنظیم کے بچوں کے ڈرامہ مقابلوں میں بہترین اسکرپٹ کا انعام حاصل ہوا۔ عملی میدان میں آپ کا اہم کام ”بزمِ غالب“ کی صدر کی حیثیت سے پچھلے تین سالوں سے بین المدارس ڈرامہ مقابلوں کا انعقاد ہے۔ فن ڈرامہ نگاری پر آپ کی گہری نظر ہے۔ آپ کے ابتدائی دور کے ڈرامہ اسٹیج کیے جا چکے ہیں۔ فنکار ڈرامہ اسوسی ایشن کا دور آپ کی ڈرامہ نگاری کا کامیاب دور رہا ہے۔

☆ سید سعید احمد کی ڈرامہ نگاری:

سید سعید احمد شولاپور کے ایسے فنکار ہیں جنہوں نے ۲۰۰۴، ۰۵، ۰۶ء میں پاکستان کے شہر لاہور میں ”ورڈ پر فارمنگ اینڈ وزول آرٹس فیسٹول ان لاہور پاکستان“ (World Performing and Visual Arts Festival in Lahore, Pakistan) میں ڈرامے پیش کیے۔ سید سعید احمد ۱۵ دسمبر ۱۹۵۹ء کو شولاپور میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت شولاپور میں ہوئی۔ آپ کی تعلیمی قابلیت ایم۔ اے۔ (اردو) بی۔ لیب اینڈ آئے ایس۔ سی۔ ہے۔ اور فی الحال ”ہندوستانی اسٹیج اور مہاراشٹر میں اردو ڈرامہ“ اس عنوان پر پونہ یونیورسٹی پونہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔ ملازمت کے سلسلے میں وہ انجمن خیر الاسلام کے پونہ کالج میں اسٹنٹ لائبریرین کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ فی الحال انھوں نے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے کر ”رابطہ فاؤنڈیشن“ کے نام سے ایک ڈرامہ گروپ بنایا ہے۔ اب آپ ڈرامہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ اب یہی آپ کا ذریعہ معاش بھی ہے اور شوق تھی۔ اس گروپ کے ذریعے آپ پروفیشنل ڈرامے کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں۔ (Theatre workshops in personality development) سرگرمی سارے ملک بھر میں کر رہے ہیں۔ اب تک تقریباً ۲۶ ریاستوں میں یہ ورک شاپ ہوئے۔

آپ کی ڈرامہ سرگرمیوں کی شروعات شولا پور سے ہوئی۔ آپ ایک بہت اچھے اداکار، ہدایت کار اور ڈرامہ نگاری ہیں۔ یہاں ان کی ڈرامہ نگاری کے متعلق لکھا جا رہا ہے۔ آپ شولا پور کے پہلے ڈرامہ نگار ہیں جس کا ڈرامہ کتابی شکل میں شائع ہوا۔ جس کا نام ”سارے جہاں سے اچھا ہے“ یہاں اسی کتاب کی روشنی میں ان کی ڈرامہ نگاری کا جائزہ درج ہے۔

☆ سارے جہاں سے اچھا:

سارے جہاں سے اچھا سید سعید احمد کی تصنیف ہے۔ یہ تصنیف ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ناشر حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ۔ پونے ہے۔ یہ کل ۱۱۶ صفحات کی کتاب ہے۔ کتاب کی ابتدا ہی میں منور پیر بھائی (چیئر مین، حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ) نے عرض ناشر لکھا ہے۔ ”اپنی بات“ کے تحت مصنف نے خود اپنی ڈرامہ سرگرمیوں اور اپنے اس ڈرامے کے متعلق اپنی آراء کے ساتھ ساتھ اپنے متعلقین کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس کے بعد ”سارے جہاں سے اچھا“ اس عنوان سے نذیر فتح پوری (ایڈیٹر۔ سہ ماہی اسباق پونہ) پونہ میں ڈرامہ کی مایوس کن صورت کے حال کے بیان کے بعد اس ڈرامے پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔ اس کے آگے سعید احمد نے ”اردو اسٹیج“ کے عنوان سے اپنا پر مغز مقالہ تحریر کیا ہے۔ جس میں ہندوستان میں اردو اسٹیج کی صورت حال کا منظر نامہ ہے۔

اس کتاب میں کل دو ڈرامے ہیں۔ ایک سارے جہاں سے اچھا اور دوسرا سید سعید احمد خان۔ اس کتاب کی اہمیت اس لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس میں مہاراشٹر کی تھیٹر کی قد آور شخصیت محترمہ نادرہ ببر کی تحریر بھی شامل ہے جس میں موصوفہ نے اس ڈرامہ اور کتاب کی اہمیت و افادیت ظاہر کی ہے۔ دوسرے ڈرامہ کے متعلق شہنشاہ جذبات دلپ کمار صاحب کی رائے درج ہے۔ نذیر فتح پوری کا مختصر مگر پر مغز مضمون اس میں موجود ہے جس میں موصوف نے اس ڈرامے کے موضوع فن اور سعید احمد کی فنکارانہ صلاحیتوں کو مختصر مگر جامع انداز میں تحریر کیا ہے۔ یہاں اس سے ایک اقتباس نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

”سارے جہاں سے اچھا“ ڈرامہ قاری کا کم اور ناظر کا زیادہ ہے۔

علامتوں، استعاروں اور تمثیل سے مزین مکالموں کی جاندار اور فنکارانہ

پیشکش نے اس ڈرامے میں آئینہ سازی کا کام کیا ہے۔ سیاست، سماجی

نا برابری، لسانی تعصب مذہبی منافرت کے ”مبلغین“ کے چہروں سے نقاب

اتار کر ان کی اصلی صورت دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پردہ اٹھنے کے بعد

جب کردار بولتے ہیں، سائے متحرک ہوتے ہیں اور اشاروں کنایوں سے

جب عنقا چیزوں کا وجود، درشتاتے ہیں تو ناظرین کی صفیوں میں تیر کی ایک لہری

دوڑ جاتی ہے۔ یہاں ناظرین کو مندر ملے گا، مسجد ملے گی، بازار ملے گا،  
ریلوے اسٹیشن ملے گا، حتیٰ کہ ریل کے ڈبے میں سفر کرتے مسافروں کے منظر  
دیکھنے کو مل جائیں گے۔ اس کے علاوہ اسکول کے کمرے ملیں گے، کلاس  
لیتا ہوا ماسٹر ملے گا، رشوت لیتا افسر اور رشوت دیتا ہوا ملازم بھی ملے گا۔ نفرت  
کی آگ لگانے اور مذہب کے نام پر سوشل رشتوں کے درمیان، تیز دانتوں  
والے آرے چلاتے ہوئے دھرم کے ٹھیکیدار ملیں گے۔ چند گھنٹوں کے لیے  
یوں لگتا ہے جیسے موجودہ ہندوستان کی مکمل صورتحال دیکھنے کو مل جائے گی۔ ۱۶

اس اقتباس کے مطالعے سے اس ڈرامہ کا موضوع اور اس کے پیش کش کے متعلق معلومات ملتی ہے۔ سید سعید احمد کی  
ڈرامہ نگاری اور ان کی ہدایت کاری کے محاسن سامنے آتے ہیں۔ اس ایک ڈرامے میں سعید صاحب نے موجودہ ہندوستان  
کے تمام اہم نازک مسائل کو اسٹیج پر پیش کیا ہے۔ اس میں آپ کے زورِ قلم اور فنِ ڈرامہ نگاری پر آپ کے دسترس نظر آتی ہے۔  
اس کتاب میں نادرہ ببر کا ایک مختصر سا مضمون بھی درج ہیں اس میں محترمہ نے اس کتاب کے متعلق جو رائے پیش کی ہے اس  
سے اردو ڈرامہ میں اس کی اہمیت و افادیت پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ایک اور اقتباس۔  
اردو میں کسی ایسے ڈرامے کی اشاعت جسے اسٹیج کیا جا چکا ہے یا کیا جاسکتا ہے،  
ایک فالِ نیک ہے۔ ہندی، اردو اور ہندوستانی زبان میں ایسے ڈرامے بہت  
کم ہیں۔ جنہیں اسٹیج پر پیش کیا جاسکے۔ سعید احمد صاحب کا ڈرامہ ”سارے  
جہاں سے اچھا“ ان معنوں میں بہت اہم ہے کہ اسے اسٹیج پر بہ آسانی کھیلا  
جاسکتا ہے۔ ڈرامے کا تھیم آج کل کے موضوعات سے جڑا ہوا ہے۔ جو ظاہر

بہت ہی Serious ہے۔ ۱۷

آگے موصوفہ کتاب کی اشاعت اور اس کی اہمیت کے متعلق لکھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اردو میں ایسی کتابیں بہت ہی کم  
لکھی گئی ہیں۔ اپنی نیک خواہشات سے بھی نوازیتی ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

میری دعا ہے کہ اردو زبان کو اور زیادہ اچھے اور بہتر ڈرامے (سعید احمد) دیں  
گے کیونکہ ہمارے یہاں اسٹیج پر کھیلے جانے والے ڈراموں کی بہت کمی ہے۔

میری نیک خواہشات ان کے ساتھ ہیں۔ ۱۸

”سارے جہاں سے اچھا“ کے پونہ، ممبئی، شولا پور، جلاگاؤں اور حیدرآباد وغیرہ میں کل ۳۸ شوز ہوئے ہیں۔ اس میں

زیادہ تر شوز پونہ میں ہوئے۔ کسی اردو ڈرامے کے ۳۸ شوز ہونا اس کے کامیابی کی روشن دلیل ہے۔

کتاب میں دوسرا ڈرامہ ”سرسید احمد خان“ ہے۔ یہ ڈرامہ پونہ کالج میں کھیلا گیا۔ یہ سعید احمد کا ایک انوکھا ڈرامہ ہے۔ اس میں سرسید کا خاکہ ہے۔ اس ڈرامے سرسید کی تعلیمی اور قومی خدمات کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ڈرامہ پڑھ کر دیکھ کر اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ سعید احمد نے بڑی گہرائی سے سرسید کی زندگی اور کارناموں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس ڈرامے کی آڈیو کسٹ بھی بنائی گئی۔ یہ ایک فچر کی طرح ہے۔ آڈیو کسٹ کونٹری ڈرامہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ اردو ڈرامہ کی دنیا میں ایک کامیاب تجربہ ہے۔ یہ کسٹ ملک بھر میں مقبول ہوئی۔ بہت سے ماہرین اردو نے اس پر اپنی رائے بھی دی ہے۔ جب یہ کسٹ دلیپ کمار صاحب کو سنایا گیا تو آپ نے بھی اس کی تعریف کی ان کی رائے اس کتاب میں بھی درج کی گئی ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”رابطہ فاؤنڈیشن پونہ“ کے زیر اہتمام ہندوستان کی عالی مرتبت اور قابل صد احترام شخصیت سرسید احمد خان کی سیاسی، سماجی اور تعلیمی خدمات کا ایک نرالے طریقے سے اعتراف کیا گیا۔ فاؤنڈیشن نے مرحوم کی رواداد حیات مختلف آوازوں کی مدد سے ایک ریکارڈڈ آڈیو کسٹ کے ذریعے مرتب کی۔ یہ پیشکش ان کی زندگی کے مقاصد، ان کے مصمم ارادے، ان کی انتھک جدوجہد کی آئینہ داری کرتا ہے۔

”رابطہ فاؤنڈیشن“ نے علی گڑھ تحریک کے نوکیلے پہلوؤں کو جس ندرت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ قابل تحسین ہے۔ اللہ، فاؤنڈیشن کو اپنے بہترین ارادوں میں کامیاب اور کارگر ثابت کرے۔ (یوسف، دلیپ کمار)

۱۹

سعید احمد نے بہت کم ڈرامے لکھے لیکن جو بھی لکھے خوب لکھے۔ ان کی طبیعت کا میلان ہدایت کاری کی طرف زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ مختلف ڈراماؤں کی پیشکش میں کو شارہتے ہیں۔ اگر یہ فرزندِ شولا پور ڈرامہ نگاری کی طرف توجہ دے تو نہ صرف شولا پور کو بلکہ اردو ڈرامہ کو بھی اچھے سٹیج کرنے لائق ڈرامے دے سکتے ہیں۔

☆ عبد الوہاب لنجے کی ڈرامہ نگاری:

عبد الوہاب لنجے ایک مخلص انسان ہیں۔ شولا پور کی ادبی شخصیتوں میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ فی الحال بزمِ غالب کے خازن ہیں۔ موصوف ۱۹۴۶ء سے اس بزم کے رکن ہیں۔ جب اس کا نام ”غالب کلب“ تھا۔ شولا پور کے اہم اور

کامیاب ڈرامہ نگاروں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے بہت کامیاب ڈرامے شولا پور کو دیے ہیں۔ آپ کے ڈرامے نہ صرف شولا پور بلکہ شولا پور کے قرب و جوار میں بھی کھیلے جاتے ہیں۔ آپ کے ڈرامہ پرفیشن لیول پر بھی کھیلے گئے اور چارٹیٹری شوز بھی ہوئے۔

عبدالوہاب لنجے صاحب ۱۰ دسمبر ۱۹۴۶ء کو شولا پور میں پیدا ہوئے آپ کی تعلیم و تربیت بھی یہیں ہوئی۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان ایم۔ اے۔ پانگل اینگلو اردو ہائی اسکول سے پاس کیا اور ۱۹۶۹ء میں آپ شولا پور کے ”محکمہ حصول“ میں ملازم ہوئے۔ دسمبر ۲۰۰۴ء میں وظیفہ یاب ہو کر اب علمی و ادبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ آپ ایک کہنہ مشق شاعر بھی ہیں۔ جمیل تخلص رکھتے ہیں۔ آپ کو ڈرامہ نگاری کا شوق سیم منان کا ڈرامہ ”بہار آنے تک“ دیکھ کر ہوا۔ چوں کہ شولا پور میں ڈرامہ کا ماحول تو تھا ہی، آپ کو لکھنے کے لیے کسی سے تربیت حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ آپ نے اب تک چار ایک بابی ڈرامے لکھے ہیں۔ جن کے نام ہیں۔ ”لال قندیل“، ”کالا راجہ“، ”نجات“ اور ”کیکڑے“ علاوہ ازیں فل لینتھ ڈرامے ”گناہ کے بھول“، ”کھلاڑی“، ”شعلہ“ وغیرہ تخلیق کیے ایک بابی ڈرامے ”لال قندیل“، ”نجات“، اور فل لینتھ ”کھلاڑی“ آپ کے کامیاب ترین ڈرامے ہیں نجات یہ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے ڈرامہ مقابلے ۸۸-۱۹۸۷ میں پیش ہو کر بہترین اسکرپٹ کا انعام بھی حاصل کر چکا ہے اس کے بعد یہ ڈرامہ ۵ دسمبر ۸۷ کو نہرو میموریل ہال پونہ میں ٹکٹ پر پیش ہوا سید سعید احمد نے ہدایت کاری دی تھی اس پیش کش سے پہلے شولا پور میں مہاراشٹر اردو اکادمی کے ڈرامہ مقابلے میں بتاریخ ۷ فروری ۸۵ کو پیش ہوا تھا اور پہلا انعام حاصل کر چکا تھا۔ لال قندیل ”ناٹیہ اپاسنا“ نے پیش کیا تھا۔ اس کو بہترین اسکرپٹ کا انعام ملا ”نجات“ انوار ڈرامہ نے پیش کیا۔ اس کو بھی بہترین اسکرپٹ کا انعام، بی۔ ایچ۔ کر جگی کے ساتھ تقسیم کر کے دیا گیا۔ آپ کا تحریر کردہ ڈرامہ ”کھلاڑی“ موجودہ دور کی شولا پور کی بہترین اردو ہائی اسکول میں شمار ہونے والی ”دی پروگریسو اردو ہائی اسکول“ کی مالی امداد کے لیے چارٹیٹری شوز ہوئے۔ عوام نے آپ کے ڈراموں کو بہت پسند کیا، سراہا، تعریفیں کیں۔ ”نجات“ ڈرامہ شولا پور کے علاوہ پونہ والوں نے

بھی اکیڈمی کے مقابلوں میں پیش کیا اور انعامات حاصل کیے۔ ۲۰

لنچے صاحب شولا پور کے ڈرامہ کے فروغ میں عملاً شامل رہے ہیں۔ ”انوار ڈرامہ اسوس ایشن“ کے بانیوں میں سے ہیں۔ اس اسوسی ایشن نے شولا پور کے ڈرامہ کی ترقی و ترویج میں کافی اہم رول ادا کیا ہے۔ اس کی تفصیلات اگلے صفحات پر آئیں گی۔

اپنے ڈرامے کے لیے موضوعات لنچے صاحب سماج سے لیتے ہیں۔ اخلاقیات آپ کا موضوع خاص رہا ہے۔ نجات



میں آپ نے اچھائی اور برائی، نیکی اور بدی کے درمیان تصادم کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ برائی کو آپ نے ایک تمثیلی کردار بنا کر پیش کیا جس سے ڈرامہ کا حسن دوبالہ ہوا ہے۔ آپ کا یہ کردار آج تک لوگوں کے ذہنوں میں زندہ ہے۔ لال قندیل آپ کا دوسرا کامیاب ڈرامہ ہے۔ اس میں گھریلو حالات اور اولاد کی تربیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ آپ کا یہ ڈرامہ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے رسالہ ”امکان“ میں شائع ہو ہے۔ اکادمی نے اس ڈرامے کو بڑے عزت و احترام سے آپ کے تحریری اجازت نامے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ امکان کے اس شمارے میں اس وقت کے مہاراشٹر کے بہترین ڈرامہ نگاروں کے بہترین ڈرامے شامل تھے۔ یہاں اس رسالے کی مختصر معلومات درج کی جاتی ہے۔

### ☆ امکان (۱۵) اور عبدالوہاب کا ڈرامہ ”لال قندیل“:

”مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی“ ایک علمی و ادبی رسالہ نکالتی ہے۔ اس کا نام ”امکان“ ہے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اس کے شمارہ نمبر ۱۵ میں شولا پور کے ڈرامہ نگار عبدالوہاب لجنے صاحب کا ڈرامہ شامل ہے۔ اس شمارے میں شامل تمام ڈرامے اس وقت کے ڈرامہ مقابلوں میں مہاراشٹر کے بہترین ڈرامے قرار دیے گئے تھے۔ اس شمارے میں شامل ڈراموں اور ڈرامہ نگاروں کے نام یہاں درج ہیں۔ واسو کی واپسی، (سلام بن رزاق)، جلیان والا باغ۔ ۸۳ (اسلم پرویز راقبال نیازی)، آپ زندہ ہیں۔ (عالیہ جبین)، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ (من موہن دویدی)، چل مسافر چل۔ (انیس جاوید)، دوپہر۔ (ساجد رشید)، بجو کا زندہ ہے۔ (اقبال نیازی)، لال قندیل۔ (عبدالوہاب لجنے) اس کتاب کا افتتاحیہ حسن کمال نے لکھا ہے۔

لجنے صاحب کا ڈرامہ صفحہ نمبر ۱۸۰ سے ۲۰۹ پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر ۱۷۹ پر جلی حروف میں آپ کے ڈرامے کا نام لکھا ہوا ہے اس کے نیچے آپ کا نام درج ہے۔ نیچے آپ کے تصویر شائع کی گئی ہے۔ تصویر کے ساتھ آپ کے گھر کا پتہ لکھا ہوا ہے۔ اس صفحے پر لجنے صاحب نے اپنے ڈرامے متعلق چند سطور لکھے ہیں۔ راقم الحروف یہاں ان سطور کو من و عن تحریر کر رہا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

”ایک قوال نے کبل والے واقعہ کو بطور پیش کیا۔ سامعین، ہنس پڑے مگر

مجھ پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ میں نے سوچا کیا اس بات پر ہنسنا چاہیے؟ کیا یہ ہنسنے کی

بات ہے؟ بس اسی سنجیدگی نے میرے ہاتھوں میں قلم تھما دیا اور اس قلم سے اثر

والے الفاظ ڈرامے کی شکل اختیار کر گئے۔“ (عبدالوہاب لجنے)

۲۱

لجنے صاحب راقم الحروف کے ایک شفیق خیر خواہ بھی ہیں اور رہنما بھی ہیں۔ آپ سے ڈرامہ کے متعلق اکثر گفتگو ہوتی

رہتی ہے۔ آپ اپنی ڈرامہ نگاری کے متعلق خود فرماتے ہیں۔ جو موضوع میرے دل کو چھو جاتا ہے میں اس پر ڈرامہ لکھتا ہوں۔ اکثر میرے ڈرامے طویل ہو جاتے ہیں۔ لکھتے لکھتے کئی صفحات ہو جاتے ہیں۔ بعد میں انھیں یکجا کر کے اس پر نظر ثانی کرتا ہوں پھر اس کو ہتھی شکل دیتا ہوں۔ راقم الحروف کو امید ہے کہ اب آپ وظیفہ یاب ہو چکے ہیں۔ آپ کے فرزند ان برس روزگار ہیں۔ اس بے فکری اور سکون کے زمانے میں آپ اپنے اس فن کی طرف توجہ دیں اور شولا پور کو کچھ ایسے ڈرامے عطا کریں جو شولا پور کو آپ سے چاہیے جو آپ کے شاہکار کہلائیں راقم کو اس بات کا اعتماد ہے کہ لجنے صاحب اس کام کو بخسن و خوبی انجام دیں گے۔ آپ کی ذات سے صرف راقم الحروف کی ہی نہیں شولا پور کی امیدیں وابستہ ہیں۔

☆ راجہ باغبان کی ڈرامہ نگاری:

راجہ باغبان کا نام شولا پور کی ڈرامہ دنیا میں کافی مشہور و مقبول رہا ہے۔ آپ بیک وقت ایک بہترین ہدایت کار، اداکار، اور ڈرامہ نگار ہیں۔ آپ کی ہدایت کاری اور اداکاری کا ذکر اس باب کے دوسرے حصے میں آئے گا۔ یہاں ان کی ڈرامہ نگاری سے علاقہ ہے۔ آپ ۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء میں شولا پور میں پیدا ہوئے آپ کی تعلیمی لیاقت ایم۔ اے (اردو) بی۔ پی۔ ایڈ ہے۔ آپ کی ملازمت بحیثیت مدرس جنون ۱۹۹۰ء میں پونہ کی اینگلو اردو بوائز اسکول سے ہوئی۔ بعد ازاں اسی سال جولائی میں آپ ”سٹی ٹرن اردو ہائی اسکول شولا پور“ میں کھیل کے ٹیچر ہوئے۔ آپ اردو بھی پڑھاتے ہیں۔

آپ کے ڈرامہ سرگرمیوں کی ابتداء اداکاری سے ہوئی۔ ۱۹۷۶ء میں سنگیشور کالج کی گید رنگ میں، علاو الدین شاد صاحب کی ”چوٹی رانی، موچھیں غلام“ اس مزاحیہ ڈرامے میں اداکاری کی۔ اس کے بعد اسی سال ”زکام صاحب کی کھانسی“ میں کام کیا۔ اس میں آپ کے رول کو عوام نے بے حد پسند کیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ”ڈھلی کھاٹ“ میں آپ نے مرکزی کردار ”فضلو“ کا رول کیا۔ یہ رول اتنا مشہور ہوا کہ ایک دفعہ راجہ صاحب شکر پیٹھ کی گلی سے گزر رہے تھے۔ بیڑیاں بنانے والی عورتیں بچے آپ کو دیکھتے ہی کہنے لگے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے ”ڈھلی کھاٹ“ میں ”فضلو“ کا رول کیا تھا۔ اس کردار نے آپ کی نجی زندگی کے انداز کو بدل دیا اور ڈرامہ سے متعلق آپ میں بے انتہا دلچسپی پیدا کی۔ اس کے بعد آپ نے کئی ڈراموں میں اداکاری بھی کی بعد ازاں ہدایت کاری بھی کی۔ ڈرامہ کی بدولت شولا پور میں اپنی شناخت بنالی۔ ڈرامہ کے مختلف مقابلوں میں شریک ہوتے گئے اور انعامات و اکرامات سے نوازے گئے۔ ان ہی ڈرامہ مقابلوں کے لیے جب آپ کو مقابلوں کے تقاضوں کو پورا کرنے والی اسکرپٹ نہ ملی تو آپ نے اپنے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈرامہ نگاری کے میدان میں تلوار سوت کر کود پڑے۔ یہیں سے ڈرامہ نگار راجہ باغبان کا جنم ہوا۔

راجہ صاحب نے کئی ڈرامے لکھے۔ ان کی انفرادیت یہ رہی ہے کہ آپ نے جتنے بھی ڈرامے لکھے سبھوں کو بہترین اسکرپٹ کے انعامت کے نوازا گیا۔ آپ نے ۱۹۸۶ء میں پہلا ڈرامہ ”الاؤ“ اس عنوان سے لکھا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا اور آپ نے ”کہہ دو یہ جھوٹ ہے“، ”پیش گوئی“، ”گردش“، ”اجنبی“، ”انگریزی“ کہانی دی منکیز پاؤ“، ”پرنی“ بند کا پنچہ“ اور ”ذبیحہ“ ڈرامے لکھے۔ یہ تمام طبع زاد تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے ۱۹۹۸ء میں اصلاحی و فلاحی تنظیم کے بچوں کے ڈرامہ مقابلوں کے لیے ”جادوئی چراغ“، ڈرامہ لکھ کر پیش کیا علاوہ ازیں مراٹھی کے بہترین ڈراموں کے ترجمے بھی کیے۔ ترجمے: آپ کے ترجموں کی فہرست اس طرح ہے۔

- (۱) میلیہ آئی چاچھا۔ کا ترجمہ۔ ماں۔
- (۲) پرتی شودھ۔ کا ترجمہ۔ انتقام۔
- (۳) چیس۔ کا ترجمہ۔ چیس۔
- (۴) دارکوڑیں اگھڑت ناہی کا۔ ترجمہ۔ دروازہ کوئی کھولتا نہیں۔
- (۵) ایتھے ناؤ ٹھیوا نلا جا گانا کا۔ ترجمہ۔ نام۔
- (۶) جھاڑ۔ کا ترجمہ۔ جنگل۔ ۲۲

متذکرہ تمام ڈرامے سٹیج کیے جا چکے ہیں۔ صرف ایک ڈرامہ ”ذبیحہ“ سٹیج نہیں ہوا، راجہ صاحب کا کہنا ہے کہ یہ ڈرامہ بھی اکیڈمی کے ان قریب ہونے والے مقابلوں میں پیش کریں گے۔ آپ کے تمام ڈرامے با مقصد ہیں۔ آپ کی انفرادیت یہ ہے کہ آپ بذاتِ خود ایک اچھے ہدایت کار ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کی کسی بھی اسکرپٹ کو سٹیج کرتا بہت آسان ہے۔ کیوں کہ آپ کے تمام ڈرامے سٹیج کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ اس لیے آپ کے علاوہ آپ کی اسکرپٹوں کو دوسرے ہدایت کار بھی سٹیج کر سکتے ہیں۔

☆ ساغر شولا پوری کی ڈرامہ نگاری:

شولا پور کے طنزیہ مزاحیہ ڈرامہ نگاروں میں سے ایک ساغر شولا پوری ہیں۔ آپ کا پورا نام عبدالقادر بابولال صاحب باغبان ہے۔ آپ ۱۹۵۴ء کو شولا پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیمی قابلیت ایم۔ اے۔ (اردو) بی۔ ایڈ۔ ہے۔ آپ پیشے سے مدرس ہیں اور مدرس کی شروعات ۱۹۸۸ء میں ”مرول اردو ہائی اسکول ممبئی“ سے کی۔ اس کے بعد آپ ایس۔ ایس۔ اے۔ اردو ہائی سکول میں ۱۹۹۰ء میں ملازم ہوئے۔ اب آپ یہیں اردو پڑھاتے ہیں۔ آپ کو ڈرامہ کا شوق اردو اور مراٹھی ڈرامے دیکھ کر ہوا۔ ”انوار ڈرامہ اسوسی ایشن شولا پور“ سے آپ نے اپنی ڈرامہ سرگرمیوں کی شروعات کی اور ڈرامے

لکھے۔ آپ کے ڈراموں کی فہرست یہاں درج کی جاتی ہے۔

زندگی پاگل، ٹیکس فری، ڈھیلی اجار، کھوکھلی دیوار، مسٹر چارمینار، مہذب درندہ، خالی پیلی، المدد (بچوں کا ڈرامہ) وغیرہ آپ نے تقریباً آٹھ ڈرامے لکھے ۲۳۔ آپ کا کہنا ہے کہ ”ڈرامہ کے ذریعے سماجی برائیوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔ سماج میں پائی جانے والی برائیوں کو ہم ڈرامہ کے ذریعے سماج کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔ آپ کے تمام ڈراموں میں سماج میں پائی جانے والی نا برابری، رشوت خوری، نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی بے کاری، بے کاری س نوجوانوں پر ہونے والے برے اثرات اور انسانیت وغیرہ موضوعات ہوتے ہیں۔ ان تمام مسائل کو وہ بڑی حسن و خوبی سے مزاحیہ واقعات اور چٹکوں، لطیفوں کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ ان چٹکوں اور لطیفوں میں طنز کے کرارے نشر ہوتے ہیں۔ قارئین و ناظرین ان ڈراموں کو پڑھتے اور دیکھتے وقت اپنے آپ پر اور سماج پر ہنستا ہے۔ یہی آپ کی خوبی بھی ہے اور کامیابی بھی۔

☆ ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ٹیل کی ڈرامہ نگاری:

ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ٹیل صاحب شولا پور کے ان ڈرامہ ماہرین میں سے ہیں۔ جنہیں شولا پور کو بجا طور پر فخر ہے۔ آپ پیشے سے ڈاکٹر ہیں۔ لیکن ڈرامہ کے شوقین ہیں۔ اردو اسٹیج ڈرامہ، اسٹیج کے تقاضے، اداکاری، ہدایت کاری، لائٹ، موسیقی، سیٹ، میک اب ڈرامہ کے جملہ شعبوں کے متعلق گہری معلومات رکھتے ہیں۔ اردو تھیٹر کو بلندی پر پہنچانے میں آپ کا رول کافی اہم رہا ہے۔ شولا پور کے ماہرین ڈرامہ کو راقم الحروف نے یہاں تک کہتے سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اسکرپٹ کا متعلق اتنا علم ہے کہ وہ کسی بھی بڑے نگار کے ”فل لینتھ“ ڈرامے کو یک بابی میں منتقل کر سکتے ہیں اور ایسا منتقل کرتے کہ ڈرامہ کا اصل تاثر اور اس کی اور جنالیٹی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا۔ آپ نے پروفیشنل لیول پر ڈرامے کیے اور کامیاب ہوئے۔ آپ کا ترجمہ کردہ ڈرامہ ”خالا خالد کی“ کے شولا پور کے علاوہ دیگر ضلعوں میں بھی کامیاب کمرشیل شوز ہوئے۔ اس ڈرامے کے کل ۲۶ کمرشیل شوز ہوئے۔ مقامی لوگوں میں کمرشیل لیول پر کامیاب لوگوں میں آپ سر فہرست ہیں۔ فی الحال آپ پونہ میں مقیم ہیں۔ وہاں بھی اپنی ڈرامہ سرگرمیوں کو جاری رکھا ہے۔ ۲۴

آپ نے بہت سے طبع زاد ڈرامے لکھے اور مراٹھی زبان کے معیاری و کامیاب ڈراموں کے اردو میں ترجمے بھی کیے۔ ان کے جملہ ڈراموں کے نام تو معلوم نہ ہو سکے۔ لیکن راجہ باغبان، ساغر شولا پوری، جعفر باگلی، اور عبدالحالقی وغیرہ سے جو نام معلوم ہوئے وہ یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ احساس، چشم آفتاب، آپریشن مڈنائٹ، راحت، سماجی ناسور، خراش، مذہب نہیں سکھاتا، رشتے آبلے۔ طائر لاہوتی، ورق، خوابوں کے سوداگر، بے بس ویفرس، پیاسا سمندر، سماجی ناسور وغیرہ آپ نے تقریباً ۲۳ ڈرامے لکھے۔ ان میں سے ۱۲ اسٹیج ہوئے۔ ۲۵

موضوع کے برتنے کا آپ کا اپنا ایک انداز ہے۔ آپ کے ڈراموں میں وحدت تاثر ہوتا ہے۔ واقعات چونکا دینے والے ہوتے ہیں۔ مکالمے موثر اور طنز سے بھرپور ہوتے ہیں۔ آپ نے شولا پور کو کافی فکر انگیز اور کامیاب و معیاری ڈرامے دیے ہیں۔

متذکرہ ڈرامہ نگاروں کے علاوہ شولا پور میں کچھ ڈرامہ نگار ایسے بھی گزرے ہیں۔ جنہوں نے وقتاً اس شعبہ کی طرف توجہ دی۔ ڈراموں گروپوں اور ہدایت کاروں کی فرمائش پر، یا اسکول و کالج کی گیدرنگ کے موقع پر، اساتذہ کی فرمائش پر، ڈرامے لکھے۔ لیکن مستقل طور پر صنفِ ڈرامہ نگاری پر توجہ نہیں دی۔ ان میں عبد الحمید ڈالمبوالے، ارشد جنواڑکر، رؤف باغبان، حکیم شیخ، اقبال سید، پروفیسر اقبال خان وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ یہاں ان کے متعلق مختصر مگر بنیادی معلومات دی جاتی ہے۔

☆ عبد الحمید ڈالمبے:

عبد الحمید ڈالمبے اردو کے مدرس ہیں۔ یہ منظورِ عالم اور بی۔ ایچ کے چگی کر کے ہم پیشہ تھے۔ ایس۔ ایس۔ اے۔ اردو ہائی اسکول میں اردو کے مدرس تھے۔ اب وظیفہ یاب ہیں۔ صاحبِ ذوق ہیں۔ اردو زبان و ادب پر دسترس رکھتے ہیں وظیفہ یاب ہونے کے بعد ایس۔ ایس۔ اے۔ آرٹس اینڈ کامرس کالج شولا پور میں ایم۔ اے۔ سال اول اور دوم میں ایک ایک پیپر پڑھاتے تھے۔ تقریباً چار سال تک ایم۔ اے۔ میں تدریس کی امسال ایم۔ اے کا طریقہ کار بدلنے کی وجہ سے اساتذہ کی کٹوتی ہوئی۔ اس لیے کالج والوں نے انھیں شامل نہیں کیا۔ آپ نے بی۔ ایچ کر جگی کے ساتھ مل کر ”عکس“ ڈرامہ لکھا تھا۔ جس کا ذکر اسی باب میں گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے مزید ڈرامے نہیں لکھے۔ ۲۶

☆ ارشد جنواڑکر:

آپ کا نام عبدالرشید ہے۔ ارشد تخلص ہے۔ شولا پور کے اہم ادیبوں میں سے ہیں۔ شاعر اور نثر نگار ہیں۔ پیشے سے وکیل ہیں۔ آپ کا مجموعہ کلام ”غالب خستہ کے بغیر“ شائع ہو چکا ہے۔ شولا پور کی تاریخ پر آپ نے کئی مضامین لکھے۔ شولا پور کی تاریخ پر آپ کا موضوع خاص ہے۔ ڈرامہ نگاری کی طرف بھی توجہ دی۔ چند ڈرامے آپ کے نام سے منسوب ہیں۔ ان میں سے ایک ”مدوجز“ ہے، یہ دو بابی ڈرامہ ہے۔ دوسرا ”گھاسلیٹ کی لالٹین“، ایک بابی ڈرامہ ہے۔ ۲۷

☆ رؤف باغبان:

راجہ باغبان کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کے ساتھ ڈراموں میں کام کرتے تھے۔ اب سانگلی میں ”تاریخ“ (ہسٹری) کے مدرس ہیں۔ وہیں مقیم ہیں۔ اپنے بھائی زیر اثر آپ نے بھی ڈرامہ نگاری کی طرف توجہ دی اور

ایک کامیاب ڈرامہ ”انداز نزلے“ لکھا اس کے بعد اس صنف کی طرف توجہ نہ دی۔ آپ کا یہ ڈرامہ اکیڈمی میں پیش کیا گیا اور انعام سے نوازا گیا۔ ۲۸

☆ حکیم شیخ:

حکیم شیخ ایک فنکار ہیں۔ شولا پور میں آپ کا ایک ریکارڈنگ اسٹوڈیو ہے۔ آپ آرکیسٹر منعقد کرتے ہیں۔ اناؤنسنگ آپ کا پیشہ ہے۔ مختلف چھوٹی بڑی ایڈورٹائزمنٹ بناتے ہیں۔ اسی شعبے کی دیگر سرگرمیاں پروفیشنل لیول پر کرتے ہیں۔ یہی آپ کا پیشہ ہے۔ وقت ضرورت آپ نے بھی چند ڈرامے لکھے جن کے نام اس طرح ہیں۔ ”گمنام شہید“، ”اژدہ“، ”یاد کرو قربانی“ آپ کے ڈرامے اسٹیج بھی ہوئے اور مختلف مقابلوں میں انعام بھی حاصل کیے۔ ۲۹

☆ اقبال سید:

اقبال سید شولا پور کے نوجوان فنکار ہیں۔ ہدایت کاری میں خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ بحیثیت ہدایت کار کے کئی ڈرامے کیے ڈرامہ نگاری کی طرف توجہ دی اور اصلاحی و فلاحی تنظیم کے بچوں کے ڈرامہ مقابلے کے لیے ایک بچوں کا ڈرامہ لکھا جس کا نام ”آنگن میں لیکشن“ تھا۔ اس کے علاوہ اب تک کوئی ڈرامہ تحریر نہیں کیا۔ ۳۰

☆ پروفیسر اقبال خان:

ایس۔ ایس۔ اے۔ جونیر کالج آرٹس اینڈ کامرس میں آپ انگریزی کے لیکچرار تھے۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں پر قدرت رکھتے تھے۔ آپ نے ناٹیہ اپاسنا کے صدر جناب اسحق منیار کے لیے ڈرامے لکھے۔ منیار صاحب نے ان ڈراموں کو اسٹیج کیا۔ آپ نے اردو میں دو طبع زاد ڈرامے لکھے۔ ان کے نام اس طرح ہیں۔ دہشت گرد اور نئی صبح۔ آپ نے ٹیکسپیئر کے ”ہیملیٹ“ کو اسی عنوان سے ترجمہ کیا۔ فی الحال آپ وظیفہ یاب ہو کر او ایس اور ۲ او ایس جماعت کی انگریزی مضمون کی ٹیوشنس لیتے ہیں۔ ۳۱

ان ڈرامہ نگاروں کے بعد شولا پور میں نوجوان ڈرامہ نگاروں کی ایک نئی نسل ابھر کر سامنے آئی جسے ہم شولا پور میں ڈرامہ نگاروں کی تیسری پیڑھی کہہ سکتے ہیں۔ ان ڈرامہ نگاروں میں عبدالحق، شیخ اختر ایم۔ ہارون رشید باغبان، تنویر بیجا پورے، محمد شفیع چوہدری، اعجاز شیخ، ابراہیم شاہ پورے، وجاہت عبدالستار سگری وغیرہ شامل ہیں۔ اگلے صفحات پر ان کی ڈرامہ نگاری کا جائزہ درج ہے۔

☆ عبدالحق کی ڈرامہ نگاری:

پورا نام عبدالحق عبد الحمید شیخ ہے۔ آپ ۸ مارچ ۱۹۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیمی قابلیت بی۔

کام۔ ٹی۔ ڈی ہے۔ ۱۹۹۰ء سے فیبریکیشن کا کام کرتے ہیں۔ فی الحال ”آدیتیہ نگر۔ آر۔ ٹی۔ آئی۔ آفیس کے قریب بیجاپور روڈ پر فیبریکیشن کی ورک شاپ چلاتے ہیں۔ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود آپ نے ملازمت کی طرف نہ دوڑ کر تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ آپ کو کالج کے زمانے میں ڈرامہ کا شوق ہوا۔ ایس۔ ایس۔ اے آرٹس اینڈ کامرس کالج کی گیندرنگ میں حصہ لیا۔ کرشن چندر کا مشہور ڈرامہ دروازے کھول دو میں ”مان کٹی“ کا کردار ادا کیا۔ یہیں سے ڈرامہ میں دلچسپی بڑھی۔ کالج ختم ہونے کے بعد ڈاکٹر جی۔ ایم۔ پتیل کے ڈراموں میں حصہ لینے لگے۔ ڈاکٹر صاحب کی صحبت میں رہ کر ڈرامے کی باریکیاں سیکھی۔ کچھ ہی عرصے میں خود سے ڈرامے لکھنے لگے اور ہدایت کاری بھی شروع کی۔

اندھیری رات کے مسافر، آپ کا پہلا تحریر کردہ ڈرامہ ہے۔ اس ڈرامے کو اکیڈمی کے مقابلوں میں بہترین اسکرپٹ کا انعام ملا۔ اس کامیابی کے بعد آپ نے اور بہت سے ڈرامے لکھے جن کے نام اس طرح ہیں۔ جڑ کاٹنے والے، ہمیں بچو اس آگ سے، پھٹا لحاف، بھرم، مساوات اسلام اور بچوں کا ڈرامہ، یاد کرو قربانی وغیرہ یہ تمام ڈرامے اسٹیج ہو چکے ہیں۔ ابھی کچھ ڈرامے اور بھی لکھے ہیں۔ جس کو اسٹیج نہیں کیا گیا۔ آئندہ مقابلوں میں یہ ڈرامے اسٹیج کیے جائیں گے ان میں ایک ڈرامہ ”ہجرت“ ہے۔ بچوں کے لیے بھی کچھ ڈرامے لکھے ہیں۔ ان کے نام اس طرح ہیں۔ ”تا کد نادن، تاکے سے۔ نانی مر گئی فاقے سے اور آؤ مشاعرہ کریں“ وغیرہ۔ ۳۲

خالد صاحب اپنے ڈراموں کے ذریعے سماجی اصلاح کا پیغام دیتے ہیں۔ اردو اسٹیج سے مسلمانوں کے مسائل کو اٹھانا اور اسلامی موضوعات کو پیش کرنا، خاص طور سے تاریخ اسلام کے شاندار تاریخی واقعات کو پیش کرنا بھی آپ کا مقصد ہے۔ آپ کے پہلے ڈرامے ”اندھیری رات کے مسافر میں آپ نے کشمیر کے مسلم نوجوانوں کے سلگتے مسائل کو پیش کیا تھا۔ ”ہمیں بچاؤ اس آگ سے“ میں فسادات میں مسلمانوں کی تباہی اور نقصانات کو موضوع بنایا۔ ”مساوات اسلام“ میں مسلمانوں کے خلیفہ ہارون الرشید کے عدل و انصاف کو پیش کیا۔ ”جڑ کاٹنے والے“ میں شولا پور میں ملوں کے بند ہونے کے بعد مزدوروں پر ہونے والے برے اثرات اور ان کی کسم پرسی کی منہ بولتی داستان پیش کی۔ اس طرح سماج کے سلگتے مسائل کو بھی آپ نے اردو اسٹیج سے عوام کے سامنے پیش کیے۔ آپ کی ڈرامہ نگاری کا سفر جاری ہے۔ اسلام کی بہادر شخصیات کے تاریخی واقعات پر مبنی بہت سے خاکے آپ کے پاس موجود ہیں۔ مستقبل میں ان ہی خاکوں کو خالد صاحب ڈراموں میں منتقل کرنے والے ہیں۔ راقم الحروف نے آپ سے گزارش کی ہے کہ آپ اپنے چندہ ڈراموں کو شائع کریں۔ آپ اس مشورے پر بھی غور کر رہے ہیں اور مستقبل میں اپنے ڈراموں کو شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

☆ شیخ اختر۔ ایم۔ کی ڈرامہ نگاری:

شیخ اختر۔ ایم۔ ایچ۔ کرجگی کر کے بعد ایک ایسا ڈرامہ نگار ہے جس کی تعلیم و تربیت مراٹھی ہوئی۔ لیکن اردو کا کامیاب ڈرامہ نگار ثابت ہوا۔ اختر شیخ شولا پور کے کامیاب ڈرامہ نگاروں میں سے ایک ہے۔ شیخ اختر۔ ایم۔ کے ڈرامے اہلیان شولا پور بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔ اس نوجوان نے بہت کم وقت میں شولا پور کی ڈرامہ دنیا میں اپنا نام پیدا کیا اور کامیاب ڈرامہ نگاروں کی صف میں اپنے لیے جگہ بنالی۔

اختر شیخ کو ڈرامہ کا بہت شوق ہے۔ آپ اس کی تمام باریکیوں سے باخبر ہیں۔ آپ اداکار، ہدایت کار اور ڈرامہ نگار ہیں۔ شیخ اختر۔ ایم نے ڈرامہ کے بہت سے تربیتی کورس کیے ہیں۔ آپ نے ۳۱ دن کا ”تماشے“ کا کورس بھی کیا۔ جس میں مہاراشٹر کے قدیم لوگ نرتیہ اور لوگ سنگیت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مراٹھی دنیا میں بھی آپ نے ڈرامہ کی بہت سی سرگرمیاں انجام دیں۔ مراٹھی ٹی۔ وی۔ سیریل کے مشہور اداکار ”کشور مہابولے“ کے ساتھ آپ نے مہاراشٹر کے تین اضلاع، اورنگ آباد، پونہ اور احمد نگر میں ”بھجن پرکشش“ کے ناظم کی حیثیت سے کام کیا۔ ان تمام تجربات کا استعمال آپ نے اپنی ڈرامہ نگاری کے لیے کیا ہے۔

آپ اردو، مراٹھی اور ہندی میں ڈرامے لکھتے ہیں۔ اب تک آپ نے اردو میں نو ۹ مراٹھی میں دو ۲، اور ہندی میں ایک ڈرامہ لکھا ہے۔ علاوہ ازیں چار اردو کے خاکے اور ایک مراٹھی کا خاکہ آپ کے پاس تیار ہے جو عنقریب لکھے جائیں گے۔ موصوف ”ایسے بھی خواب“ کے عنوان سے ایک ٹی۔ وی۔ سیریل بھی لکھ رہے ہیں۔ یہاں آپ کے تمام ڈراموں کے نام درج کیے جاتے ہیں۔

☆ اردو ڈرامے:

لمحہ موت، بھڑک اٹھا گلستان، نیلام، جال، آوارہ گلیاں (بچوں کا ڈرامہ) اثر دہ، ہو سکے تو، دفن بھومی، احساس یا گمان، وغیرہ ڈرامے آپ نے اردو میں لکھے اور اسٹیج کر کے کئی انعامات حاصل کیے۔ اس کے علاوہ سمرٹ، شاہ مردانہ، نشان، زیر طبع ہیں۔

☆ مراٹھی ڈرامے:

مراٹھی میں آپ نے دو ڈرامے لکھے پہلے ڈرامے کا نام ”وانجھ پر یاس“ ہے اور دوسرے کا نام ”کاٹے ری گپن“ ہے۔ ”اونیری بال پن“ لکھ رہے ہیں۔

☆ ہندی ڈرامے:

ایک ہندی ڈرامہ ”چورس“ عنوان سے لکھا ہے۔ اس طرح آپ اردو، ہندی اور مراٹھی تینوں زبانوں میں لکھے ہیں۔



اختر شیخ کے ڈراموں کے موضوعات میں تنوع ہے۔ وہ مختلف موضوعات پر لکھتے ہیں۔ ”لمحہ لمحہ موت“ کا موضوع ایڈس ہے جو دورِ حاضر کا سنگین مسئلہ ہے ”بھڑک اٹھا گلستان“ دہشت گردی کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ ”نیلام“ میں آپ نے کر فیو لگنے کے بعد تاجروں پر ہونے والے برے اثرات کو موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ”جال“ میں آپ نے دو بھائیوں کے درمیان جائیداد کے جھگڑے کو موضوع بنایا ہے۔ ”آوارہ گلستان“ یہ بچوں کا ڈرامہ ہے جو ۱۹۹۸ء میں اصلاحی و فلاحی تنظیم کے ڈرامہ مقابلوں کے لیے لکھا اور اسٹیج کیا گیا۔ اس میں اختر صاحب نے یتیم بچوں کے مایوس کن مستقبل کو موضوع بنایا اور یہ پیغام دیا کہ یہ بچے قوم کی امانت اور مستقبل ہیں ان کے مستقبل کی فکر کرنا قومی فریضہ ہے۔ ”اژدہ“ میں پھر سے ایڈز کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں ایڈز میں مبتلا نوجوان کی حالت اس کی موت اور اس کی موت کے صدمے سے بیوی کی موت اور ماں باپ کی گاؤں میں رسوائی کو پیش کیا گیا۔ نوجوان اختر نے عشق و محبت اور رومان پر ایک ڈرامہ ”ہو سکے تو“ لکھا اور میں میں ایک طرفہ محبت کی داستان بیان کی۔ ”فن بھومی“ میں بگڑی اولاد کے انجام پر خامہ فرسائی کی۔ ”احساس یا گمان“ میں غریب و مفلس و نادار نوجوان کے مسائل کو بڑی درد انگیزی سے پیش کیا۔ یہ ڈرامہ مراٹھی کے مشہور ڈرامہ نگار کیدار شندے کے ڈرامے سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا ترجمہ ہے جسے اختر سید نے اپنے انداز میں کیا۔ یہ ہے شیخ اختر ایم۔ کے ڈراموں کی دنیا۔ متنوع اور کثیر الموضوع۔ مستقبل میں اس ڈرامہ نگار سے بھی اہلیانِ شولا پور کو بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اختر صاحب کا شاہکار ڈرامہ ابھی منظر عام پر آنا باقی ہے۔ ابھی آپ تجربوں کی حد سے گزر رہے ہیں۔ مستقبل میں ایک بہترین ڈرامہ نگار کی شکل میں ابھریں گے۔

#### ☆ ہارون رشید باغبان کی ڈرامہ نگاری:

نئی نسل کے ابھرتے ہوئے فنکاروں میں ایک نمایاں نام ہارون رشید باغبان کا ہے۔ ہارون رشید باغبان ایک ویل کا لیفاڈ بلکہ آج کے زمانے میں جسے ہائی کالیفائڈ کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہیں۔ آپ ۴ اپریل ۱۹۷۳ء کو شولا پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا پورا نام ہارون رشید احمد صاحب باغبان ہے۔ آپ کی تعلیمی قابلیت بی۔ اے (انگریزی اور فارسی) ایم۔ اے (انگریزی، اردو اور فارسی) بی۔ ایڈ ہے۔ آپ ۱۹۹۸ء سے بیگم قمر انسا کارنگر گلزار دوہائی اسکول میں انگریزی کے معاون مدرس کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں ۲۰۰۲ء میں اسی ادارے کے ایم۔ اے۔ پانگل، اینگلو اردوہائی اسکول میں آپ کا تبادلہ ہوا۔ اب آپ وہیں انگریزی کے معاون مدرس ہیں۔ اور صدرِ مقدر بھی ہیں اور سال ۲۰۱۶ء میں آپ ناکپور یونیورسٹی P.HD کی ڈگری بھی تفویض کی ہے۔

آپ اپنی شخصیت کے متعلق آپ خود کہا کرتے ہیں کہ ۔

”مدرس میرا شوق ہے اور ڈرامہ میرا جنون ہے۔“

آپ شولا پور میں اردو ذریعہ تعلیم کے کامیاب اور قابل انگریزی کے مدرس کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ درس و تدریس میں بہت کم وقت میں بہت نام پیدا کرنے والوں کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش ایک ایسے گھر میں ہوئی جس میں ڈرامہ اوڑنا، کچھونا تھا۔ آپ کے بڑے بھائی راجہ باغبان شہر کے ڈرامہ ماہرین میں سے ایک ہیں۔ بلکہ شولا پور میں راجہ باغبان کا ایک مکتبہ فکر ہے۔ اس اسکول سے شولا پور کے بہت سے فنکار جڑے ہوئے ہیں۔ ہارون صاحب کی ڈرامہ کی تربیت ان ہی کی پیار اور دلار میں ہوئی۔ راجہ باغبان اپنے بھائی سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ انھوں نے ۱۹۸۶ء میں اکیڈمی کے ڈرامہ مقابلوں میں ”الاؤ“ ڈرامے میں جس کے ڈرامہ نگار اور ہدایت کار خود راجہ باغبان تھے بطور چائلڈ آرٹسٹ آپ کو پیش کیا۔ چھوٹے ہارون نے اس کردار کو بحسن و خوبی ادا کیا۔ یہیں سے آپ کی ڈرامہ سرگرمیوں کا خوشگوار آغاز ہوا۔ اس کے بعد بہت سے ڈراموں میں آپ نے کام کیا۔ عمر کے ساتھ ساتھ آپ کی ڈرامہ فہمی بھی بڑھی۔ جب ہارون رشید جوان ہوئے تو ان کی فنکارانہ صلاحیتیں بھی جوان ہوئیں۔ اب آپ اداکار کے ساتھ ساتھ ہدایت کار اور ڈرامہ نگار بھی ہیں۔

فی الحال اپنی ۲۲ سالہ ڈرامائی زندگی میں آپ نے ۱۵ طبع زاد ڈرامے اور چھ ترجمے کیے ہیں۔ ان میں بالغوں اور بچوں کے ڈرامے شامل ہیں۔ راقم الحروف نے آپ کی ڈرامہ نگاری کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصے میں وہ ڈرامے شامل کیے گئے ہیں۔ جو آپ نے بالغوں کے لیے لکھے دوسرے حصے میں بچوں کے ڈراموں کو رکھا گیا ہے۔ اور تیسرے حصے میں تراجم کا جائزہ درج ہے۔

☆ پہلے حصے کے ڈرامے:

آپ کی ڈرامہ نگاری کی شروعات ۱۹۹۱ء سے ہوئی۔ اس دور میں آپ نے دو ڈرامے لکھے اور یہ ڈرامہ ”ناٹیہ اپاسنا“ کے ڈرامہ مقابلے میں پیش کیے۔ اس کے بعد آپ کی ڈرامہ نگاری کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ یہاں پر ان ڈراموں کے نام بتدریج درج کیے جاتے ہیں۔

- |     |            |       |
|-----|------------|-------|
| (۱) | شاہین۔     | ۱۹۹۱ء |
| (۲) | بھول۔      | ۱۹۹۱ء |
| (۳) | میٹھا زہر۔ | ۱۹۹۶ء |
| (۴) | تخلیق۔     | ۱۹۹۹ء |

(۵)	صبح روشن۔	۲۰۰۰ء
(۶)	گدھ۔	۲۰۰۱ء
(۷)	فاصلہ۔	۲۰۰۲ء
(۸)	سنگ تراش کا خواب۔	۲۰۰۲ء
(۹)	مذہب نہیں سکھاتا۔	---
(۱۰)	راستے کا پتھر۔	---
(۱۱)	ماڈرن جال۔	۲۰۰۸ء

۳۴

متذکرہ ڈراموں میں ”شاہین“ کا غریب، خوددار نوجوان کی جد جہد کو موضوع بنا کر لکھا گیا ڈرامہ ہے۔ ”بھول“ میں میاں بیوی کے درمیان شک اور اس کے انجام کو بتایا گیا ہے۔ ”میٹھا زہر“ میں نوجوانوں کے بے راہ روی، نشہ و چیزوں کا استعمال اور اس کے عبرت ناک انجام کو موثر انداز میں پیش کیا گیا۔ اس ڈرامہ کو ”نشہ بندی تحریک“ کے ریاستی سطح پر لیے گئے ڈرامہ مقابلے میں دوم انعام حاصل ہوا۔ یہ مقابلہ محکمہ سماجی بہبودی (نشہ بندی پر چار اور تعلیم) حکومت مہاراشٹر پونے کے زیر اہتمام لیا گیا تھا۔ بعد ازاں انعام یافتہ ڈراموں کو شائع کیا گیا۔ ان میں ہارون صاحب کا ڈرامہ شامل ہے۔ اس میں مراٹھی اور اردو دونوں زبان کے ڈرامے ہیں۔ دورِ حاضر میں مشینوں کا استعمال بڑھ گیا ہے۔ انسان مشینوں کا عادی ہوا ہے۔ روبوٹ انسان کی بہترین ایجاد مانی جاتی ہے۔ روبوٹ کو انسان پر ترجیح دینے سے کیا نقصانات ہو سکتے ہیں۔ اس موضوع پر تخلیق ڈرامہ لکھا گیا۔ ڈرامے کے انجام میں روبوٹ پر انسان کو ترجیح دی گئی۔ ”صبح روشن“ کا موضوع ایک عیسائی بیوہ کے حالاتِ زندگی اور اس کے فیصلہ خودکشی کو زندگی پر ترجیح دے کر مثبت انجام پر ختم کیا گیا ہے۔ ”گدھ“ علی امام نقوی کے افسانے پر مبنی ہے۔ اس میں پارسیوں کے مذہبی اور سماجی مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ”فاصلہ“ اسلامی دورِ حکومت اور آج کے ہندوستانی رہنماؤں (حاکموں) کے فرق کو موضوع بنا کر لکھا گیا ہے۔ محمود اور یاز کے قربت اور آج کے رہنماؤں اور عوام کے درمیان کے فاصلے اور ترشی کو بڑے موثر انداز میں لکھا گیا ہے۔ ”سنگ تراش کا خواب“ کا موضوع طالب علموں کی تعلیم میں اساتذہ کا رول ہے۔ ”مذہب نہیں سکھاتا“ میں ایک مسلم نوجوان اور ایک غیر مسلم لڑکی کی عشقیہ کہانی کے پیرائے میں مذہبی روداری کو موضوع بنایا گیا۔ ”راستے کا پتھر“ کا موضوع قومی یکجہتی ہے۔ ”ماڈرن دجال“ کا موضوع موجودہ حالات کی برائیوں کی عکاسی ہے یہ مزاحیہ ڈرامہ ہے۔

☆ دوسرے حصے کے ڈرامے:

اس حصے میں ہارون باغبان کے ”بزمِ غالب“ کے بین المدارس ڈرامہ مقابلوں کے لیے لکھے بچوں کے ڈراموں کو رکھا گیا ہے۔ ۲۰۰۵ء سے اب تک چار ڈرامہ مقابلے بزم کے زیر اہتمام ہوئے ہیں۔ ان مقابلوں کے لیے ہارون صاحب نے چار ڈرامے لکھے ان کے نام یہ ہیں۔

- (۱) کون ہے وہ؟ ۲۰۰۵ء
- (۲) آئینہ ۲۰۰۶ء
- (۳) خوشبو ۲۰۰۷ء
- (۴) منزلوں سے آگے ۲۰۰۸ء

۳۵

چاروں ڈرامے خصوصیت کے ساتھ مقابلوں کے لیے لکھے گئے۔ بچوں کے موضوعات پر لکھے گئے یہ ڈرامے ادب اطفال میں اضافہ ہیں۔ ہارون صاحب کے پہلے ڈرامے ”کون ہے وہ“ کا موضوع بچوں کی اخلاقی تربیت ہے۔ اس میں بچوں کی تربیت میں والدین کی تربیت کی اہمیت و افادیت کو واضح کیا گیا ہے اور یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جھوٹ بول کر اور چوری کر کے نیک کام کرنے کا ثواب نہیں ملتا۔ ”آئینہ“ میں موصوف نے، اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس اور طلبہ و طالبات کی عکاسی کی ہے اور ایک غریب بچے کی تعلیم حاصل کرنے کی ضد اور عزم کو بڑی حسن و خوبی سے تحریر کیا ہے۔ اس بچے کے مکالمے جذبات سے سرشار ہیں۔ بچوں میں باہمی ہمدردی اور مدد کے جذبات کی عکاسی ”خوشبو“ میں کی گئی ہے اور ”منزلوں سے آگے“ میں لڑکوں کی کھیل کود میں دلچسپی اور لڑکیوں کی تعلیم میں دلچسپی اور سنجیدگی کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

خوشبو کو بہترین اسکرپٹک کا دوسرا اور ”منزلوں سے آگے“ کو تیسرا انعام حاصل ہوا۔ ہارون صاحب کے بچوں کے ڈرامے عوام میں مقبول ہوئے۔ آپ کے ان ڈراموں کے موضوعات بچوں کی زندگی اور ان کے بچپن سے تعلق رکھتے ہیں۔ بحیثیت بچوں کے ڈرامہ نگار کے آپ کامیاب نظر آتے ہیں اگر اسی طرح لکھتے رہے تو مستقبل میں آپ اس کے ماہرین میں شمار ہو سکتے ہیں۔

☆ تیسرے حصے کے ڈرامے:

ہارون صاحب نے دیگر زبانوں کے اچھے ڈراموں کے تراجم بھی کیے۔ چوں کہ آپ انگریزی کے استاد ہیں۔ اس لیے انگریزی کے ڈرامے پڑھتے رہتے ہیں۔ آپ کے تراجم میں انگریزی ڈرامے بھی شامل ہیں۔ آپ پروفیسر اقبال خان کے بعد شولا پور کے دوسرے شخص ہیں جنہوں نے انگریزی کے ڈراموں کو براہ راست اردو میں منتقل کیا۔ یہاں آپ کے انگریزی اور مرٹھی تراجم کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

- (۱) دی، میرتج پرپوزل۔ (انگریزی کا ترجمہ)  
 (۲) بدتمیز۔ (انگریزی کا ترجمہ)  
 (۳) پیش کش۔ (مراٹھی کا ترجمہ)  
 (۴) جادوگر کا الاؤ۔ ( ” )  
 (۵) بھوت کا جنم۔ ( ” )  
 (۶) فریش لگا۔ ( ” )

۳۶

”دی، میرتج پرپوزل“ کنواری بیٹی کے باپ کی کہانی ہے۔ جو اپنی بیٹی کی شادی کے فکر میں ہے اور ایک اچھے رشتے کو غیر ارادی طور پر کھودینے کے دکھ میں ہے۔ یہ ایک مزاحیہ ڈرامہ ہے۔ ”بدتمیز“ گھر میں مالک اور نوکر کے درمیان نوک جھونک اور نوکر کی اہمیت پر لکھا ہوا ڈرامہ ہے۔ ”پیش کش“ ایک تھیٹر یکل ڈرامہ ہے۔ جس میں ڈرامہ کے امپروائزیشن کی کہانی ہے۔ ”جادوگر کا الاؤ“ سیاسی مسائل لیڈروں کی رشوت خوری پر لکھا گیا ڈرامہ ہے۔ ”بھوت کا جنم“ کا موضوع ضعیف العقاد کی پرطنز ہے۔ ”فریش لگا“ کا موضوع ایک بدتمیز مگر ایماندار شخص کی جدوجہد اور انسان دوستی ہے۔ ان تراجم میں ”پیش کش“، ”جادوگر کا الاؤ“ اور ”فریش لگا“ اسٹیج کیے گئے۔ مستقبل میں ہارون صاحب سے انگریزی کے شاہکار ڈراموں کے میعاری ترجموں کی توقع ہے۔ کیوں کہ دیگر زبانوں کی میعاری تخلیق کو اپنی زبان میں لانے سے زبان و ادب کی ترقی ہوتی ہے اور معیار بلند ہوتا ہے۔

ہارون باغبان ایک متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ ڈرامہ نگاری میں سنجیدگی سے مصروف ہیں۔ نئے نئے موضوعات کی تلاش میں رہتے ہیں۔ یہ نوجوان بھی مستقبل میں شولا پور کے میعاری و مستند ڈرامہ نگاروں میں اپنی جگہ بنائے گا۔

☆ تنویر بیجا پورے کی ڈرامہ نگاری:

تنویر بیجا پورے کو ڈرامہ نگاری کا فن ورثے میں ملا ہے۔ آپ کے والد محترم جناب عبدالمنان نسیم شولا پور کے بہترین ڈرامہ نگاروں میں سے ایک تھے۔ اسی باب میں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ تنویر صاحب ایک لائق باپ کے لائق فرزند ہیں۔ آپ کا پورا نام تنویر احمد عبدالمنان بیجا پورے ہے۔ آپ ۲۱ اگست ۱۹۷۷ء کو شولا پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیمی قابلیت ایم۔ اے۔ ایم۔ بی۔ اے ہے۔ فی الحال آپ پونہ میں ایک کمپنی میں ملازم ہیں۔

آپ کی ڈرامہ سرگرمیوں کی شروعات بطور چائلڈ آرٹسٹ ۱۹۸۴ء میں راجہ باغبان کے ڈرامے ”آگ“ سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے ۱۹۹۴ء میں ”ہمیں بچا واس آگ سے“ اندروڑی نرملن سمیتی سے پیش کردہ ڈرامے میں جس کے

ڈرامہ نگار عبدالحق اور ہدایت کار عبدالحق اور اقطبال علیم تھے میں کام کیا۔ ۱۹۹۵ء میں ”بھرم“ ۱۹۹۶ء میں ”جڑ کاٹنے والے“ ۱۹۹۸ء میں ”پدیا ترا“ ۱۹۹۹ء میں فیصلہ میں مختلف رول کیے۔ ۲۰۰۱ء میں ”اندیکھا جہاں“ کو ہدایت دی۔ ۲۰۰۲ء میں ”ہزاروں خواہشیں ایسی“ میں علاء الدین طالب کے ساتھ مل کر ڈرامہ نگاری کی شروعات کی اور اس ڈرامہ کی ہدایت کاری کی۔ آپ نے بہت سے ڈراموں میں بہترین اداکاری کے انعامات حاصل کیے۔

ڈرامہ نگاری کی طرف توجہ دینے کے بعد آپ نے اب تک تین ڈرامے لکھے اور تینوں سٹیج ہوئے۔ آپ کے ان ڈراموں کے نام یہ ہیں۔

(۱) اندیکھا جہاں۔ (۲) ہزاروں خواہشیں ایسی۔ (۳) جینا اسی کا نام ہے۔ ۳۷

”اندیکھا جہاں“ سائنس فکشن کا ڈرامہ ہے۔ یہ صرف دو کرداروں کا ڈرامہ ہے۔ اس میں ایک سائنسدان ہے اور دوسرا اس کا اسیسٹنٹ ہے۔ قدرت کے قانون میں دخل اندازی کا انجام اس ڈرامے کا موضوع ہے۔ ڈرامہ نگار نے اس ڈرامے کے ذریعے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ انسان چاہے جتنی بھی ترقی کر لے مگر وہ قدرت کے قانون کو بدلنے یا توڑنے کی کوشش کرے گا تو خود نقصان اٹھائے گا۔ شولا پور کی ڈرامہ نگاری میں یہ ڈرامہ ایک تجربہ تھا۔ ”ہزاروں خواہشیں ایسی“ یہ ڈرامہ آپ نے علاء الدین طالب کے ساتھ مل کر لکھا تھا۔ یہ ایک مزاحیہ ڈرامہ تھا۔ دراصل یہ ڈرامہ ایک لطیفہ پر مبنی تھا۔ اس ڈرامے میں ایک شخص کی لاٹری نکلنے کے بعد اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو بڑے مزاحیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ”جینا اسی کا نام ہے“ اس ڈرامے میں ریڈیو پر ”جاکی“ کرنے والے نوجوان کی کہانی پیش کی گئی ہے۔ اس ڈرامے کے ذریعے ڈرامہ نگار نے یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں ہر مسیبت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔

تنویر بیجا پورے چوں کہ ایم۔ بی۔ اے۔ کے طالب علم ہیں اس لیے موجودہ زمانے کے نئے علوم سے واقف ہیں۔ ترقی یافتہ دور کی ترقی یافتہ چیزوں سے باخبر ہیں۔ آپ کی سوچ وسیع ہے۔ اس لیے آپ کے ڈرامے کے موضوعات بھی جدید نظر آتے ہیں۔ اسی لیے ڈرامہ نگاری میں تجربے بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کی ڈرامہ نگاری ابھی تجرباتی دور سے گزر رہی ہے۔ اگر آپ اس شوق کو برقرار رکھتے ہیں۔ تو آپ میں ڈرامہ نگاری کے عناصر موجود ہیں۔ یقیناً مستقبل میں ایک کامیاب ڈرامہ نگار کی شکل میں ابھر کر آئیں گے۔

☆ اعجاز احمد شیخ کی ڈرامہ نگاری:

نوجوان ڈرامہ نگاروں کی فہرست میں اعجاز احمد کا نام بھی کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس نوجوان میں ڈرامہ ایک اچھے ڈرامہ نگار ہونے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ اعجاز صاحب کو ڈرامہ کافن ورثے میں ملا۔ یہ شولا پور کے بزرگ ڈرامہ ماہر

منظور عالم شیخ کے صاحب زادت ہیں۔ (منظور صاحب کا ذکر اسی باب میں گزر چکا ہے۔) آپ ۱۶ نومبر ۱۹۷۶ء کو شولا پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیمی قابلیت ایم۔ اے (اردو، ہسٹری) بی۔ ایڈ۔ ہے۔ آپ ۲۰۰۰ء سے دی پروگریسیو اردو ہائی اسکول میں مدرس ہیں۔ اسکول کی تمام سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اکیڈمی کے ڈرامہ مقابلوں میں ”سائی بابا و دیامندر“ کی طرف سے کئی ڈرامے لکھ کر پیش کر چکے ہیں۔ آپ ایک اچھے اداکار، ہدایت کار اور ڈرامہ نگار ہیں۔ آپ نے مراٹھی کی بہت سی معیاری اسکرپٹ کے اردو میں کامیاب ترجمے کیے ہیں۔ یہاں ان کے طبع زاد اور ترجموں کے نام لکھے جاتے ہیں۔

☆ طبع زاد ڈرامے:

- (۱) پتاجی پلیر (یکبا بی) ۱۹۹۵ء
- (۲) کھلونے (یکبا بی) ۱۹۹۸ء
- (۳) واپسی (بچوں کا ڈرامہ) ۲۰۰۹ء (پریم چند کی کہانی ”دونیل“ پر مبنی)

ترجمے:

- (۱) جواب ۱۹۹۷ء (یوگیش سومن (پونہ) کے ”جواب“ کا ترجمہ)
  - (۲) پہچان ۱۹۹۷ء (اشوک چوہان کے ”اورٹھ“ کا ترجمہ)
  - (۳) اجالوں کے خواب ۲۰۰۴ء (ہیمنت (عادل آباد کر) کے ”اجیڑ پھولا“ کا ترجمہ)
  - (۴) منومائی ڈال ۲۰۰۸ء (آکاش منوہر (ماٹنگا، ممبئی) کے ”منومائی ڈال“ کا ترجمہ) ۳۸
- عجاز صاحب کا اسکرپٹ سینس بہت اچھا ہے۔ آپ کی ڈرامہ نگاری ابتدائی مراحل میں ہے۔ اسی لیے آپ ترجموں کی طرف خاص توجہ دیتے ہیں۔ مستقبل میں یہ ڈرامہ نگار اچھے ڈرامے لکھ سکتا ہے۔ راقم الحروف کو عجاز صاحب سے بہت سی امید وابستہ ہیں۔

☆ ابراہیم شاہ پورے کی ڈرامہ نگاری:

بزمِ غالب کے بین المدارس ڈرامہ مقابلوں سے اپنی ڈرامہ نگاری کی شروعات کرنے والے ڈرامہ نگار ابراہیم شاہ پورے ہیں۔ ابراہیم شاہ پورے عملی طور پر ڈرامہ فیلڈ سے نہیں جڑے ہیں۔ اداکاری، یا ہدایت کاری کا کوئی عملی تجربہ آپ کو نہیں ہے۔ لیکن جب آپ کو ڈرامہ مقابلہ میں حصے لینے کے لیے اسکرپٹ نہ ملی تو آپ نے خود کوشش کی اور ڈرامہ نگاروں کی فہرست میں اپنا نام لکھوایا۔

آپ کا پورا نام محمد ابراہیم محمد اسماعیل شاہ پورے ہیں۔ آپ ۲۷ اپریل ۱۹۸۲ء کو شولا پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیمی قابلیت ایم۔ اے (ہسٹری)۔ بی۔ ایڈ ہے آپ ایم۔ اے پانگل جو نیر کالج میں ہسٹری کے ٹیچر ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں آپ نے پہلا ڈرامہ بچوں کے لیے لکھا، جس کا نام ”کشکش“ تھا۔ یہ ڈرامہ بزم غالب کے پہلے ڈرامہ مقابلے میں پیش کیا گیا۔ اس میں شاہ پورے صاحب نے بچہ مزدوری کے نازک مسئلے کو چھیڑا ہے۔ یہ ڈرامہ ابتدائی کوشش کے اعتبار سے کامیاب رہا۔ اس موضوع کو بہت پسند کیا گیا۔ اس کے علاوہ بچوں کے لیے ایک اور ڈرامہ آپ نے لکھا ہے جس کا نام ”چک دے“ ہے اس ڈرامے کا موضوع بچوں کی تعلیم میں کھیل کی اہمیت ہے۔ یہ موضوع بھی انوکھا ہے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ صحت کی تعلیم کی اہمیت واضح کرنا اپنے اندر ایک بڑی بات ہے۔ ماہرین تعلیم نے تعلیم میں صحت کی تعلیم پر زور دیا ہے شاید شاہ پورے صاحب ان ماہرین تعلیم سے متاثر ہیں بالغوں کے لیے آپ نے ایک ڈرامہ ہندوستان کے قومی مسائل اور فسادات کے موضوع پر لکھا ہے جس کا نام ”جئے ہند“ ہے۔ آخر الذکر دونوں ڈرامے ابھی اسٹیج نہیں ہوئے۔ ۳۹

شاہ پورے صاحب ڈرامہ نگاری میں ہارون باغبان سے متاثر ہیں۔ ہارون باغبان، راجہ باغبان اور ساحر نداف کو آپ اپنا رہبر مانتے ہیں۔ شاہ پورے کی ابتدائی کوششیں اہلیان شولا پور سے حوصلہ افزائی اور ترغیب چاہتی ہیں۔ شولا پور کے ڈرامہ افزاء ماحول میں یہ ستارہ بھی مستقبل میں چمک سکتا ہے۔

#### ☆ وجاہت عبدالستار سگری ڈرامہ نگاری:

بزم غالب کے بچوں کے بین المدارس ڈرامہ مقابلوں کی بدولت شولا پور میں جو ڈرامہ نگار پیدا ہوئے ان میں سے ایک وجاہت عبدالستار سگری ہیں۔ آپ کا پورا نام وجاہت عبدالستار محمد شفیع سگری ہے۔ آپ کی تعلیم بی۔ اے۔ میں ادھوری رہ گئی۔ مکمل نہ ہو سکی۔ آپ نے صحافت کو ذریعہ معاش بنایا۔ تین سال تک روزنامہ ”انقلاب دکن“ گلبرگہ میں بحیثیت فوٹو گرافر کے کام کیا۔ اس کے بعد شولا پور میں ایم۔ آئی۔ ڈی۔ سی۔ میں شگفتی بائیوفیلز میں اسسٹنٹ مینجر ہوئے۔ فی الحال ۳ جولائی ۲۰۰۸ء سے شولا پور سے جاری کردہ ہفتہ وار اخبار ”اردو میلہ“ میں معاش مدیر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

آپ کی ڈرامہ سرگرمی کی ابتداء بچپن سے ہوئی۔ سوشل اردو پرائمری میں اپنی ابتدائی تعلیم کے دوران چوتھی جماعت میں آپ نے ”قومی یکجہتی“ ڈرامے میں ”ٹیپو سلطان“ کا رول ادا کیا۔ یہ ڈرامہ فاروق سر کی ہدایت میں اسکول میں کھیلا گیا۔ اس کے بعد آپ نویں جماعت تک اسکول کے مختلف ڈراموں میں حصہ لیتے رہے۔ کالج کے زمانے میں تقریری مقابلوں میں حصہ لیتے رہے اور کئی انعامات حاصل کیے۔ اس کے بعد راجہ باغبان کی ہدایت میں ”ڈھلی کھاٹ“ پرفیشنل ڈرامے میں ”مولوی صاحب“ کا کردار نبھایا۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ کئی ڈراموں میں کام کرنے کے بعد اپنے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے



امسال کے بین المدارس مقابلوں کے لیے آپ نے ”جاگ گیا جن“ کے عنوان سے ڈرامہ لکھا جسے بہترین اسکرپٹ کا دوسرا انعام ملا۔ اس ڈرامہ کا موضوع بچوں میں ٹی۔وی۔بہن کے مضر اثرات ہے۔ یہ ڈرامہ ایس۔ایس۔اے اردو ہائی اسکول نے پیش کیا۔ عبدالستار صاحب میں ڈرامہ نگاری کی صلاحیت موجود ہے اور آپ صحافت سے جڑے ہونے کی وجہ مستقبل میں آپ سے اچھے ڈراموں کی توقع ہے۔ ۴۰

راقم الحروف کو بھی ڈرامہ سے لگاؤ ہے۔ راقم نے بھی ڈرامہ کے فروغ کے لیے اپنی بساط کے مطابق کوشش کی ہیں۔ راقم میں ڈرامہ کی دلچسپی استاد محترم نسیم منان کے صحبت کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ جب راقم (۱۹۸۹ء) میں ایم۔اے۔پانگل اینگلو اردو ہائی اسکول وجہنیر کالج میں گیارویں جماعت میں زیرِ تعلیم تھا۔ یہاں منان صاحب کے لکھے ڈرامہ میں اداکاری کی ریہرسل کی مگر یہ ڈرامہ کچھ طلبہ کے عین وقت پر غیر حاضری کی وجہ سے لیش نہ ہو سکا۔ راقم ۱۹۹۱ء میں نائیپ اپنا سنا ڈرامہ گروپ میں شامل ہوا وہاں ”اقبال نیازی“ کے ڈرامہ ”ہم کامرماز کرتے ہیں“ میں ”ضمیر“ کا رول ادا کیا۔ اس کے بعد راجہ باغبان کے گروپ میں شامل ہو کر اکیڈمی کے ڈرامہ مقابلوں میں ”جلیان والا باغ“ میں اداکاری کی۔ یہی ڈرامہ بعد میں مختلف مقابلوں میں پیش کیا گیا۔ اس کے تقریباً پانچ شوز ہوئے۔ اس کے بعد مختلف مقابلوں میں مختلف ڈراموں میں کام کرنے کے بعد راقم الحروف ۱۹۹۸ء میں ایس۔ایس۔اے کالج آف ایجوکیشن میں داخل ہوا۔ یہاں شولا پور کے تین بی۔ایڈ۔کالج کے درمیان ”ایڈزڈے“ کے موقع پر ایک ڈرامہ مقابلہ ہوا۔ مقابلے کے لیے ”ایڈز کے نقصانات“ موضوع دیا گیا تھا۔ راقم کو ڈرامہ سے دلچسپی ہونے کے باعث کالج کے ڈرامہ کی ذمہ داری بھی راقم کو سونپی گئی۔ کوئی اسکرپٹ فوری طور پر نہ ملنے کی وجہ سے راقم نے خود اس موضوع پر ”موت کا شلجھ“ عنوان سے ڈرامہ لکھا۔ اس میں راقم نے خود اداکاری بھی کی اور ہدایت کاری بھی۔ مقابلے میں ڈرامے کو اول انعام حاصل ہوا۔ یہیں سے راقم کے حوصلے بلند ہوئے۔ ۲۰۰۲ء میں ”ایکٹ گروپ“ کے لیے ”بوغدو“ ڈرامہ لکھا یہ ڈرامہ اکیڈمی کے مقابلے میں پیش ہوا۔ اس کا موضوع امریکہ کی دہشت گردی اور اسلام دشمنی تھا۔ اسی زمانے میں تعلیم کی اہمیت پر ایک اسٹریٹ پلے ”افراز“ لکھا جس کو شولا پور کے مختلف مسلم علاقوں جیسے بیجا پور بیس، قصبہ، پنجاب تعلیم، بادشاہ پیٹھ، نئی زندگی چوک وغیرہ میں کھیلا گیا۔ راقم نے ایک اور ڈرامہ ”شہید اعظم اشفاق اللہ خان“ بھی لکھا ہے۔ جس میں اشفاق اللہ خان کی حب الوطنی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ ایک منظوم ڈرامہ ہے۔ کچھ خاکے ذہن میں ہیں۔ مستقبل میں ان کو ڈرامہ میں منتقل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

راقم الحروف نسیم منان سے متاثر ہے۔ مرحوم منان صاحب راقم کے استاد تھے۔ ڈرامہ کی باریکیاں راقم نے راجہ باغبان سے سیکھی۔ ڈرامہ فیلڈ میں راقم آپ کا شاگرد ہے۔ ۲۰۰۵ء سے راقم شولا پور میں بزمِ غالب کے زیرِ اہتمام بچوں کا بین

المدراس ڈرامہ مقابلہ لے رہا ہے۔ راقم الحروف اس کا کنوینیر ہے۔ اس مقابلے کی انتظامیہ کی تمام ذمہ داریاں راقم نے سنبالی ہیں۔ اب تک تقریباً چار مقابلے لے چکا ہے۔ راقم شولا پور کے ڈرامہ کے فروغ میں اس سرگرمی کو اہم مانتا ہے کیونکہ یہ سرگرمی حکومت مہاراشٹر کے ”اردو اکاڈمی کے بند ہونے کے بعد شروع کی گئی تھی۔ جہاں شولا پور میں اکیڈمی بند ہونے سے ڈرامہ کی دنیا میں خاموشی چھائی ہوئی تھی وہیں راقم کی کوششوں سے اس سرگرمی نے روپ بدل کر جنم لیا اور ماحول کو برقرار رکھنے میں سازگار ثابت ہوئی۔

راقم الحروف مستقبل میں اس سرگرمی کو جاری رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور شولا پور کے بہترین ڈرامہ نگاروں کی شاہکار تخلیقات کو جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہے۔ اس ضمن میں ایک شعبہ اشاعت قائم کرنے کا ارادہ ہے۔ جس میں شولا پور کے ان فنکاروں کی تخلیقات شائع کیے جاسکیں۔ فی الحال بزم غالب کے پچھلے مقابلوں میں شامل شولا پور کے ڈرامہ نگاروں کے ڈراموں کو کتابی شکل دی جا رہی ہے۔ انقریب یہ مجموعہ اشاعت کی منزلیں طے کر کے شائقین ڈرامہ کے ہاتھوں میں پہنچے گا۔

ہنوز شولا پور میں ڈرامے لکھنے کا چلن عام ہے۔ یہاں کے فنکار اس فن میں ٹیکنک سے واقف ہیں۔ سو سال سے چلی آرہی روایت سے استفادہ یہاں کے فنکار کر رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے۔ یہاں کے فنکاروں کی بہت سی تخلیقات نہ صرف شولا پور کے اردو ڈرامہ میں شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔ بلکہ اردو ڈرامہ میں اضافے کا درجہ بھی رکھتی ہیں۔

اب راقم الحروف اس باب کے دوسرے حصے کے متعلق رقم طراز ہے۔ اس حصے کا نام ہے۔ شولا پور کے اردو ڈرامہ کے فروغ میں ڈرامہ گروپس کا حصہ ہے۔ شولا پور ڈرامہ کی پیش کش میں مہاراشٹر کے دیگر اضلاع سے بہت آگے ہے۔ شولا پور کے فنکار اسٹیج کے تقاضوں سے باخبر ہیں۔ اس کی باریکیوں کو جانتے ہیں۔ اداکاری، ہدایت کاری، روشنی، اسٹیج ڈزائننگ، میک اپ، رقص، موسیقی وغیرہ کی باریکیاں جانتے ہیں۔ ”ناٹیہ شاستر“ میں بھرت مہنی نے ڈرامہ کے لیے جوس سدھانت بتایا تھا۔ اس پر اہلیان شولا پور کو عبور حاصل ہے۔ ڈرامہ کی پیش کش میں کلاسیکی اصول کو برتنا تو عام بات ہے۔ جدید زمانے کی جدید ٹیکنک کا استعمال بھی اہل شولا پور خوب جانتے ہیں۔ بلکہ اپنے طور پر کچھ نئی ٹیکنکس کا استعمال بھی کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اردوان کے ڈرامے شوق سے دیکھتے ہیں۔ اور پسند کرتے ہیں۔

شولا پور میں ڈرامہ کے پیش کش کی روایت بھی سو سال پرانی ہے۔ محروم کے مہینے میں ”صدی میل“ پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کا انداز پیش کش ڈرامائی تھا۔ اس میں رقص، گیت، شاعری، نقالی اور میک اپ کا استعمال ہوتا تھا۔ اور یہ تعزویوں کے جلوس میں راستے پر جگہ جگہ پیش کیے جاتے تھے۔ جب اس میں کامیابی حاصل ہوئی تو کچھ فنکار ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے با

قاعدہ اسٹیج بنا کر اردو علاقوں میں ڈرامے پیش کیے۔ جب شولا پور میں ثقافتی ہال تعمیر ہوئے تو وہاں پہنچ کر ڈرامے پیش کیے۔

شولا پور میں ڈرامہ کی پیش کش کے لیے باقاعدہ گروپس بن گئے۔ جس میں اداکاری، ہدایت کار، موسیقی کار، اور دیگر ماہرین شامل تھے۔ یہ سب مل کر ڈرامے کھیلتے تھے۔ ویسے بھی ڈرامہ ایک گروہی سرگرمی ہے۔ اس لیے گروپس کا بننا لازمی بات تھی۔ شولا پور میں ایسے گروپس کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس کا وجود ابتدائی زمانے سے ہے۔ یہاں ان ہی گروپس کے متعلق لکھا جا رہا ہے جو تحقیق کے بعد سامنے آئے۔ چوں کہ راقم الحروف کئی مرتبہ لکھ چکا ہے کہ یہاں کے لوگوں نے کوئی تحریری رکارڈ محفوظ نہیں کیا۔ اس لیے تحقیق میں بڑی دشواریاں پیدا ہوئیں۔ جس سے، جہاں سے، جو معلومات حاصل ہوئی اسی کی روشنی میں اگلے صفحات درج ہیں۔

#### ☆ الہلال احمد علی ڈرامٹک کلب شینوار پیٹھ:

یہ ایک ڈرامہ گروپ تھا۔ اس کے بانیان کے نام معلوم نہ ہو سکے البتہ احمد علی نام سے گمان ہوتا ہے کہ یہ ایک مشہور شخصیت رہی ہوگی جن کی یاد میں یہ کلب بنایا گیا تھا۔ عین ممکن ہے کہ یہ ڈرامہ سے جڑی ہوئی شخصیت ہو۔ یہ کلب شینوار پیٹھ میں تھا۔ اس کلب سے ڈرامے پیش ہوتے تھے۔ تحقیق کے بعد صرف اتنا معلوم ہوا کہ ۱۹۲۵ء میں اس گروپ سے علاؤ الدین منشی نے ”دربار کی صورت“ پیش کیا تھا۔ اس ڈرامے میں امیر و غریب کے درمیان تصادم کو بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا تھا۔ اس میں کام کرنے والے اداکاروں کے نام معلوم نہ ہو سکے لیکن اس ڈرامے کی یاد آج بھی بزرگوں میں تازہ ہے۔ اس ڈرامے کی شہرت اور مقبولیت سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس فنکاری سے علاؤ الدین صاحب نے اس کی ہدایت کی ہوگی۔ اس ڈرامے کے علاوہ اس کلب نے دیگر ڈرامے بھی کھیلے ہوں گے۔ مگر اس کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ہمیں صرف یہ علم ہوتا ہے کہ ماضی میں یہاں ڈرامہ کا ماحول تھا۔

البتہ منشی صاحب کے ہدایت کردہ ڈراموں کے ناموں کا پتہ چلتا ہے۔ جن میں زہریلا سانپ، چور، دارالسلام اور مد ہوش، شامل ہیں۔ لیکن اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ منشی صاحب نے یہ تمام ڈرامے اسی کلب سے کیے تھے یا کسی اور کلب سے کیے یا پھر انفرادی پیش کش تھی۔

#### ☆ بیرونی گروپ:

۱۹۳۲ء میں ”بال گندھرو ڈرامہ کمپنی پونہ“ نے شولا پور میں ڈرامے کیے۔ اس کمپنی کے ذمہ دار جناب عبدالرشید نے کچھ ڈرامے یہاں کیے۔ ان ڈراموں کے ناموں کا پتہ نہ چل سکا۔ البتہ یہ بات کہی سنی جاتی ہے کہ اس کمپنی نے ڈرامہ کی

پیش کش کے جدید تکنیک کا یہاں استعمال کیا جو اس زمانے میں اہلیانِ شولا پور کے لیے نئی تھیں۔ اس کمپنی سے شولا پور والوں کو جدید تکنیک کے استعمال کی ترغیب ملی۔ بعد میں یہاں کے فنکاروں نے اس سے استفادہ کیا۔ ۴۲

### ☆ مسلم اسٹوڈنٹ برادر ہوڈ شولا پور:

شولا پور کی ڈرامہ کی تاریخ میں ”مسلم اسٹوڈنٹ برادر ہوڈ“ اسوسی ایشن کا نام ملتا ہے۔ اس کے بانی اور اراکین کے نام نہیں ملتے۔ البتہ اس بات کا چہرہ چلتا ہے کہ اس ڈرامہ گروپ نے ۱۹۳۳ء کمرشیل شوز کیے تھے۔ یہ کمرشیل شوز شولا پور کے غریب بچوں کی تعلیمی امداد کے لیے کیے گئے۔ قدیم زمانے سے سماجی وادبی اداروں کے ذریعے شولا پور کے غریب اور ضرورت مند بچوں کی مدد کے لیے کی گئی کوششوں کا ذکر ملتا ہے۔ جیسا کہ اس ادارے کے نام سے ہی ظاہر ہے یہ بچوں کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ہی قائم کیا گیا تھا۔ اس ڈرامہ گروپ سے اس وقت کے اعلیٰ تعلیم یافتہ شخصیت جناب ایچ۔ ایم۔ شیخ نے یہ ڈرامے کیے تھے۔ ان میں آپ کا لکھا ہوا ڈرامہ ”انارکلی“ قابل ذکر ہے۔ اس ڈرامے کے چار کمرشیل شوز مانیک چوک کے ”میکانیکل تھیٹر“ میں ہونے کی روایت ملتی ہے۔ اس زمانے میں مانیک چوک میں ایک تھیٹر (ہال) موجود تھا۔ آج اس ہال کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ایچ۔ ایم۔ شیخ صاحب نے نہ صرف یہ ڈرامہ لکھا بلکہ اس میں اداکاری بھی کی اور ہدایت کاری کے فرائض بھی انجام دیے۔ عوام نے اس ڈرامے کو بہت پسند کیا۔ ”انارکلی“ کی کامیابی کے بعد اس ادارے سے دیگر ڈرامے بھی پیش کیے گئے۔ ان میں آغا حشر کاشمیری کے فل لینتھ ڈرامے شامل تھے۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس ادارے نے یہاں ماحول بنانے اور اس فن کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا اہم فریضہ انجام دیا ہے۔ ۴۳

### ☆ الہلال النور کلب سوموار پیٹھ شولا پور:

الہلال احمد علی ڈرامیٹک کلب کی طرح یہ کلب سوموار پیٹھ میں قائم کیا گیا۔ اس کے بھی ذمہ داروں کے نام دریافت نہ ہو سکے۔ لیکن عبدالرزاق چکولے صاحب کی ہدایت میں ۱۹۴۵ء میں کلب کے ذریعے ”یہودی کی لڑکی“ اور ”پاک دامن“ نامی ڈرامے کھیلے جانے کی روایت ملتی ہے۔ یہ ڈرامے اس کلب کے ذریعے شولا پور کے علاوہ بیجا پور میں بھی کیے گئے۔ ۴۴

### ☆ اقبال کلب شولا پور:

شولا پور میں کئی ادارے ایسے تھے۔ جو سماجی، تعلیمی اور ادبی کام کرنے کے لیے قائم کیے گئے تھے۔ ان میں کاچھ ادارے کھیل کے فروغ کے لیے بھی قائم کیے گئے۔ ان میں سے ایک اقبال کلب ہے۔ اس کلب کی تفصیل اس مقالے کے اگلے باب میں آئے گی۔ تاہم اس ادارے نے ڈرامہ کی طرف بھی توجہ دی ہے۔ اس ادارے کے زیرِ اہتمام کئی ڈرامے مختلف

جگہوں پر کھیلے گئے۔ ایک ڈرامہ کافی مقبول ہوا۔ جس کا نام ”گرہ لکشمی“ تھا۔ یہ علاء الدین منشی کا تحریر کردہ ڈرامہ تھا۔ اقبال کلب نے یہ ڈرامہ محمد حنیف درویش کی ہدایت میں پیش کیا۔ چوں کہ درویش صاحب بذات خود ایک صوف شاعر تھے۔ آپ نے اس ڈرامے کے گیت بھی لکھے۔ آپ کے ساتھ ”لکشمی ساٹھے“ نے بھی کچھ گیت لکھے۔ بزرگوں سے سنا کہ اس ڈرامے کو عوام نے بہت پسند کیا اور عوام کی فرمائش پر اس کے کئی شوز ہوئے۔ اقبال کلب نے اس کے علاوہ بھی کئی ڈرامے کیے لیکن اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ ۴۵

#### ☆ انٹر اسکول ڈرامہ مقابلے:

شولا پور مہانگر پالیکا کی طرف سے، تمام سرکاری اسکولوں کے درمیان ڈرامے مقابلے لیے جاتے تھے۔ ان مقابلوں میں بہت سے اردو اسکولوں نے حصہ لیا تھا۔ ان میں مہانگر پالیکا اردو اسکول نمبر سا (۷) شریک مقابلہ ہونے کے تاریخی دستاویزات ملتے ہیں۔ اس اسکول میں عبدالقادر قدیر شولا پوری مدرس تھے۔ آپ نے ۱۹۵۷ء میں خود کا تحریر کردہ ڈرامہ ”چھایا“ امیر جناب کی ہدایت میں پیش کیا۔ اس مقابلے میں انھیں اول انعام بھی حاصل ہوا۔ اس ڈرامے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شولا پور میں بچوں کے لیے ڈرامے لکھنے اور کھیلنے کا رواج قدیم زمانے سے ہے۔ یہاں بین المدارس بچوں کے ڈرامہ مقابلے بھی ہوا کرتے تھے۔ ۴۶

#### ☆ فنکار ڈرامہ اسوایشن شولا پور:

اب تک کے تمام ڈرامہ گروپس میں سب سے اہم اور کامیاب ترین گروپ ”فنکار ڈرامہ اسوایشن شولا پور“ تھا۔ اب تک کے ڈرامہ گروپس نے جو ماحول بنایا تھا۔ گویا انھوں نے نبج بوئے تھے۔ اس دور میں پودے باہر نکل آئے اور شولا پور کے ڈرامہ کی کھیتی لہلہانے لگی۔ اس اسوایشن کی بنیاد اس وقت کے ڈرامہ کے تربیت یافتہ نوجوان اور بزرگ محمد حنیف مرتضی عرف پہلوان جناب نے مل کر ڈالی تھی۔ یہ ادارہ ۱۹۷۴ء میں قائم کیا گیا۔ اس ادارے نے ایک طرف شولا پور میں بہت سے نئے اور بہترین فنکار عطا کیے تو دوسری طرف اس ادارے میں شامل کئی نوجوانوں کی فنکاری ابھر کر سامنے آئی۔ اس دور میں شولا پور کا اردو ڈرامہ کا معیار بلند ہوا۔

محمد حنیف مرتضی عرف پہلوان جناب عبدالمنان نسیم، سید سعید احمد، سید عبدالرشید، بشیر پرواز، اقبال کالج والا، عثمان منیار، عبدالواحد اور نعیم خٹال وغیرہ اس ادارے کے بانیان میں سے ہیں۔ اس گروپ کی پہلی پیش کش نسیم منان کا ڈرامہ ”بہار آنے تک“ تھی۔ اس کے ہدایت کار اس وقت کے بزرگ فنکار محمد حنیف مرتضی عرف پہلوان جناب تھے۔ پہلوان جناب اس زمانے کے بہت بڑے فنکار تھے۔ آپ رقص کے ماہر تھے۔ اور مختلف ساز بھی بجانا جانتے تھے۔ یہ ڈرامہ بہت

کامیاب ہوا۔ اس کے شولا پور کے علاوہ پونہ میں بھی شوز ہوئے۔ اس ڈرامہ کی کامیابی کے بعد اس گروپ میں کسی وجہ سے جمود طاری ہوا۔ اس کی ایک وجہ پہلوان جناب کی وفات ہو سکتی ہے۔ ۱۹۷۷ء میں اس کی از سر نو تعمیر ہوئی۔ اسی دور میں ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ٹیل اور منیر شاہ ملک اور تجل تمنا جیسے ہدایت کار ادارے میں داخل ہوئے۔ ۲۷

اس دور میں فنکار ڈرامہ گروپ نے ”دھبہ“، ”عکس“، ”ہائے اللہ“، ”آئینہ“، ”انگارے“، ”پورٹریٹ“ جیسے ڈرامے پیش کیے۔ ”دھبہ“ کے مصنف بشیر پرواز تھے۔ اور ہدایت کار منیر شاہ ملک تھے۔ ”عکس“ عبد الحمید الملب والے اور بی۔ ایچ۔ کر جگی کرنے لکھا تھا۔ ہدایت کار سید سعید احمد تھے۔ ”ہائے اللہ“ کے ڈرامہ نگار بشیر پرواز تھے اور ہدایت کار سید عبدالرشید تھے۔ تجل تمنا کے لکھے ڈرامہ ”آئینہ“ کو ہدایت کار منیر شاہ ملک نے پیش کیا۔ اس کے بعد ”ڈرامہ نگار بشیر پرواز نے ”انگارے“ لکھا مگر منیر شاہ ملک نے اسی ڈرامے کو فل لینتھ میں منتقل کر کے اس کے بچ کر شیل شوز کیے۔ سید سعید احمد نے ان ڈرامہ نگاروں کے علاوہ ”رتنا کر مٹکری“ کا تحریر کردہ ڈرامہ ”پورٹریٹ“ کو اپنی ہدایت میں پیش کیا۔ ۲۸

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے ڈرامہ مقابلوں کی شروعات ہونے کے بعد۔ اس کے پہلے مقابلے میں سید سعید احمد نے فنکار کی طرف سے ”پورٹریٹ“ ڈرامہ اپنی ہدایت میں پیش کیا۔ دوسرے سال دوسرے مقابلے میں تجل تمنا کا ڈرامہ ”آئینہ“ منیر شاہ ملک نے پیش کیا۔ یہ ڈرامہ ممبئی کے فائنل مقابلے میں اول قرار دیا گیا۔ اس طرح اکیڈمی کے ابتدائی سے شولا پور نے اپنی دعوی داری قائم کی۔ ممبئی پر اپنی فنکاری اور معیار کا سکہ مرتب کیا۔

اس گروپ کے فنکاروں میں ڈرامہ کا جنون تھا۔ بعد ازاں اس ادارے کے فنکار اپنے وقت کے ماہرین ڈرامہ کہلائے۔ سعید احمد آج پونہ میں ”رابطہ فاؤنڈیشن“ نامی ادارہ چلاتے ہیں۔ ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ٹیل نے بعد میں اسکول کے بہت سے نئے فنکار ابھرے۔ منیر شاہ ملک کے تربیت میں راجہ باغبان جیسے فنکار پیدا ہوئے۔ موجودہ دور میں ان کے بھی ماننے والوں کی کمی نہیں۔ اسی طرح ساحر نداف جیسا عظیم موسیقی کار بھی اسی گروپ کی دین ہے۔ ساحر نداف موجودہ دور کے اردو مراٹھی ڈرامہ کے سب سے بڑے موسیقی کار مانے جاتے ہیں۔ ان کی عزت اور قدر آج اردو والوں سے زیادہ مراٹھی والوں میں ہے۔ کسی بھی سطح کو کوئی انعام آپ سے چھوٹا نہیں بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو کہ ساحر نداف کی شخصیت اور فنکاری کے سامنے اسٹیج کے انعامات چھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ ساحر نداف بحیثیت ڈرامہ کے موسیقی کار آج سارے ہندوستان کے اسٹیجوں پر اپنی موسیقی کے جلوئے بکھیر چکے ہیں۔

اس گروپ کے ابتدائی دور میں اخلاق احمد خیر دی نے موسیقی کے فرائض انجام دیے تھے۔ ان کے علاوہ فیاض احمد شیخ نامی فنکار بھی اس ادارے میں تھے۔ جس کے ساتھ ساحر نداف کام کر چکے ہیں۔ (فیاض احمد دورِ حاضر کے

ایم۔ ایل۔ سی۔ یونس شیخ کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے انتقال اکسڈینٹ میں ہوا۔) غرض اس ڈرامہ گروپ کی خدمات شولا پور کی ڈرامہ نگاری میں کافی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس گروپ نے شولا پور کے اردو تھیٹر کو اپنے پیر پر چلنا سکھا دیا۔ ۱۹۴۹

☆ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے ڈرامہ مقابلوں کی ابتداء شولا پور کے ڈرامہ کا سنہرا دور:

راقم الحروف کا خیال ہے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے ڈرامہ مقابلوں کی ابتداء سے شولا پور کا اردو ڈرامہ جوان ہو گیا۔ یہ شولا پور کے ڈرامے کا عروج کا زمانہ تھا۔ اس دور میں بہت سے نئے فنکار پیدا ہوئے۔ گویا نئے فنکاروں کی پیدائش کا یہی زمانہ تھا۔ اس دور میں شولا پور میں ڈرامہ گروپس کی بہتات ہوئی۔ مقابلہ آرائی کی وجہ سے معیار بلند ہوا۔ اکیڈمی کا روبرار چوں کہ سرکاری تھا۔ اس لیے اس میں مقابلہ لینے کی پہلی شرط۔ ڈرامہ گروپ کا رجسٹر ہونا تھی۔ اس وجہ سے اس مقابلے میں ابتدائی دور میں رجسٹر شدہ ادارے ڈرامے کرنے لگے۔ ان میں اردو ہائی اسکول بھی شامل تھے۔ باقی ماندہ فنکاروں نے نئے ادارے رجسٹر کیے۔ اس لیے اداروں کی تعداد بڑی۔ جو بھی ہوا اس دور سے شولا پور میں ڈرامے لکھے بھی جانے لگے اور پیش بھی کیے جانے لگے۔ اگلے صفحات میں ان اداروں کی خدمات درج ہیں۔

☆ نشاط اکیڈمی: (۱۹۷۶ء)

شولا پور کے ڈرامہ کے ارتقاء میں نشاط اکیڈمی کا رول کافی اہم رہا ہے۔ اس ادارے کے بانی ڈاکٹر۔ جی۔ ایم۔ ٹیل تھے۔ آپ نے اس ادارے کی بنیاد ۱۹۷۶ء میں رکھی اور ۱۹۷۸ء میں اسے رجسٹر کیا۔ جی۔ اے۔ ٹیل۔ صاحب کافی قابل آدمی ہیں۔ آپ شولا پور کے ڈرامہ ماہرین میں صف اول کے فنکار ہیں۔ آپ ڈرامہ نگار، ہدایت کار اور ادار بھی ہیں۔ آپ کے گروپ سے بھی ماہر فنکاروں کی ایک جماعت باہر نکلی۔ جو آج الگ الگ گروپس کے سربراہ ہیں۔ فنکار گروپ کے ٹکھرنے کے بعد جی۔ ایم۔ ٹیل صاحب نے ”نشاط اکیڈمی“ کی بنیاد ڈالی۔ اس گروپ سے آپ نے نہ صرف اکیڈمی کے مقابلوں میں ڈرامے کھیلے۔ بلکہ کمرشیل لیول پر بھی آپ نے کامیاب ڈرامے لکھے اور پیش کیے۔

ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ٹیل نے نشاط اکیڈمی سے پہلا فل لینتھ کمرشیل ڈرامہ تیار کیا جس کا نام ”بنجر“ تھا۔ اس ڈرامے کے کمرشیل شوز شولا پور کے علاوہ پونہ اور اورنگ آباد میں ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے مراٹھی کے فل لینتھ ڈرامہ ”موروچی ماوشی“ کو اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ”خالہ خالد کی“ رکھا۔ اس کے پروفیشنل شوز کرنا شروع کیے۔ اس ڈرامے تقریباً ۲۶ کامیاب کمرشیل شوز شولا پور اور شولا پور کے مضافاتی علاقوں میں کیے۔ یہ شولا پور کا واحد پروفیشنل ڈرامہ تھا جس کے اتنے شوز ہوئے۔ اس ڈرامے نے شولا پور کے علاوہ، پونہ، ناسک، کولہا پور، سانگی، ناندیڑ، جلاگاؤں، بیڑ، پرہنی اور مہاراشٹر سے باہر کرناٹک کی ریاست گلبرگہ میں دھوم مچا دی۔

نشاط اکیڈمی نے اردو اکیڈمی کے ڈرامہ مقابلوں میں لگا تار ڈرامے پیش کیے۔ اس کی فہرست اس طرح ہے۔

- (۱) ۱۹۸۰ء میں چشمِ آفتا۔
- (۲) ۱۹۸۲ء میں سماجی ناسور۔
- (۳) ۱۹۸۳ء میں اے طائرِ لاہوتی۔
- (۴) ۱۹۸۴ء میں راحت۔
- (۵) ۱۹۸۸ء میں آپریشنِ مڈنائٹ۔
- (۶) ۱۹۹۱ء میں احساس۔
- (۷) ۱۹۹۲ء میں دی۔ وکٹم۔
- (۸) ۱۹۹۴ء میں خراش۔
- (۹) ۱۹۹۶ء میں ورثہ۔
- (۱۰) ۱۹۹۷ء میں گہن۔
- (۱۱) ۱۹۹۸ء میں حادثہ یوں بھی ہوتا ہے۔ ۵۰

ان میں سے بیشتر ڈرامے ڈاکٹر صاحب کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان تمام ڈراموں کے ہدایت کار ڈاکٹر صاحب خود تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے ڈراموں کو دیکھنے والی ایک آڈینس ہے۔ یہ حلقہ ہمیشہ آپ کے ڈراموں کا منتظر رہتا ہے۔ شولا پور کے ڈرامہ کی ترقی میں نشاط اکیڈمی کی خدمات بری اہمیت کی حامل ہیں۔

### ☆ انوار ڈرامہ اسوسی ایشن (۱۹۷۹ء)

انوار ڈرامہ اسوسی ایشن کی بنیاد ۱۹۷۹ء میں مرحوم نسیم منان، عبدالوہاب لنجے، اسحاق منیار اور راجہ باغبان نے ڈالی تھی۔ اس ڈرامہ گروپ نے کمرشیل شوز بھی کیے اور اکیڈمی کے مقابلوں میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۸۰ء میں اس ادارے کی طرف سے نسیم منان کا لکھا ڈرامہ ”ڈھلی کھاٹ“ راجہ باغبان کی ہدایت میں پرفیشن لیول پر کھیلا گیا۔ اس کے دو پرفیشنل شوز ہوئے۔ شولا پور کی عوام نے اس ڈرامے کو بہت پسند کیا۔ ”انوار ڈرامہ اسوسی ایشن“ نے ابتدائی سال میں ہی اکیڈمی کے مقابلے میں حصہ لیا اور پہلا ڈرامہ عبدالوہاب لنجے کا تحریر کردہ ”کھلاڑی“ اسحاق منیار کی ہدایت میں پیش کیا۔ ۱۹۸۰ء کی پیش کش ”ڈھلی کھاٹ“ تھی جس کا ڈرامہ نگار نسیم منان اور ہدایت کار راجہ باغبان تھے۔ ۱۹۸۱ء میں نسیم منان کا ”فیصلہ“ تجل تمنا کی ہدایت میں پیش کیا۔ بعد میں اس ڈرامے کے بھی دو شوز ہوئے۔ فیصلہ کو اس مقابلے میں تیسرا انعام حاصل ہوا۔ اس کے بعد انوار ڈرامہ اسوسی ایشن نے لگاتار تین سال نسیم منان کے ڈرامے راجہ باغبان کی ہدایت میں پیش کیے۔ ۱۹۸۳ء میں آگ، ۱۹۸۴ء میں گڑ بڑ گھوٹالا، اور



۱۹۸۵ء میں شنگھہ۔ اس کے بعد بھی راجہ باغبان نے اس ادارے سے کئی ڈرامے کھیلے۔ ۱۹۹۵ء میں جلیان والا باغ اور ۱۹۹۶ء میں جادوگر پیش کیے گئے۔ ۵۱  
آج بھی یہ اسوسی ایشن متحرک ہے اور ڈرامے کھیل رہی ہے۔

### ☆ ایس۔ ایس۔ اے اردو ہائی اسکول شولا پور:

شولا پور سوشل اردو ہائی اسکول نے شولا پور کے ڈرامہ کو فروغ دینے اور ترقی دینے میں ہاتھ بٹایا ہے۔ اس اسکول میں گید رنگ کی روایت رہی ہے۔ اس میں معیاری ڈرامے پیش ہوتے رہے ہیں۔ سوشل اردو ہائی اسکول سے منظور عالم کی ہدایت میں کئی ڈرامے لکھے گئے۔ عام طور پر منظور صاحب بی۔ ایچ۔ کرجگی کر کے ڈراموں کو ہدایت دیا کرتے تھے۔ سوشل اسکول کے ڈراموں کا ذکر کرتے ہی ان دونوں حضرات کے چہرے عوام کی نگاہوں میں گھومتے تھے۔ ان میں بی۔ ایچ۔ کرجگی کر ڈرامہ نگار اور منظور عالم ہدایت کار تھے۔ اس جوڑی نے سوشل اسکول اور کالج کی گید رنگوں میں ڈرامے کھیلے۔ دیگر مقابلوں میں بھی حصہ لیا۔ دونوں حضرات سوشل اسکول کے ڈراموں کے انچارج تھے۔ اس اسکول کی طرف سے دیگر ڈراموں کے علاوہ اکیڈمی کے مقابلوں میں مندرجہ ذیل ڈرامے پیش کیے۔

- (۱) ۱۹۷۶ء میں نہیں۔
- (۲) ۱۹۷۷ء میں دوڑ۔
- (۳) ۱۹۷۸ء میں وہ ایک لمحہ۔
- (۴) ۱۹۷۹ء میں کروٹ۔
- (۵) ۱۹۸۰ء میں ہنگامہ شادی۔
- (۶) ۱۹۸۱ء میں مسیحا۔
- (۷) ۱۹۸۳ء میں تعارف۔
- (۸) ۱۹۸۴ء میں سونے کا پنجرہ۔
- (۹) ۱۹۸۶ء میں جاگتے رہو۔
- (۱۰) ۱۹۸۷ء میں غبار۔
- (۱۱) ۱۹۸۸ء میں سودا۔
- (۱۲) ۱۹۸۹ء میں روشن مینار۔

مذکورہ بالا ڈرامے کھیلنے کے لیے دونوں حضرات کو اسکول کے صدر مدرس ایم۔ ایم۔ شیخ صاحب اور ادرے کے ذمہ دار محمد علی وڈوان کی حمایت حاصل تھی۔ اس اسکول کی یہ خدمات شولا پور کے ڈرامہ کے فروغ میں معاون ثابت ہوئیں۔

☆ نائیہ اپاسنا شولا پور (۱۹۸۰ء):

نائیہ اپاسنا کے بانی محمد اسحاق منیار ہیں۔ منیار صاحب ایس۔ ایس۔ اے مراٹھی اسکول میں مدرس تھے۔ آپ ایک اچھے اداکار، ہدایت کار ہیں۔ آپ نے کئی ڈراموں میں عورتوں کے کردار بھی کیں۔ آپ نے نائیہ اپاسنا کی بنیاد ۱۹۸۰ء میں رکھی۔ اس اسوسی ایشن کے زیر اہتمام کئی ڈرامے کھیلے۔ اس گروپ نے ۱۹۸۵ء میں عبدالوہاب لنجے کا لکھا ڈرامہ منیار سر کی ہدایت میں پیش کیا۔ اس کے بعد عبدالرشید جنواڑ کر کا تحاریر کردہ ڈرامہ ”مدوجزر“ بھی منیار سر کی ہدایت میں پیش کیا۔ اسی دور میں اس گروپ سے تجل حسین تمنانے اپنی لکھی اسکرپٹ کو اپنی ہی ہدایت میں پیش کیا۔ اس کے بعد بی۔ ایچ۔ کر جگی کر کا ڈرامہ ”سودا“ اور تجل حسین تمنانے کا ڈرامہ ”منزل دور ہے“ کو اسحاق منیار کی ہدایت میں اسی گروپ سے پیش کیا گیا۔ اسحاق منیار نے مذکورہ ڈراموں کے علاوہ پانچ فل لینتھ ڈراموں کو اپنی ہدایت میں ایچ کیا۔

اس کے بعد اس ادارے نے اکیڈمی کے مقابلوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ اکیڈمی کے مقابلوں میں اس ادارے نے بی۔ ایچ۔ کر جگی کر کے لکھے ڈرامے، سودا، مسیحا، پرایا دھن، دوڑ وغیرہ کو پیش کیا۔ یہ تمام ڈرامے اسحاق منیار صاحب کی ہدایت میں پیش کیے گئے۔ نائیہ اپاسنا کی طرف سے پیش کردہ ڈراموں میں جس ڈرامے کو بہت زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اس میں سے ایک عبدالوہاب لنجے کا ڈرامہ ”لال قندل“ ہے۔ اسی ڈرامے کے ہدایت کار محمد اسحاق منیار تھے۔ اس ڈرامے کو مقابلے میں انعام بھی ملا۔ ادارے کی طرف سے کھیلے گئے دیگر ڈراموں کے نام اس طرح ہیں۔ بی۔ ایچ۔ کر جگی کر کا ڈرامہ بگلا بھگت۔ اقبال نیازی ممبئی کے لکھے دو ڈرامے ڈھونڈو ڈھونڈو بوڑھا کہاں ہے اور ہم سب کا مپر مائس کرتے ہیں۔ عبدالوہاب لنجے کا ڈرامہ ”نجات“ اور پروفیسر اقبال خان کے دو ڈرامے ”دہشت گرد“ اور ”نئی صبح“ وغیرہ۔ ۵۳

نائیہ اپاسنا نے کرشیل شوز بھی کیے۔ مقابلوں میں حصہ بھی لیا۔ اور شولا پور میں ڈرامہ مقابلوں کا انعقاد بھی کیا۔ اس گروپ کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی کوششوں سے شولا پور میں ڈرامہ کو فروغ حاصل ہوا۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد کلب شولا پور (۱۹۷۴ء):

اس کلب کے بانی عبدالرشید باغبان تھے۔ اس گروپ نے بہت سے ڈرامے کیے۔ اکیڈمی کے مقابلوں میں یہ ادارہ ۱۹۸۲ء سے شامل ہوا۔ نسیم منان کا ”فیصلہ“ اس سے پیش کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۶ء میں عبدالقادر ساغر کا تحریر کردہ ڈرامہ ”زندگی پاگل“ راجہ باغبان کی ہدایت میں پیش کیا۔ ۱۹۸۷ء میں ہدایت کار سید اقبال اور عبدالروف باغبان کی ہدایت میں عبد

الروف باغبان کا تحریر کردہ ڈرامہ ”انداز نزلے“ پیش کیا۔ اس ڈرامے کو علاقائی مقابلے میں دوم انعام حاصل ہوا۔ فائنل میں بھی اس کو دوم انعام سے نوازا گیا۔ ادارے کی اگلی پیش کش راجہ باغبان کا خود تحریر کردہ و ہدایت کردہ ڈرامہ ”کہہ دو یہ جھوٹ ہے“ تھا۔ جو اکیڈمی کے مقابلوں میں پیش کر کے ادارے نے چار اہم انعامات، اسکرپٹ، ہدایت، اداکاری اور بہترین ڈرامہ کے جیتے۔

۱۹۸۹ء میں ادارے نے دوبارہ راجہ باغبان کا ڈرامہ ان ہی کی ہدایت میں اکیڈمی کے مقابلے میں پیش کر کے علاقائی مقابلے میں اول اور فائنل میں دوم انعام حاصل کیا۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ۱۹۹۰ء میں راجہ باغبان نے اپنے ڈرامے ”گردش“ کو اپنی ہی ہدایت میں پیش کر کے انعام حاصل کئے۔ ۵۴

#### ☆ سٹی زن اردو ہائی اسکول شولا پور:

سوشل اسکول کی طرح سٹی زن اردو اسکول کے زیر اہتمام بھی اکیڈمی کے مقابلوں میں ڈرامے کھیلے گئے۔ اس اسکول میں جناب راجہ باغبان کھیل کے مدرس ہیں۔ وہی اس ڈرامہ سرگرمی کے روح رواں تھے۔ اس اسکول نے شولا پور کو بہت اچھے اور معیار ڈرامے دیے ہیں۔ راجہ باغبان نے ۱۹۹۰ء میں اس اسکول سے ”انداز نزلے“ پیش کیا۔ راجہ صاحب نے یہ ڈرامہ مولانا آزاد کلب سے بھی پیش کیا تھا۔ اکیڈمی کا قانون ہے کہ تین سال کے بعد مقابلے میں کھیلی گئی اسکرپٹ دوبارہ کھیلی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد آپ مسلسل مقابلوں میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۹۴ء میں اسی ادارے سے مراٹھی ڈرامہ ”ڈھول واجتوئے“ کا اردو میں ”ڈھول بج رہا ہے“ عنوان سے ترجمہ کر کے اپنی ہدایت میں پیش کیا۔ ۱۹۹۵ء میں اپنے دوسرے ترجمے ”انتقام“ کو اپنی ہدایت میں پیش کیا۔ اگلے سال تیسرا ترجمہ ”ماں“ پیش کیا۔ ۱۹۹۸ء میں تاریخی ڈرامہ اقبال نیازی کا تحریر کردہ ”خصی“ کو میوزکل فارم میں اپنی ہدایت میں پیش کیا۔ جس میں آپ نے خود مرکزی کردار نبھایا تھا۔ اس ڈرامے کو علاقائی مقابلے میں انعام ملا۔ اور فائنل میں سات انعامات حاصل ہوئے یہ ڈرامہ شولا پور کا سب سے زیادہ انعام جیتنے والا ڈرامہ تھا۔ ۵۵

مستقبل میں اس اسکول سے اردو بھی ڈرامے کھیلے جائیں گے۔ اور یہ اسکول شولا پور کی ناظرین کو معیاری ڈرامے دے گی۔

#### ☆ آرٹ اکیڈمی آف شولا پور (۱۹۹۱):

۱۹۹۱ء میں راجہ باغبان نے آرٹ اکیڈمی آف شولا پور کی بنیاد ڈالی۔ اس ڈرامہ گروپ نے بھی شولا پور کو بہت اچھے اور معیاری ڈرامہ عطا کیے۔ اس گروپ نے مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے مقابلوں میں حصہ لے کر علاقائی اور فائنل

مقابلوں میں تمام اہم انعامات حاصل کیے۔ اس اکیڈمی نے شولا پور کو نئے نئے فنکار دیے۔ اس ادارے میں موجود فنکار، فن ڈرامہ کی باریکیوں سے باخبر ہیں۔ راجہ باغبان کے ڈرامہ گروپ کا ہر اداکار، اداکاری کے گرجانتا ہے۔ سے اس کی تربیت دی جاتی ہے۔ ان کا ہر آرٹسٹ اسٹیج کے تقاضوں سے واقف ہوتا ہے۔

اس ڈرامہ گروپ نے ۱۹۹۱ء میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے ڈرامہ مقابلوں میں اپنا پہلا ڈرامہ ”آپ زندہ ہیں“ پیش کیا۔ یہ ڈرامہ عالیہ جبین خان ممبئی کا لکھا ہوا تھا اور اس کے ہدایت کار سید اقبال تھے۔ مقابلے میں اس کو بہترین ڈرامہ کا انعام ملا۔ آرٹ اکیڈمی نے اسی ڈرامے کو ۲۰ فروری ۱۹۹۲ء میں ہوتا تماچوک میں پیش کر کے۔ شولا پور میں اردو اسٹریٹ پلے کھیلنے کی روایت ڈالی۔ اس کے فوراً بعد یہ ڈرامہ پارک چوک، بیجا پور میں اور گھر کل حیدر آباد روڈ پر بھی کھیلا گیا۔ رتنا گیری کے کچھ علاقوں میں اس کے کمرشیل شوز بھی ہوئے۔

۱۹۹۲ء میں ادارے نے اقبال نیازی کا ڈرامہ ”خصی“ ہدایت کا تحسین شیخ اور الطاف بخشی کی ہدایت میں اکیڈمی کے مقابلوں میں کھیل کر علاقائی فائنل مقابلے میں چار چار انعامات حاصل کیے۔ ۱۹۹۶ء میں عبدالقادر ساغر شولا پوری کا ڈرامہ راجہ باغبان کی ہدایت کاری میں پیش کیا۔ ۱۹۹۷ء میں ساجد رشید ممبئی کا تحریر کردہ ڈرامہ ”دوپہر“ انور شیخ کی ہدایت میں پیش کیا۔ اس ڈرامے کو کئی انعامات حاصل ہوئے۔ اب بھی اس ڈرامہ گروپ کا سفر جاری ہے۔ اس گروپ نے ڈرامہ کی پیش کش میں کئی تجربے کئے اور ہر تجربے میں کامیاب بھی رہے۔ اس نے شولا پور میں اردو اسٹریٹ پلے کھیلنے کی روایت ڈالی۔ یہ بھی ایک کامیاب تجربہ تھا۔

#### ☆ ایکٹ گروپ شولا پور: (۱۹۹۲ء)

ایکٹ گروپ کے بانی سید اقبال ہیں۔ آپ نے ۱۹۹۲ء میں اس گروپ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے پہلے صدر نعیم شیخ (حالیہ چیرمن۔ یونین ایجوکیشن سوسائٹی شولا پور) تھے۔ اس گروپ نے بھی اردو اکیڈمی کے مقابلوں میں حصہ لے کر بہت سے انعامات حاصل کیے۔ اس گروپ کی پہلی پیش کش ”پرچھائیاں“ تھی۔ اس کے ڈرامہ نگار علاء الدین قریشی (ساوتھ افریقہ) تھے اور ہدایت کار سید اقبال تھے۔ اسے مقابلے میں دوم انعام حاصل ہوا۔ ۱۹۹۳ء میں اس ادارے نے مجیب خان (ممبئی) کا ترجمہ کردہ ڈرامہ ”میت“ سید اقبال کی ہدایت میں پیش کیا۔ اس میں ہدایت کار نے خود ایک کردار نبھایا تھا۔ اس ڈرامے کی خوبی یہ تھی کہ یکساں ڈرامہ میں تقریباً چالیس کردار شامل کیے گئے تھے۔ اسی ڈرامے سے شولا پور میں یکساںی میں زیادہ سے زیادہ اداکار شامل کرنے کی روایت قائم ہوئی۔ مقابلے میں اس ڈرامے نے بہت سے اہم انعامات حاصل کیے عوام نے اس ڈرامے کو بہت پسند کیا۔ ایکٹ نے ایک دو مہینے کے بعد اس ڈرامے کو ہوتا تما سمرتی مندر میں پھر سے پیش کیا۔

۱۹۹۴ء میں ایکٹ نے سید اقبال کی ہدایت میں صغیر احمد چودھری ممبئی کا ترجمہ شدہ ڈرامہ ”جگودیش پانڈے کی عجب داستان“ پیش کر کے انعامات حاصل کیے۔ ۱۹۹۶ء میں ایکٹ نے کیدار شندے کا ڈرامہ ”بھاس کی آبھاس“ کا ترجمہ ”احساس یا گمان“ مترجم، شیخ اختر ایم۔ سید اقبال کی ہدایت میں پیش کیا۔ اس ڈرامے میں صرف دو کردار تھے۔ اس کا پہلا کردار سید اقبال نے خود نبھایا اور دوسرا کردار جعفر باگی نے نبھایا۔ ایکٹ نے یہ دوسرا تجربہ کیا۔ اسی ایکٹ نے یکباہی میں چالیس اداکاروں پر مبنی ڈرامہ پیش کیا تھا۔ اب یہی ایکٹ ہے جس نے صرف دو کرداروں پر مبنی ڈرامہ بڑی کامیابی سے پیش کیا۔ اس ڈرامے کو بھی کئی اہم انعامات علاقائی اور فائنل مقابلوں میں حاصل ہوئے۔ اس ڈرامے کے بعد میں تین کمرشیل شوز ہوئے۔ ایکٹ نے ۱۹۹۸ء میں شولا پور کے ڈرامہ نگار بشیر پرواز کا لکھا ڈرامہ ”اندھی آنکھ“ سید اقبال کی ہدایت کاری میں پیش کیا۔ اس ڈرامے میں بھی چالیس اداکار شامل کیے گئے تھے۔ یہ ڈرامہ بھی انعام کا حقدار قرار پایا۔ ۱۹۹۹ء میں ایکٹ نے حکیم شیخ کا لکھا ڈرامہ ”اژدہ“ اختر سید کی ہدایت میں پیش کیا۔

اس گروپ کی خاصیت یہ تھی کہ اس نے شولا پور کے ناظرین کو اور اردو ڈرامہ کو دیدہ زیب سیٹ دکھائی۔ سیٹ ڈرائنگ میں اس گروپ کو انفرادیت حاصل ہے۔ لائٹس کے متعلق بھی اس گروپ نے بہت سے کامیاب تجربے کیے۔ اس گروپ کے سیٹ ڈرائنگ انیل گھڑگے کرتے ہیں۔ اور عطا اللہ چودھری اس گروپ کے لائٹ کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

۵۶

☆ سائی بابا و دیامندر شولا پور:

سائی بابا و دیامندر ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ جس کی روح رواں پٹھان صاحب ہیں۔ اس ادارے کی جانب سے اردو اکیڈمی کے ڈرامہ مقابلوں میں کئی ڈرامے کھیلے گئے۔ یہ تمام ڈرامے اعجاز شیخ (مدرس۔ دی پروگریسیو اردو ہائی اسکول) پیش کرتے تھے۔ اس گروپ کا رجحان مراٹھی کے بہترین ڈراموں کو اردو میں ترجمے کر کے کھیلنا تھا۔ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۲ء تک اس گروپ نے اکیڈمی میں تقریباً چار ڈرامے پیش کر کے مختلف انعامات حاصل کیے۔

اس گروپ کی پہلی پیش کش ۱۹۹۵ء میں ”پتاجی پلیز“ اعجاز احمد کی اسکرپٹ اور انتخاب احمد کی ہدایت کاری میں پیش کی گئی۔ اسے کوئی انعام نہ مل سکا۔ ادارے نے دوسرا ڈرامہ یوگیش سومن (پونہ) کا ڈرامہ جواب کو اردو ”جواب“ ہی کے عنوان سے اعجاز احمد نے ترجمہ کیا اور انتخاب احمد کی ہدایت میں ۱۹۹۷ء کے مقابلے میں پیش کیا۔ ۱۹۹۸ء میں ادارے نے اعجاز احمد کا طبع زاد ڈرامہ ”کھلونے“ سلیم بندوق والا کی ہدایت میں کھیلا۔ ۲۰۰۴ء میں ادارے نے ہیمنت عادل آباد کر، کے مراٹھی ڈرامہ ”اجیڑ پھول“ کو اعجاز احمد سے ترجمہ کرا کے ”اجالوں کے خواب“ اس عنوان سے سلیم بندوق والا کی ہدایت میں پیش

کیا۔ اس کو اکیڈمی میں انعام بھی حاصل ہوا۔ ۷۵

اس گروپ کی کوششیں جاری ہیں۔ مستقبل میں اور بھی اچھے ڈرامے اس گروپ سے پیش ہونے کے امکانات ہیں۔ ان تمام گروپس کے علاوہ وقتاً فوقتاً بہت سے گروپ نے اکیڈمی کے مقابلوں میں ڈرامے کھیلے۔ اکثر یہ بھی ہوا کہ کچھ ہدایت کاروں نے کچھ سماجی وادبی اداروں کی طرف سے ڈرامے کیے۔ الغرض ان اداروں کی کوششوں سے شولا پور میں اردو ڈرامہ کو فروغ حاصل ہوا۔ اس کے بعد راقم الحروف دوایسے اداروں کے متعلق رقم طراز ہے جس نے شولا پور میں اپنی کوششوں سے ڈرامہ کو فروغ دینے کو کوشش کی۔ ان کو سرکاری طور پر کوئی مدد حاصل نہ تھی۔ یہ سماجی وادبی ادارے ہیں۔ انہوں نے ان اداروں سے بچوں کے ڈراموں کو ترقی دی۔ ان میں پہلا نام ”اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور (۱۹۹۳ء):“

☆ اس ادارے نے ادبی خدمات کا جائزہ اسی مقابلے کے باب شولا پور کی اردو انجمنوں کی ادبی خدمات میں تفصیل سے لیا جائے گا۔ یہاں اس ادارے کی ڈرامہ کے فروغ کے لیے کی گئی کوششوں کا ذکر ہے۔ اس ادارے نے ۲۲ نومبر بروز اتوار ۱۹۹۸ء میں بین المدارس اردو ڈرامہ مقابلہ لیا۔ جس میں شولا پور کی دس اردو ہائی اسکول نے حصہ لیا۔ اس ڈرامہ مقابلے میں صبح سے شام تک کل دس ڈرامے کھیلے گئے۔ اس مقابلے کا فائدہ یہ ہوا کہ مقابلے کے لیے شولا پور کے ڈرامہ نگاروں نے نئے نئے ڈرامے لکھے۔ جس سے شولا پور کی اردو ڈرامہ نگاری میں خصوصاً ادب اطفال میں بیش قیمتی اضافہ ہوا۔ نئے فنکاروں کو مواقع فراہم ہوا۔

اس مقابلے میں پیش کردہ ڈراموں کا خاکہ ذیل میں درج ہے۔

نمبر شمار	اسکول کا نام	ڈرامہ	ڈرامہ نگار
۱	ہاشمیہ بحر الفیض اردو ہائی اسکول۔	ہمدردی۔	نسیم منان۔ (شولا پور)
۲	سٹی ٹن اردو ہائی اسکول۔	جادوئی چراغ۔	راجہ باغبان۔ (شولا پور)
۳	ڈاکٹر ذاکر حسین اردو ہائی اسکول۔	آوارہ گلیاں۔	شیخ اختر ایم۔ (شولا پور)
۴	مہانگر پالیکا اردو اسکول نمبر ۷۔	جو سیکھو کسی کو سکھاتے چلو۔	مسرت بونو۔ (ممبئی)
۵	بیگم قمر النساء کار یگر گلزار اردو ہائی اسکول۔	آنگن میں الیکشن۔	سید اقبال۔ (شولا پور)
۶	سر سید احمد اردو ہائی اسکول۔	یاد کرو قربانی۔	عبدالخالق شیخ۔ (شولا پور)
۷	دی پروگریسیو اردو ہائی اسکول۔	اجالوں کے داغ۔	بشیر پرواز۔ (شولا پور)
			جبار نلا مندو۔
			راجہ باغبان۔
			شیخ اختر ایم۔
			عبدالغفار شیخ۔
			ناہید ثانیہ۔
			عبدالخالق شیخ۔
			جعفر باگی۔

- (۸) ایم۔ اے۔ پانگل اردو ہائی اسکول۔ اڑان۔ اقبال نیازی۔ (ممبئی) سید اقبال۔  
 (۹) مہانگر پالیکا اردو اسکول نمبر ۱۔ ٹی۔ وی۔ کاروگ۔ نسیم منان۔ (شولا پور) بابا قدیر۔  
 (۱۰) ایس۔ ایس۔ اے اردو ہائی اسکول۔ المدد۔ ساغر شولا پوری۔ (شولا پور) منظور عالم۔

۵۸

تنظیم نے اس مقابلے کے لیے شولا پور کے ڈرامہ تھیٹر سے جڑے ہوئے فنکاروں کی ایک میٹنگ لے کر انہیں اسکول تقسیم کر کے دیے تھے۔ اس لیے ان اسکولوں سے پیش ہونے والے ڈراموں کے اکثر ہدایت کار وہی ہیں۔ جو مختلف ڈراموں گروپس کے سربراہ ہیں۔ یا اس کے ماہر ہیں۔ مقابلے میں شریک ڈراموں، اسکولوں اور فنکاروں کے لیے اس تنظیم نے بہت سے انعامات دیے۔ تاکہ فنکاروں کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ ۱۹۹۸ء کے بعد اس تنظیم نے اس سرگرمی کو آگے نہیں بڑھایا۔ اس کے ساتھ سال بعد بزمِ غالب نے اس سرگرمی کا احیاء کیا۔ اور چار سال سے لگا تار یہ سرگرمی انجام دے رہی ہے۔

☆ بزمِ غالب شولا پور:

بزمِ غالب کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اس کا تفصیلی جائزہ اگلے باب میں لیا جائے گا۔ یہاں اس کے زیرِ اہتمام لیے جانے والے بین المدارس اردو ڈرامہ مقابلوں کے متعلق لکھا جا رہا ہے۔ بزمِ غالب شولا پور نے اردو اسکول کے بچوں میں ڈرامہ کے فروغ کے لیے یہ سرگرمی اس وقت شروع کی جب مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے ڈرامہ سرگرمی بند ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ سے اس وقت کے وزیر اعلیٰ الاس راوڈ لکھنؤ کی اردو دشمن پالیسی ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں اردو اکیڈمی کی تشکیل ہی نہیں کی۔ اس وجہ سے ڈرامہ مقابلے بند ہو گئے۔ اکیڈمی کا آخری مقابلہ ۲۰۰۲ء میں ہوا تھا۔ اس کے بعد ۲۰۰۸ء میں اب مقابلوں کا اعلان ہوا ہے۔ اس طرح چھ سال اردو اکیڈمی پر سکتہ طاری رہا۔ بزمِ غالب نے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے اپنے ڈرامہ مقابلوں کا رخ بچوں اور اردو مدارس کی طرف موڑ دیا۔ ادارہ اب تک چار کامیاب مقابلے لے چکا ہے۔ اس مقابلے کا ناظم راقم الحروف ہے۔ مقابلے کو شروع کرنے میں خاکسار کی بہت کوششیں رہی ہیں۔ اس سرگرمی کو شروع کرنے کے لیے راقم الحروف بزمِ غالب کا احسان منہ ہے اور رہے گا۔ کیوں کہ اگر بزمِ غالب اس سرگرمی کی سرپرستی نہ کرتی تو یہ سرگرمی شروع نہ ہو پاتی۔ یا پھر بہت دیر سے شروع ہوتی۔

اس مقابلے کے لیے بزمِ غالب نے اپنا ایک منشور بنایا ہے۔ اس کے اصول و ضوابط بنائے ہیں۔ ان اصول و ضوابط کی بدولت شولا پور کے ڈرامہ نگاروں کو فروغ ملا اور نئے ڈرامہ نگار منظرِ عام پر آئے۔ ان اصولوں میں سے دو اصول بہت اہم ہیں۔ ایک 'بیسٹ اسکریپٹ انعام' کے لیے مقامی ڈرامہ نگار کو ترجیح دینا، اور دوسرا اہم اصول 'ڈرامہ کا ہدایت کار اسکول کے

سٹاف میں سے ہی کوئی ہو۔ اسٹاف کے علاوہ کوئی شخص ڈرامہ کی ہدایت کاری نہیں کرے گا۔“ اس قانون کو بنانے کے پیچھے اصل مقصد یہ تھا کہ اسکولوں میں طلبہ کے علاوہ اساتذہ کو اس فن سے دلچسپی پیدا ہو اور کچھ اساتذہ اچھے ہدایت کار اور ڈرامہ نگار بنیں۔ تاکہ جب تک وہ اس پیشے میں ہیں، تب تک اپنے طلبہ میں اس فن کو منتقل کرتے رہیں۔ تیسرا اہم قانون جس کا ذکر نا گزیر ہے وہ یہ ہے کہ۔ ”ڈرامہ بچوں کا ہونی چاہیے ڈرامہ کو موضوع بچوں کی زندگی اور مسائل سے جڑا ہوا ہو۔ بالغوں کے ڈرامے کو مقابلے میں باہر کر دیا جائے گا۔“ اس قانون سے ادب اطفال کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ شولا پور میں خالص بچوں کے ڈرامے لکھے جا رہے ہیں۔

مذکورہ بالا قوانین کی وجہ سے شولا پور میں نئے ڈرامہ نگار پیدا ہوئے۔ جس نے اپنی ڈرامہ نگاری کی شروعات ان ہی مقابلوں سے کی۔ ان میں سید محسن، ڈاکٹر احتشام نداف، ابراہیم شاہ پورے، رشید شیخ، محمد فہیم باگلھر، وجاہت عبدالستار کے نام نمایاں ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہدایت کاری میں تو ایک آدھ اسکول کو چھوڑ کر تمام اسکولوں کے اساتذہ شامل ہو گئے۔

☆ ڈرامہ مقابلے کا منشور (اصول و ضوابط):

- (۱) جماعت پنجم تا دہم کے طالب علم ہی ڈرامہ میں حصہ لیں جو نیر کالج کے طالب علموں کو ڈرامہ میں شامل نہ کریں۔ (۲) ڈرامہ بچوں کا ہو بالغوں کے ڈرامے کو شریک مقابلہ نہیں کیا جائے گا۔ (۳) پیش ہونے والا ڈرامہ سنسر شدہ یا بزمِ گلاب کا منظور شدہ ہو۔ (۴) ڈرامے کا ہدایت کار اسکول کا اسٹاف ممبر ہی ہو۔ (۵) ڈرامے کا عرصہ کم از کم ۳۰ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ۳۵ منٹ کا ہو۔ (۶) ڈرامے میں اداکار طالب علموں کی تعداد ”۱۲“ سے زیادہ نہ ہو۔ (۷) اس سے قبل بزمِ غالب شولا پور کے ڈرامہ مقابلوں میں شریک ڈرامے اس مقابلے میں شریک نہیں کیے جائیں گے۔ (۸) ججوں کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔ (۹) کوئی داخلہ فیس نہیں ہے۔ (۱۰) تین بیک کرٹن (کالا، سفید، لال) روشنی میں چھ اسپاٹ، لائٹ، ضروری لیولس کا انتظام بزمِ غالب کے ذمہ ہوگا۔ میک اپ کا انتظام آپ کو کرنا ہوگا۔ (۱۱) مقابلے میں شریک ڈراموں کی تعداد توقع سے زیادہ ہونے کی صورت میں انتخاب ہوگا اور صرف منتخب ڈرامے میں پیش ہوں گے۔ (۱۲) درخواست کے ہمراہ مصنف کا اجازت نامہ بھی ضروری ہے۔ (۱۳) فلمی گیت اور رقص ڈرامہ میں نہ پیش کریں۔ (۱۴) اسکرپٹ کے انعام کے تعلق سے مقامی مصنف کو ترجیح دی جائے گی۔ (۱۵) آپ کے ڈرامے کا جو وقت طے ہوگا اسی وقت ڈرامہ پیش ہوگا۔ ورنہ ڈرامہ مقابلے سے خارج کر دیا جائیگا۔ (۱۶) ناظرین کے لیے داخلہ بذریعہ ڈومیشن پاس ہوگا۔ بچوں کے لیے پانچ روپے بالغوں کے لیے ۱۵ روپے۔

اس مقابلے میں اسکول طلبہ و طالبات اور اساتذہ (ہدایت کار اور ڈرامہ نگاروں) کی ہمت افزائی کے لیے دیدہ زیب



انعام دیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ نقد انعامات اور اسناد دی جاتی ہیں۔ اس کی فہرست ذیل میں درج ہے۔

### ☆ انعامات:

- ☆ بہترین ڈرامہ انعام -/۱۰۰۰ روپے، رولنگ ٹرافی، اسناد۔ ☆ دوم انعام -/۷۰۰ روپے قائم ٹرافی۔
- ☆ سوم انعام -/۵۵۰ روپے قائم ٹرافی۔ ☆ بہترین ڈرامہ نگار -/۵۰۰ روپے ٹرافی اور سند۔
- ☆ بہترین ہدایت کار -/۵۰۰ روپے ٹرافی اور سند۔ ☆ بہترین اداکار اول انعام گفٹ، ٹرافی اور سند۔
- ☆ دوم انعام - ٹرافی اور سند۔ ☆ سوم انعام - ٹرافی اور سند۔ ☆ بہترین اداکارہ - اول انعام گفٹ ٹرافی اور سند۔
- ☆ دوم انعام - ٹرافی اور سند۔ ☆ سوم انعام - ٹرافی اور سند۔ ☆ حوصلہ افزائی کا انعام - ٹرافی اور سند۔
- ☆ ہر ڈرامہ کے تمام اداکاروں کو پارٹیشن سند۔
- ☆ تمام ڈراموں میں سے ایک ایک بہترین اداکار کے لیے علاحدہ سے سند۔

### ☆ چار مقابلوں کی تاریخ:

- پہلا مقابلہ: یکم جنوری ۲۰۰۶ء بروز اتوار صبح ۹:۳۰ بجے سے شام ۵ بجے تک، بمقام ہتاتمہ سمرتی مندر شولا پور۔
  - دوسرا مقابلہ: ۷ جنوری ۲۰۰۶ء بروز اتوار صبح ۹:۳۰ بجے سے شام ۵ بجے تک۔ بمقام ہتاتمہ سمرتی مندر شولا پور۔
  - تیسرا مقابلہ: ۱۶ جنوری ۲۰۰۸ء بروز اتوار صبح ۹:۱۰ بجے سے شام ۵ بجے تک۔ بمقام ہتاتمہ سمرتی مندر شولا پور۔
  - چوتھا مقابلہ: ۴ جنوری ۲۰۰۹ء بروز اتوار صبح ۹:۳۰ بجے سے شام ۵ بجے تک۔ بمقام ہتاتمہ سمرتی مندر شولا پور۔
- ذیل میں اس مقابلے میں شریک اسکول، ڈرامے، ڈرامہ نگار اور ہدایت کاروں کے نام بتدریج درج کیے جاتے ہیں۔

### پہلا بین المدارس اردو ڈرامہ مقابلہ ۲۰۰۶ء

نمبر	وقت	اسکول کا نام	ڈرامہ	ڈرامہ نگار	ہدایت کار
(۱)	۹:۳۰	فرخندہ اردو گلز اسکول	شبو	رفیق گلاب (ممبئی)	عبد الماجد کلا دگی
(۲)	۱۰:۱۵	ایم۔ اے پانگل اردو ہائی اسکول	کھلونے والا	انیس جاوید	الطاف صدیقی
(۳)	۱۱:۰۰	دی پروگریسیو اردو ہائی اسکول	آؤ چاند پر چلیں	رفیق گلاب (ممبئی)	جعفری بانگی
(۴)	۱۱:۴۵	سرسید احمد خان اردو ہائی اسکول			
۳۰ جنوری		فروغ جعفری	احتشام نداف		
(۵)	۱۲:۳۰	نیشنل اردو ہائی اسکول	آف پیرٹ	یوسف عالم صدیقی	ڈاکٹر حسین جنواڑ کر۔
				(سولا پور)	
(۶)	۱:۱۵	سٹی ٹن اردو ہائی اسکول	حوصلہ	الطاف بخش (شولا پور)	راجہ باغبان

۷	۲:۰۰	ہاشمیہ بحر الفیض اردو ہائی اسکول - بیکاں کاکورٹ - نسیم منان (شولا پور) - شازہ بیگم شیخ -
۸	۲:۴۵	مولانا آزاد اردو ہائی اسکول - شکوہ جواب شکوہ - بی۔ ایچ۔ کرجگی کر (شولا پور) - زلیخا پٹھان -
۹	۳:۳۰	بیگم قمر انسا اردو ہائی اسکول - کون ہے وہ؟ - ہارون رشید باغبان (شولا پور) - ہارون رشید باغبان -
۱۰	۴:۱۵	سمیہ اردو ہائی اسکول - نیا سویرا - سید حسن (شولا پور) - شیخ منزل حسین -

### دوسرا بین المدارس اردو ڈرامہ مقابلہ ۲۰۰۷ء

#### نظام الاوقات

نمبر	وقت	اسکول کا نام	ڈرامہ	ڈرامہ نگار	ہدایت کار
۱	۱۰:۰۰	ایس۔ ایس۔ اے اردو ہائی اسکول	دروازے کھول دو	کرشن چندر	سمیر
۲	۱۰:۴۰	ہاشمیہ بحر الفیض اردو ہائی اسکول	منحوس قدم	نسیم منان (شولا پور)	جبار نلامندو
۳	۱۱:۲۰	دی پروگریسیو اردو ہائی اسکول	بس اتنا سا خواب	اعجاز احمد شیخ (شولا پور)	اعجاز احمد شیخ
۴	۱۲:۰۰	سر سید اردو ہائی اسکول	اکڑو جگوار	احتشام نداد (شولا پور)	احتشام نداد
۵	۱۲:۴۰	سٹی ٹن اردو ہائی اسکول	آئینہ	ہارون رشید باغبان (شولا پور)	راجہ باغبان
۶	۱:۲۰	راجے بھائی اردو ہائی اسکول	جائیں تو جائیں کہاں	زیر رضوی (ممبئی)	اسمعیل ڈونگا وکر
۷	۲:۰۰	محمد یونس ماڈل اردو ہائی اسکول	راہ گیر	سمیر باغبان (شولا پور)	محمد اسحاق بانگھر
۸	۲:۴۰	خواجہ بنہ نواز اردو ہائی اسکول	نصیب اپنا اپنا	سید محسن پیرزادے (شولا پور)	سید منزل حسین
۹	۳:۲۰	ایم۔ اے پانگل اردو ہائی اسکول	کشمکش	ابراہیم شاہ پورے (شولا پور)	ابراہیم شاہ پورے
۱۰	۴:۲۰	بیگم فرخندہ گرلز اردو اسکول	ماں ہڑتال پر ہے	سلام ابن رزاق	عبد الماجد کلا دگی

(ممبئی)

### تیسرا بین المدارس اردو ڈرامہ مقابلہ (۲۰۰۸ء)

#### نظام الاوقات

نمبر	وقت	اسکول کا نام	ڈرامہ	ڈرامہ نگار	ہدایت کار
۱	۱۰:۰۰	بیگم فرخندہ اردو اسکول	سائل	سلام بن رزاق (ممبئی)	عبد الماجد کلا دگی
۲	۱۰:۵۰	عائشہ سرور اردو اسکول	خوشبو	ہارون رشید باغبان (شولا پور)	محمد کلیم باٹ گھر
۳	۱۱:۴۰	دی پروگریسیو اردو ہائی اسکول	منو۔ مائی ڈال	آکاش منوہر (مترجم اعجاز احمد شولا پور)	اعجاز احمد
۴	۱۲:۳۰	ایم۔ اے۔ پانگل اردو ہائی اسکول	پچان	سلام بن رزاق (ممبئی)	ہارون رشید باغبان

- (۵) ۱:۵۰ سرسید احمد خان اردو ہائی اسکول - ٹائم مشین (ہمارا مستقبل)۔ ڈاکٹر احتشام نداف ڈاکٹر احتشام نداف۔ (شولا پور)۔
- (۶) ۱۲:۴۰ سٹی ٹرن اردو ہائی اسکول۔ سوگندھی مبدو کھیل والا۔ اقبال نیازی (ممبئی)۔ راجہ باغبان۔
- (۷) ۳:۳۰ مولانا آزاد اردو ہائی اسکول۔ تیسری عالمی جنگ۔ بی۔ ایچ۔ کرچگی (شولا پور)۔ زلیخا کھرا دی۔
- (۸) ۴:۲۰ ہاشمیہ بحر الفیض اردو ہائی اسکول۔ نئی صبح۔ پروفیسر عبدالرشید (شولا پور)۔ عرفان کیرول۔

### چوتھائین المدارس اردو ڈرامہ مقابلہ ۲۰۰۹ء

#### نظام الاوقات

نمبر	وقت	اسکول کا نام	ڈرامہ	ڈرامہ نگار	ہدایت کار
(۱)	۹:۳۰	نیگم فرخندہ اردو اسکول	واپسی	شیخ۔ اے۔ اے۔ (شولا پور)	عبدالماجد کلا دی
(۲)	۱۰:۳۰	عائشہ سرور اردو اسکول	انکھیلیوں کے بعد	محمد فہیم باگھر۔ (شولا پور)	محمد کلیم باگھر
(۳)	۱۱:۳۰	بی بی حیات اردو اسکول	منزلوں سے آگے	ہارون رشید باغبان (شولا پور)	ماجد ولسنگر۔ الیاس شیخ
(۴)	۱۲:۳۰	سوشل اردو ہائی اسکول	جاگ گیا جن	وجاہت عبدالستار (شولا پور)	شیخ عبدالرحیم
(۵)	۱:۳۰	ہاشمیہ بحر الفیض اردو ہائی اسکول	ہم ایک رہیں گے	شیخ مسرت بانو (ممبئی)	عابدہ شیخ۔ سائرہ شیخ
(۶)	۲:۳۰	پروگریسیو اردو ہائی اسکول	اجالوں کے داغ	بشیر پرواز (شولا پور)	محمد جعفر بانگی
(۷)	۳:۳۰	سٹی ٹرن اردو ہائی اسکول	پھول اور کانٹے	راجہ باگبان (شولا پور)	راجہ باغبان

ان مقابلوں کی بدولت شولا پور کے بچوں میں ڈرامہ کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ جب تک یہ مقابلہ چلتا رہے گا تب تک نئے نئے فنکار اس اسٹیج سے پیدا ہوتے رہیں گے۔ گویا یہ مقابلہ مستقبل میں فنکاروں کی فیکٹری بنے ہوگا راقم الحروف فی الحال اس مقابلے میں شامل شولا پور کے ڈرامہ نگاروں کے ڈرامے کو مرتب کر رہا ہے۔ عنقریب یہ ڈرامے کتابی شکل میں منظر عام پر آئیں گے۔ یہ کتاب شولا پور میں پہلا ڈراموں کا مجموعہ ہوگا۔ یہاں سے شولا پور میں ڈراموں کی اشاعت کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوگا۔

شولا پور اردو ڈراموں کا گھر رہا ہے۔ یہاں ڈرامہ لکھنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ اب تک اندازے کے مطابق تقریباً سات سو زائد ڈرامے اس سرزمین پر لکھے جا چکے ہیں اور ہزار سے زائد ڈرامے کھیلے جا چکے ہیں۔ مستقبل میں بھی لکھے اور کھیلے جائیں گے۔ ڈرامہ کی مختلف ٹیکنک سے جڑے ہوئے ماہرین خاصی تعداد میں یہاں موجود ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے فن میں طاق ہیں۔ اس منظر نامے کے بعد راقم الحروف یہ دعویٰ کرنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ شولا پور میں ڈراموں کا مستقبل تابناک ہے۔

## حواشی

- نمبر شمار کتاب کا نام مصنف ناشر سن اشاعت صفحہ
- (۱) شخصی انٹرویو۔ اقبال سید  
مورخہ ۱۵ جون ۲۰۰۸ء۔
- (۲) شولا پور تاریخ کے آئینے، مضمون شولا پور۔
- (۳) میں اُردو ڈراموں کا تاریخی سفر (سید اقبال) نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔ ۱۹۹۹ء ۱۰۰
- (۴) شولا پور تاریخ کے آئینے، مضمون شولا پور۔
- (۵) میں اُردو ڈراموں کا تاریخی سفر (سید اقبال) نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔ ۱۹۹۹ء ۱۰۰
- (۶) ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ۱۰۱
- (۷) ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ۵
- (۸) شخصی انٹرویو۔ مورخہ ۲۰ جون ۲۰۰۸ء۔
- (۹) شخصی انٹرویو۔ تنویر بیجا پورے اور بابا قدیر۔
- مورخہ ۱۔ جون ۲۰۰۷ء۔
- (۱۰) شولا پور تاریخ کے آئینے، مضمون شولا پور
- (۱۱) کے آج کے شعراء کرام نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔ ۱۹۹۹ء ۱۳۴
- (۱۲) شولا پور تاریخ کے آئینے، مضمون شولا پور،
- (۱۳) میں اُردو ڈراموں کا تاریخی سفر (سید اقبال)۔ نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء ۲، ۱۰۱
- (۱۴) شخصی انٹرویو۔ بی۔ ایچ۔ کر جلی کر۔
- ۱۷ جولائی ۲۰۰۸ء۔
- (۱۵) تحریری انٹرویو۔ بی۔ ایچ۔ کر جلی کر۔
- ۲۰ جولائی ۲۰۰۸ء۔

- (۱۲) تحریری انٹرویو۔ منظور عالم شیخ۔  
اگست ۲۰۰۸ء۔
- (۱۳) شولا پور تاریخ کے آئینے، مضمون شولا پور  
کے آج کے شعرائے کرام  
شخصی انٹرویو۔ بشیر پرواز ۱۵،  
اگست ۲۰۰۸ء
- (۱۴) تحریری انٹرویو۔ سید سعید احمد،  
۲۵ دسمبر ۲۰۰۸ء
- (۱۶) سارے جہاں سے اچھا، مضمون  
نذیر فتح پوری  
سید سعید احمد۔ حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن  
۱۲ ۲۰۰۲ء ٹرسٹ، شولا پور
- (۱۷) ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔  
۲۸ ایضاً۔
- (۱۸) ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔  
۲۸ ایضاً۔
- (۱۹) سارے جہاں سے اچھا، مضمون  
نذیر فتح پوری  
سید سعید احمد۔ حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن  
۹۲ ۲۰۰۲ء ٹرسٹ، شولا پور
- (۲۰) تحریری انٹرویو۔ عبدالوہاب لنجے۔  
۲۵ نومبر ۲۰۰۸ء۔
- (۲۱) امکان (۱۵)۔ مہاراشٹر اردو اکیڈمی۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی ممبئی۔ ندارد۔  
۱۷۹
- (۲۲) شخصی انٹرویو۔ راجہ باغبان۔ ۲۵، دسمبر ۲۰۰۸ء۔
- (۲۳) تحریری انٹرویو۔ ۱۱۸، اکتوبر ۲۰۰۸ء۔
- (۲۴) شخصی انٹرویو۔ راجہ باغبان۔ ۲۵، دسمبر ۲۰۰۸ء۔
- (۲۵) شخصی انٹرویو۔ جعفر باگی ۲۵، دسمبر ۲۰۰۸ء۔

- (۲۶) شخصی انٹرویو۔ بی۔ ایچ۔ کرگچی کر۔ ۷ جولائی ۲۰۰۸ء۔
- (۲۷) شخصی انٹرویو۔ راجہ باغبان۔ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۷ء۔
- (۲۸) ایضاً
- (۲۹) شخصی انٹرویو۔ سید اقبال ۱۶ جون ۲۰۰۸ء۔
- (۳۰) ایضاً۔
- (۳۱) ایضاً۔
- (۳۲) تحریری انٹرویو۔ عبدالحق۔ ستمبر ۲۰۰۸ء۔
- (۳۳) تحریری انٹرویو۔ اختر۔ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۸ء۔
- (۳۴) تحریری انٹرویو۔ ہارون رشید باغبان۔ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۸ء۔
- (۳۵) ایضاً۔
- (۳۶) ایضاً۔
- (۳۷) تحریری انٹرویو۔ تنویر احمد بیجاپور۔ ۱۱ نومبر ۲۰۰۸ء۔
- (۳۸) شخصی انٹرویو۔ ابراہیم۔ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۸ء۔
- (۳۹) تحریری انٹرویو۔ ابراہیم۔ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۸ء۔
- (۴۰) شخصی انٹرویو۔ وجاہت عبدالستار سکری۔ ۱۰ دسمبر ۲۰۰۸ء۔
- (۴۱) تحریری انٹرویو۔ اسحاق منیار۔ ۱۵ جون ۲۰۰۸ء۔
- (۴۲) ایضاً۔
- (۴۳) ایضاً۔
- (۴۴) شخصی انٹرویو۔ اسحاق منیار۔ ۱۵ جون ۲۰۰۸ء۔
- (۴۵) شخصی انٹرویو۔ فرزند درویش۔ ۲۵ جون ۲۰۰۸ء۔
- (۴۶) شخصی انٹرویو۔ چوکی جناب۔ ۲۵ جون ۲۰۰۸ء۔

- (۴۷) شخصی انٹرویو۔ راجہ باغبان۔ ۲۵ ستمبر، ۲۰۰۸ء۔
- (۴۸) شخصی انٹرویو۔ ساحرنداف۔ ۲۵ ستمبر، ۲۰۰۸ء۔
- (۴۹) ایضاً
- (۵۰) شخصی انٹرویو۔ جعفر باگی، راجہ باغبان۔ ۲۵ دسمبر، ۲۰۰۸ء۔
- (۵۱) شخصی انٹرویو۔ راجہ باغبان۔ ۲۵ دسمبر، ۲۰۰۸ء۔
- (۵۲) تحریری انٹرویو یو بی۔ ایچ۔ کرجگی کر۔ ۲۰ جولائی، ۲۰۰۸ء۔
- (۵۳) شخصی انٹرویو اسحاق منیار۔ ۱۵ جون، ۲۰۰۸ء۔
- (۵۴) شخصی انٹرویو۔ راجہ باغبان۔ ۲۶ دسمبر، ۲۰۰۸ء۔
- (۵۵) شخصی انٹرویو۔ راجہ باغبان۔ ۲۷ دسمبر، ۲۰۰۸ء۔
- (۵۶) شخصی انٹرویو۔ سید اقبال۔ ۲۰ جون، ۲۰۰۸ء۔
- (۵۷) تحریری انٹرویو انتخاب احمد شیخ۔ ۲۰ نومبر، ۲۰۰۸ء۔
- (۵۸) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم ادا درہ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور ۱۹۹۹ء ۲



## باب ششم

### شولاپور کی اردو انجمنوں کی ادبی خدمات

تاریخ اردو ادب شاہد کے اردو ادب کی ترقی و ترویج میں ادبی انجمنوں نے کافی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اردو کے ابتدائی دور میں جب صوفیائے کرام غیر ارادی طور پر اردو زبان و ادب کی خدمات انجام دے رہے تھے اس وقت ان کی خانقاہیں ادبی انجمنوں کا رول ادا کر رہی تھیں۔ ان کی پسند و نصح کی محفلوں میں اردو شاعری بھی ترقی کی منزلیں طے کر رہی تھی۔ بہمنی دور میں بادشاہوں کے دربار ادبی انجمنوں کا کردار ادا کر رہے تھے۔ بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد پانچ خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں۔ عادل شاہی، قطب شاہی، نظام شاہی، اور برید شاہی۔ ان میں سے حیدر آباد کے قطب شاہی حکومت اور بیجاپور کی عادل شاہی حکومت اور ان کے فرمانرواؤں کی ادب نوازی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ان کے دربار اردو کے ادبی انجمنیں نہیں تو اور کیا تھے۔ یہ ان کی ادب نوازی ہی تھی جس کی دعوت پر، حافظ شیرازی، ابولقاسم فرشتہ جیسے مشہور زمانہ ادیب یہاں دکن میں آئے۔ بیجاپور کی حکومت میں براہیم عادل شاہ ثانی کے دور کو تو اردو عہد زریں مانا گیا ہے۔ راقم الحروف کی نظر میں یہ اردو ادب کی ادبی انجمنوں سے کم نہیں ہیں۔

انگریزوں کے دور حکومت میں ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا تو اس میں دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا۔ اسے بھی ہم ادبی ادارہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں اردو ادب کی سینکڑوں تصانیف و تالیفات نیز تراجم اردو ادب میں شامل ہوئے۔ فورٹ ولیم کے بعد ”دلی کالج“ میں ”ورنا کیلٹر سلیشن سوسائٹی“ کا قیام عمل میں آیا یہاں اردو ادب میں اور نئے نئے موضوعات کی کتابیں شامل ہوئیں۔ مغلوں کے دور حکومت میں لال قلعہ ادبی انجمن کی شکل اختیار کر گیا۔ امام بخش ناسخ کا حلقہ بھی ادبی انجمن سے کم نہ تھا۔ ان کے ماننے والوں کو جھگھٹ ان کے پاس جمع رہتا۔ انھوں نے اسی کی مدد سے اصلاح زبان کی تحریک چلائی۔ سرسید احمد خان کے دور میں سرسید نے بذاتِ خود کئی انجمنیں قائم کیں۔ ان میں ”سائنٹفک سوسائٹی“ کا قیام کافی اہمیت کا حامل ہے۔ شبلی نعمانی کا ”ندوۃ العلماء“، ”دارالمصنفین اعظم گڑھ“ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ ۱۹۳۶ء کی ترقی پسند تحریک کو کون فراموش کر سکتا ہے۔ یہ تحریک ”انجمن ترقی مصنفین“ کی دین ہے۔ مولوی عبدالحق کی ”انجمن ترقی اردو“ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ”مکتب جامعہ لمیٹڈ“، ”اردو ساہتیہ اکادمی“ حکومت کی طرف سے قائم کردہ ہر ریاست کی ”ساہتیہ اکاڈمیاں“ منسٹری آف ہیومن رسورس اینڈ ڈیولپمنٹ کا ”اردو بیورو“ بعد ازاں ”قومی کونسل برائے فروغ اردو“، ”مہاراشٹر کی مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی“ یہ سب ادبی انجمنیں ہیں۔ جس کا مقصد اردو زبان کو ادب کی ترقی و ترویج رہا ہے۔



شولا پور میں بھی ملکی سطح پر چلنے والی ادبی انجمنوں کا اثر ہوا ہے۔ یہاں بھی جو علمی و ادبی خدمات انجام پائی ہیں اور جو بھی ادبی سرمایہ تخلیق ہوا ہے۔ وہ ان ہی ادبی انجمنوں کا ثمرہ ہے۔ یہاں کے صوفیائے کرام کی واعظ و نصیحت کا محفلوں کو بھی یہاں کی ابتدائی ادبی انجمنیں قرار دیا جائے گا۔ اس کے بعد کچھ استاد شعراء کے ادبی حلقوں کو بھی ابتدائی ادبی انجمنیں کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً صوفیائے کرام میں اکبر شاہ قاسم، حضرت پیر احمد عتیق کی محفلیں۔ ایسی ہی محفلوں سے بہت سے شعراء پیدا ہوئے اور انھوں نے شولا پور کے ادب کی آبیاری کی۔ بزرگ شعراء میں حضرت قدیر اور گیتا عدنی کا حلقہ ادب اس کی دوسری مثالیں ہیں۔ ان بزرگوں سے فیض یابی کی بات بہت سے شعراء نے کی جس کا ذکر اسی مقابلے بات سوم ”شولا پور میں شاعری کی روایت اور فرتار“ میں کیا جا چکا ہے۔

شولا پور کی باقاعدہ ادبی انجمنوں کا ریکارڈ تسیم منان کے ایک مضمون میں ملتا ہے۔ جو شولا پور ”تاریخ کے آئینے میں“ شامل ہے۔ جس کا عنوان ”شہر شولا پور کی اردو ادبی تاریخ“ ہے۔ اس کا ایک ضمنی نکتہ ”ادبی ادارے، انجمنیں“ ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کی ادبی انجمنوں کے متعلق کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ راقم الحروف نے اس باب کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ شہر شولا پور کی چند بزرگ ادبی شخصیتوں سے گفتگو کی اور مواد اکٹھا کیا۔ تسیم صاحب کے اس مضمون میں ۱۹۹۹ء تک کے اداروں کی چیدہ چیدہ معلومات ملتی ہے۔ ۱۹۹۹ء کے بعد جو انجمنیں قائم ہوئیں اور ان کے اسر نو تعمیر ہوئی اس کا ذکر نہیں ہے۔ راقم الحروف نے ایسی انجمنوں کی معلومات ان اداروں کے ذمہ داروں سے ملاقات کر کے حاصل کی اور ان سے ضرورت دستاویزات حاصل کیے جو راقم کے پاس محفوظ ہیں۔ آگے راقم ان ہی دستاویزات کی روشنی میں اپنی بات کہے گا۔

۱۹۹۹ء سے پہلے کی ادبی انجمنوں کے متعلق راقم الحروف نے تسیم منان کے مضمون ہی کو پیش نظر رکھا۔ اپنی ذاتی تحقیق سے جو باتیں سامنے آئیں اس کا اضافہ کیا۔ شولا پور کی ادبی انجمنوں کے متعلق تسیم منان نے لکھا ہے کہ:

”شہر شولا پور میں اردو ادب کو فروغ دینے میں یہاں کی اردو انجمنوں اور

اداروں کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اردو ادب کے فروغ اور اردو کی خدمات کا

جذبہ رکھنے والے ادباء شعراء اور نوجوانوں نے شولا پور میں جگہ جگہ ادبی

ادارے قائم کیے۔ ان اداروں کے ذریعے یہاں یہاں علمی مباحثے، ادبی پروگرام،

مشاعرے ہونے لگے۔ مقامی لوگوں کے علاوہ ان اجلاس، مشاعروں میں

بیرونی ادباء شعراء، علما اور مقررین بھی شرکت فرماتے تھے۔“ ۱

اپنے مضمون میں ان اداروں کی درجہ بندی کرتے ہوئے تسیم منان آگے لکھتے ہیں کہ:

”ان اداروں میں سماجی خدمات انجام دینے والے ادارے بھی تھے جو غریب اور نادار طلبہ کی ان کی علمی ترقی میں مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔ کھیل کود کے ادارے بھی تھے جو کھیلوں کے مقابلوں میں حصہ لینے کے علاوہ موقعہ محل کے حساب سے ادبی پروگراموں کو بھی تشکیل دیا کرتے تھے۔“ ۲

متذکرہ اقتباسات سے شولا پور میں ادبی انجمنوں کی بنیاد، ان کے بانی، ان کے مقاصد اور ان کے اقسام کا پتہ چلتا ہے۔ اس طرح شولا پور میں ادبی انجمنوں کی بنیاد پڑی پہلی ادبی انجمن، ”دارالمطالعہ شولا پور“ کے نام سے ۱۹۲۴ء میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد باقاعدہ انجمنوں کا سلسلہ شروع ہوا جو بتدریج ترقی اردو ۱۹۳۵ء انجمن ترقی پسند مصنفین ۱۹۴۱ء، مسلم کلب ۱۹۴۱ء صادق کلب، اقبال کلب شنوار پیٹھ، غالب کلب ۱۹۶۵ء، بزم انجم ۱۹۷۰ء، اردو ٹیچر فیڈریشن شولا پور ۱۹۷۲ء، کاروان ادب ۱۹۸۱ء، مولانا ابولکلام آزاد سوسائٹی ۱۹۸۸ء، بزم غالب شولا پور ۱۹۹۱ء، اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور ۱۹۹۳ء، ادارہ حلقہ ادب انجمن قدیر ۲۰۰۰ء، غفور انیس میموریل ٹرسٹ شولا پور ۲۰۰۴ء، شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس اسوسی ایشن شولا پور ۲۰۰۷ء خدمتِ خلق۔۔۔ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اب راقم الحروف ان اداروں کی مختصر تاریخ اور ان کی ادبی خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کرتا ہے۔

#### ☆ دارالمطالعہ شولا پور:

اس ادارے کو شولا پور کا پہلا باقاعدہ ادارہ کہنا چاہیے۔ یہ ادارہ آج سے تقریباً ۸۴ سال قبل قائم کیا گیا تھا۔ شہر کے چند نوجوانوں نے مل کر بیگم پیٹھ کے عاشور خانے میں اس کی بنیاد رکھی۔ ادارے کے زیر اہتمام کئی یادگار مشاعرے منعقد کیے گئے۔ یہاں علمی مباحثے ہوا کرتے تھے اور مختلف ادبی موضوعات پر تقریریں بھی ہوتی تھیں۔ ادارے میں لائبریری بھی بنائی گئی تھی۔ اس لائبریری کا نام بھی ”دارالمطالعہ“ رکھا گیا۔ دارصل اسی نسبت سے اس کا نام ”دارالمطالعہ“ رکھا گیا۔ یہ نام اسی ادارے کی ایک بزرگ شخصیت ”ڈاکٹر حسامی“ نے رکھا تھا۔ اس ادارے کی ابتداء دو تحریک خلافت میں رکھی گئی۔ جب ہندوستان میں خلافت کی تحریک شروع ہوئی تو جناب محمد علی اور شوکت علی ملک میں اس تحریک کی تبلیغ و اشاعت کے لیے دورے کر رہے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں اسی سلسلے میں دونوں برادران شولا پور تشریف لائے یہاں ان کی تقریریں ہوئیں۔ شہر کے نوجوان ان کی تقریروں سے بے حد متاثر ہوئے ان میں خدمتِ قوم و ملت کا جذبہ پیدا ہوا اور انھوں نے ۱۹۲۴ء میں ایک ادارہ قائم کیا۔ ۱۹۲۵ء میں اسی ادارے میں ایک لائبریری کا قیام عمل میں آیا جس کا نام ”دارالمطالعہ“ رکھا گیا۔ اسی نسبت سے اس کا نام ”دارالمطالعہ“ ہے۔ اس ادارے نے بہت برے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ اس کے تحریری دستاویزات راقم الحروف



انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ مستقل طور پر کوئی ادارہ قائم کیا جائے۔ پھر اس مقصد کے لیے مناسب جگہ کی تلاش شروع ہوئی۔ اس دوران بیگم پیٹھ میں ایک ”عاشور خانہ“ تھا جہاں سال میں دس دن ”علم“ بٹھانے کا کام کیا جاتا تھا۔ اور باقی دنوں میں یہ عاشور خانہ بند رہا کرتا تھا۔ لہذا اس جگہ کو مناسب جان کر ایک لائبریری قائم کی گئی۔ اس میں جناب امام صاحب مچھالے، محی الدین صاحب وڈو، جلال الدین مصطفیٰ، خواجہ بھائی مصطفیٰ، قاسم صاحب بڑے پیر، اکبر صاحب پانگل، یہ حضرات ذمہ دار تھے۔ اس وقت کی ایک مشہور شخصیت ڈاکٹر حسامی نے اس لائبریری کو ”دارالمطالعہ“ نام بخشا۔ یہ لائبریری ۱۹۲۸ء میں قائم ہوئی۔ اس لائبریری میں شہید وطن جناب عبدالرسول قربان حسین جو اس وقت مزدوروں کے رہنما تھے۔ اکثر دارالمطالعہ میں آیا کرتے تھے۔“ ۵

مذکورہ بالا اقتباس میں ایڈوکیٹ صاحب نے ادارے کی ابتداء اور اس کے ارتقاء کی تاریخ قلمبند کی ہے۔ اس کے آگے آپ نے اس کی علمی و ادبی خدمات کا ذکر کیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے کوئی بھی ذی شعور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس ادارے میں ایسی ایسی شخصیتوں نے اپنی حاضری دی ہے جن کا نام تاریخ اردو ادب میں ایک باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

”ہندوستان کی کئی مایہ ناز ہستیاں خاص طور پر نیاز حیدر، مخدوم محی الدین، کیتی اعظمی، بہار کے لال مولوی، مولانا آزاد سبحانی، کامریم قاسم بخاری وغیرہ اس ادارے میں وقتاً فوقتاً آیا کرتے تھے۔ ان حضرات سے متاثر ہو کر یہاں ادبی سرگرمیاں شروع ہوئیں اور مشاعرے بھی ہونے لگے۔ ان مشاعروں میں اس وقت جناب رعد صاحب، سوختہ صاحب، جناب عادل صاحب، جناب عاقل صاحب، جناب قدیر صاحب، جناب یکتا صاحب، عبدالغنی کلیم صاحب، رحیم بخش، فراق حکیم، ناطق، عبدالغفور انیس ابرہیم نادر، محمد حسین آزاد شولا پوری، محمد ایوب، اجمل صاحب، باغی صاحب، محمد حنیف شاہ کر صاحب، عبدالرحمن سرور، قیصر، امان اللہ صاحب مرشد جیسے مقامی شاعر ابھرے۔“ ۶

واضح رہے کہ مذکورہ بالا شعراء میں جناب قدیر شولا پوری، یکتا عدنی شولا پوری اور عبدالغفور انیس شولا پور کے نامور

شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ شولا پور میں آج بھی ان کے معتقدین موجود ہیں۔ مذکورہ بالا تینوں شعراء کے مجموعے کلام شائع ہو چکے ہیں۔ اس مقالے کے باب سوم میں ان کے متعلق معلومات درج ہے۔ یہ تو شعراء کی بات ہوئی۔ اس انجمن سے ایسے سماجی خدمات گار بھی پیدا ہوئے جن کی تعلیمی سماجی خدمات شولا پور کے تاریخ کا حصہ ہیں۔ ایڈوکیٹ صاحب ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

”اسی زمانے میں جناب عبدالغفور خیر دی، پروفیسر مرزا غلام احمد بیگ، جناب محمد علی وڈوان، جناب ابراہیم ٹکسال، جناب عبداللہ چاؤس وغیرہ جیسے تعلیمی اور سماجی کارکن ابھرے۔“

مذکورہ بالا اقتباس میں جن اشخاص کا ذکر ہے۔ ان تماموں کی بدولت شہر شولا پور میں مسلمانوں کی تعلیم کا اہتمام ہوا۔ ان ہی حضرات میں سے جناب ابراہیم ٹکسال، جناب محمد علی وڈوان، جناب عبدالغفور خیری وغیرہ نے آگے چل کر ”شولا پور سوشل اسوسی ایشن“ کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جو آج شولا پور میں مسلمانوں کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ اس ادارے کے زیر اہتمام دو اردو پرائمری اسکول، دو ہائی اسکول، ایک مراٹھی ہائی اسکول اور جونیئر کالج، ایک سائنس کا اور ایک آرٹس اینڈ کامرس کالج، ایک پی، جی، کالج، ایک ڈی ایڈ کالج اور ایک بی ایڈ کالج کے علاوہ ایک انگریز میڈیم اسکول بھی چل رہا ہے۔ اس ادارے کی بنیاد آج سے ساٹھ سال قبل ڈالی گئی تھی۔ مہاراشٹر میں اردو ذریعہ تعلیم کے جس طالب علم نے سب سے پہلے پورے مہاراشٹر میں اول درجہ حاصل کیا تھا وہ تنویر نیار اسی اسکول کا طالب علم تھا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ”دارالمطالعہ“ نے شولا پور کی علمی و ادبی اور تعلیمی فضا کو نہ صرف سازگار بنایا گیا بلکہ اس کی آبیاری بھی کی۔

☆ انجمن ترقی پسند مصنفین:

یہ سبھی جانتے ہیں کہ اردو ادب میں ۱۹۳۶ء سے ترقی پسند تحریک کی شروعات ہوئی۔ سجاد ظہیر نے ۱۹۳۶ء میں ہندوستان میں ”انجمن ترقی پسند مصنفین“ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور اسی سال الہ آباد میں انجمن کی پہلی کل ہند اردو کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت منشی پریم چند نے کی تھی جس میں انھوں نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ:

”ہمیں حسن کا معیار بدلنا ہوگا۔“

اس کانفرنس میں مولوی عبدالحق اور جواہر لال نہرو بھی تھے۔ اس کانفرنس کی کامیابی کے بعد اس کی شہرت ملک بھر میں پھیل گئی۔ اس کی مینیفسٹو کو سارے ملک میں پہنچایا گیا۔ اس تحریک کے اثرات سارے ملک پر ہوئے۔ بلکہ یہ تحریک بیسویں صدی کی سب سے بڑی تحریک بھی کہلائی۔ شہر شولا پور میں بھی اس کے نقوش نظر آتے ہیں۔ شہر شولا پور میں ”دارالمطالعہ“ کے

زیر اہتمام ۱۹۴۱ء میں ”انجمن ترقی پسند مصنفین“ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۸۔ اس کے قیام کے متعلق نسیم منان اور ایڈوکیٹ غازی الدین میں اختلاف رائے ہے۔ نسیم صاحب نے ۱۹۴۱ء لکھا ہے اور ایڈوکیٹ نے ۱۹۴۶ء لکھا ہے۔ ۹۔ نسیم صاحب نے جو معلومات دی ہے وہ مختصر ہے اور ایڈوکیٹ صاحب نے تفصیل سے لکھا ہے۔ اس انجمن کے صدر عبدالغنی کلیم صاحب اور سکریٹری حکیم ناطق تھے۔ جناب ابراہیم نادر، عبدالغفور انیس، ایڈوکیٹ عبدالغفور خیر دی، محمد ایوب وغیرہ اس انجمن کے فعال رکن تھے۔ اس انجمن کے قیام اور اس کے کام کے متعلق ایڈوکیٹ ارشد جنواڑ کررام طراز ہیں۔

”۱۹۴۶ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی شاخ شولا پور میں اسی دارالمطالعہ میں قائم ہوئی تھی۔ جس کے صدر جناب عبدالغنی کلیم اور سکریٹری جناب حکیم ناطق تھے۔ ابراہیم نادر عبدالغفور انیس، ایڈوکیٹ خیر دی، محمد ایوب وغیرہ اس کے ممبران تھے۔“ ۱۰

اس انجمن کے کاموں کے متعلق ایڈوکیٹ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

”۱۹۴۹ء میں ”ترقی پسند مصنفین“ کی کل ہند کانفرنس بھیونڈی میں منعقد ہوئی تھی۔ اس وقت دارالمطالعہ کی جانب سے جناب عبدالغفور انیس، محمد ایوب صاحب اور حکیم ناطق صاحب نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔“ ۱۱

انجمن کی ادبی خدمات کے متعلق دونوں حضرات متفق نظر آتے ہیں۔ یہاں منان صاحب ہی کا اقتباس نقل کیا جاتا

ہے۔

”اس ادارے میں ہر ہفتہ ادبی مجالس ہوا کرتی تھیں۔ جس میں تقاریر، مقالات کا دور چلتا اور ہر اتوار کی شب میں یہاں افسانہ خوانی ہوا کرتی۔ اسی انجمن کی کاوشوں کا نتیجہ میں جناب پروفیسر مرزا غلام احمد بیگ طوفان، عبداللہ چاؤس، ایڈوکیٹ عبدالغفور خیر دی جیسے مقررین تیار ہوئے۔ ابراہیم جلسے جیسے ادیبوں کو اس انجمن کے اجلاس میں شرکت کرنے کا موقع ملا۔“ ۱۲

مذکورہ اقتباس سے ادارے کی ادبی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ ادارے میں ادبی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ ان سرگرمیوں کی بدولت اس ادارے سے کم سے کم ایک کتاب اور ایک رسالہ تو شائع ہونا لازمی بات تھی۔ ادارے سے عبدالغنی کلیم نے ایک رسالہ ۱۹۵۶ء میں جاری کیا جس کا نام ”سحر“ تھا۔

ایڈوکیٹ صاحب لکھتے ہیں کہ:

”عبدالغنی کلیم صاحب نے ۱۹۵۶ء میں ایک اردو اخبار ”سحر“ کے نام سے جاری کیا تھا۔ جونو (۹) ماہ چل کر بند ہو گیا۔“

۱۳

نسیم منان صاحب لکھتے ہیں کہ:

”اسی ادارے نے ایک شعری مجموعہ ”دھڑکنیں“ کے نام سے شائع کیا تھا۔ جس میں اس وقت کے شعراء

کے کلام موجود تھے۔ اس کے علاوہ ”دھنک“ نام کا ایک رسالہ شائع کیا۔ جس میں طبع زاد افسانے شامل تھے۔“ ۱۴

نسیم صاحب نے ایک شعری مجموعہ ”دھڑکنیں“ اور طبع داد افسانوں کا مجموعہ ”دھنک“ کا ذکر کیا ہے۔ اس سے انجمن کی ادبی سرگرمیوں اور ادیبوں کی ادبی کاوشوں کا پتہ چلتا ہے۔ اتوار کی شب میں اس انجمن میں افسانہ خوانی کی مجلس ہوا کرتی تھیں۔ اس میں شولا پور کے اہل قلم بھی افسانے لکھ کر لایا کرتے اور سناتے تھے۔

غرض اس ادارے میں شاعری اور افسانوں پر زور دیا گیا۔ جیسا کہ افسانہ نگاری اس تحریک کا طرہ امتیاز رہی ہے۔ تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے زیر اثر شولا پور کے اہل قلم نے بھی افسانے لکھے۔ ابراہیم جلیس کی شولا پور میں آمد اور یہاں کی محفلوں میں شرکت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں افسانہ نگاری کی گئی۔ لیکن افسوس کی بات یہ کہ یہ ادبی سرمایہ محفوظ نہ رہ سکا۔ راقم کی لاکھ کوششوں کے باوجود محض مذکورہ معلومات کے علاوہ کوئی تخلیقی سرمایہ ہاتھ نہ آ سکا۔

☆ انجمن ترقی اردو (۱۹۳۵ء):

یہ ادبی انجمن بارہ امام چوک شولا پور میں ۱۹۳۵ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس عمارت کے پیچھے عثمانیہ پریس قائم تھا جو آج بھی موجود ہے۔ اس انجمن کے زیر اہتمام ادبی مجالس، مشاعرے منعقد کیے جاتے تھے۔ اور اردو کی ترقی کے پروگرام کیے جاتے تھے۔ جناب لاڈلے صاحب منیار، جناب فرید الدین علیم، جناب احمد صاحب چندر کی وغیرہ اس انجمن کے فعال اراکین تھے۔ اس انجمن کے متعلق صرف اتنی ہی معلومات مل سکی۔ یہ معلومات بھی نسیم صاحب کے مضمون میں درج ہے۔ اس کے علاوہ اور کہیں سے بھی اس کی تفصیلات نہ پائی۔

☆ مسلم کلب (۱۹۴۱ء):

اس کلب کی بنیاد ۱۹۴۱ء میں شولا پور کے عالمگیر عید گاہ میں جہاں آج یو۔ ای۔ ایس۔ ایجوکیشن سوسائٹی کے اردو مدارس ایم۔ اے۔ پانگل اینگلو اردو ہائی اسکول و جونیر کالج اور بیگم قمر النساء کا ریگر گلز اردو ہائی اسکول و جونیر کالج اور یو۔ ای۔ ایس۔ مہیل ودھیالیہ ہے وہاں ایم۔ اے۔ پانگل اسکول کی عمارت میں قائم کیا تھا تھا۔ اس ادارے کے بانی مرحوم باوالال وکیل صاحب تھے۔ بعد میں اسی عمارت میں ایم۔ اے۔ پانگل اینگلو اردو ہائی اسکول کو منتقل کیا گیا۔ یہ اسکول۔ اینگلو

اردو اور ایم۔ اے۔ پانگل اردو اسکول کو ملا کر بنائی گئی ہے۔ اینگلو اردو انگریزوں کے دورِ حکومت میں قائم تھی۔ ایم۔ اے۔ پانگل ایک پرائیویٹ اسکول تھا۔ آزادی کے بعد حکومت نے اینگلو اردو ہائی اسکول کو بند کرنے کا ارادہ کیا تو ایم۔ اے۔ پانگل کی منجمنٹ نے اسے حاصل کیا اور اس کا نام ایم۔ اے۔ پانگل اینگلو اردو ہائی اسکول رکھا گیا۔

☆ لائبریری:

اس انجمن کے زیرِ اہتمام ایک لائبریری بھی قائم کی گئی تھی۔ جس میں شہر کے نوجوان اکثر مطالعہ کے لیے آیا کرتے تھے۔ یہ کتب خانہ صاحبِ ذوق حضرات کے لیے کافی مفید ثابت ہوا۔

☆ بزمِ اردو ادب کا قیام:

ادارے کے ماتحت ایک بزمِ اردو ادب کا قیام عمل میں آیا۔ اس بزم کی سرپرستی اس وقت کے اینگلو اردو ہائی اسکول کے صدر مدرس مرحوم خان صاحب عبدالکریم وکیل کیا کرتے تھے۔ اس کے نائب صدر محمد اسماعیل علا الدین صاحب کا مبلے تھے۔ جو اس زمانے میں فارسی کے معلم تھے۔ وہ شعر بھی تھے اور سوختہ تخلص رکھتے تھے۔ ”غبارِ کارواں“ کے خالق شیخ محمد یعقوب یکتا عدنی اس بزم کے سکریٹری تھے۔ نائب سکریٹری محمد ہارون باغی صاحب تھے یہ بھی شاعر تھے۔ ادارے کے دیگر راکین میں منشی عبداللہ عاقل، امان اللہ مرشد، عبدالقادر قدیر، شیخ محمد حنیف عادل، عبدالرحمن صدیقی وغیرہ شامل تھے۔

اس ادارے کے زیرِ اہتمام وقتاً فوقتاً مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ ادبی مجالس کا انعقاد ہوتا تھا۔ اس ادبی فضا کا نوجوانوں پر کافی مثبت اثر ہوا۔ یہ انجمن شولا پور میں ادبی ماحول برقرار رکھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوئی۔

☆ صادق کلب:

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شولا پور میں جن اداروں نے ادو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے کام کیا ان میں سماجی اور کھیل کود کے ادارے بھی شامل تھے۔ ان ہی میں سیایا صادق کلب ہے۔ صادق کلب کی بنیاد ۱۹۴۱ء میں ڈالی گئی۔ یہ ایک کھیل کا ادارہ تھا بعد میں اس کے عہدہ داروں نے ادبی سرگرمیوں میں دلچسپی لی

جناب عبداللطیف بیجا پورے، امام صاحب بنگری، عبداللہ کوربو، محمد شریف راجپور، محمد حیات گولے، عبدالغنی مسعود وغیرہ اس کے اراکین تھے۔ اس ادارے کے زیرِ اہتمام ایک لائبریری بھی قائم کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ”انجمن اشاعتِ تعلیم“ کے نام سے انھوں نے ایک گوشہ کھولا۔ ڈراموں کا بھی اہتمام کیا ذیل میں اس کی مزید معلومات درج ہے۔

☆ لائبریری:

ادارے کے ابتداء زمانے میں ہی یہاں لائبریری کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے متعلق نسیم منان لکھتے ہیں۔



”یہاں کے نوجوانوں نے علمی و ادبی ذوق کو قائم رکھنے کے لیے ایک لائبریری قائم کی۔ جس میں سینکڑوں نایاب کتب موجود تھیں۔ اخبارات و رسائل کے ذریعے لوگوں میں مطالعہ کا شوق پیدا کیا گیا۔“

۱۵

### ☆ انجمن اشاعتِ تعلیم:

اس ادارے میں انجمن اشاعتِ تعلیم کی بنیاد ڈالی گئی جس کا مقصد شہر کے طلبہ کو تعلیمی اسباب مہیا کرانا تھا۔ ادارے کے ذمہ دار شہر کے ہونہار غریب طلبہ کو تعلیمی اسباب مہیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے غریب و نادار طلبہ کو تعلیم حاصل کرنے اور جاری رکھنے میں مدد ملتی تھی۔ اس اسکیم سے شہر کے بے شمار ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری ہوئیں۔

### ☆ ڈرامے:

شولا پور اردو ڈرامہ کی صورتِ حال کے متعلق اس مقالے کے باب پنجم میں لکھا جا چکا ہے۔ وہاں اس کلب کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

### ☆ اقبال کلب:

مسلم کلب میں نوجوانوں کے لیے ایک ”والی بال کلب“ کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ بعد میں یہی ”اقبال کلب“ بن گئی۔ اس کلب میں نوجوان والی بال کھیلا کرتے تھے۔ کلب کے زیرِ اہتمام والی بال کے مقابلے بھی لیے جاتے تھے۔ بعد میں کچھ نوجوانوں نے اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کی طرف بھی توجہ دی اور یہ ادارہ اردو کی ادبی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ اس ادارے میں ایک لائبریری قائم کی گئی۔ ہر سال شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی یومِ پیدائش پر ”یومِ اقبال“ کا اہتمام، کل ہند مشاعروں کا انعام اور ڈراموں کا اہتمام کیا جانے لگا۔ ان سرگرمیوں کی مزید وضاحت اس طرح ہے۔

### ☆ یومِ اقبال اور کل ہند مشاعروں کا انعقاد:

چوں کہ ادارہ شاعرِ اسلام علامہ اقبال کے نام پر قائم کیا گیا تھا۔ اس خیال سے نوجوانوں نے یومِ اقبال منانا شروع کیا۔ اس موقع پر مختلف ادبی سرگرمیاں سرانجام پائی۔ کل ہند مشاعروں کا انعقاد بھی ہونے لگا۔ اس ادارے کے کل ہند مشاعرے اتنے اہتمام سے کرتے تھے کہ شہر کے ہزاروں افراد کو ہر سال ان مشاعروں کا انتظار ہوتا ہے۔ ان مشاعروں میں مقامی شعراء کے علاوہ ملک کے مشہور و معروف شعراء کے حاضری ہوتی ہے۔ ان میں عزیز قیسی، ظفر گورکھپوری، قمر جلال آباد، عیش کنول، کیف بھوپالی، سحر جگناوی، سلیمان خطیب، صابر شاہ آبادی، محمود درانی وغیرہ شامل ہیں۔

## ☆ لاہری کی قیام:

اس ادارے میں ایک لاہری بھی قائم کی گئی۔ اس کا مقصد عوام میں مطالعے کے ذوق و شوق کو بڑھانا اور طلبہ و طالبات و عوام کو ان کے ذوق مطالعہ کی تشفی کا سامان مہیا کرنا تھا۔ اس لاہری کو حکومتِ مہاراشٹر کے حکمہ لاہری کے تحت رجسٹر کیا گیا۔ اس لاہری میں دی پروگریسیو اردو ہائی اسکول کے جوان سال لاہری بن جعفر باگی تھے۔ ان کی نگرانی میں لاہری میں کتابیں منگوائی گئیں۔ انھوں نے اس لاہری کو باقاعدہ لاہری سائنس کے اصول و ضوابط کی روشنی میں منظم کیا۔ آج اس میں سینکڑوں طلبہ و طالبات اور اساتذہ کے علاوہ عوام و خواص قانوناً ممبر بن گئے ہیں۔ اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

## ☆ کل ہنداردو ادبی کانفرنس کا انعقاد:

شولا پور میں ایک، دو، تین، فروری ۲۰۰۸ء کو ایک عظیم الشان کل ہنداردو ادبی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کی ابتداء اسی کلب کے زیرِ اہتمام ہوئی۔ اقبال کلب کے حالیہ صدر جناب خواجہ داود نعلبند (فی زمانہ کارپوریٹر شولا پور مہانگر پالیکا، شولا پور) اس کے نائب صدر تھے۔ اب یہ کانفرنس ”کل ہنداردو ادبی کانفرنس“ کے نام ہی سے ایک علاحدہ ادارہ بن چکا ہے۔

## ☆ غالب کلب (۱۹۶۵ء):

بقول بشیر پرواز ”غالب کلب“ کی بنیاد ۱۹۶۵ء میں بادشاہ پیٹھ شولا پور میں ڈالی گئی۔ یہی ادارہ آگے چل کر ”بزمِ غالب“ بنا لیکن ہم یہاں دونوں کو الگ الگ کر کے دیکھیں گے۔ اگلے سطور میں ”غالب کلب“ کی معلومات درج ہے اس کلب کے متعلق سیم صاحب کے مضمون کے علاوہ ”بزمِ غالب“ شولا پور کے محلّے سے بھی معلومات حاصل ہوئی۔ یہاں ایک اقتباس درج ہے۔

”بزمِ غالب شولا پور کی ابتداء ۱۹۶۵ء میں غالب کلب کے نام سے ہوئی۔

پہلے ڈسٹر ابوبکر بڑے پیر اور سیکرٹریٹ صاحب شامل کیے گئے۔ دیگر بانیان

میں بشیر پرواز، احمد دفعدار، یوسف انصاری، عبدالرشید کوٹڈا، مولانا

شاندیوان، دادا پیر، احمد پانچگیر، خواجہ بھائی شیخ، عبدالقادر سید تھے۔ ۱۶

اس ادارے کا مقصد بھی وہی تھا جو اس سے پہلے کے اداروں کا تھا۔ یعنی اردو ادب کی ترقی و ترویج۔ اس ادارے میں ”بشنِ غالب“ منانے کی روایت ڈالی گئی۔ غالب کی یومِ پیدائش پر پابندی سے مشاعروں کا انعقاد ہوتا تھا۔ چنانچہ سیم منان لکھتے ہیں:

”یہ کلب مسلم پانچھاپٹھ میں قائم تھا۔ یومِ اقبال کی طرح یہاں کے اراکین  
 ”یومِ غالب“ کے موقع پر جشن کا اہتمام کرتے تھے اور ہر سال شاندار  
 مشاعرے کروا کر ملک کے نامور شعراء کو دعوتِ کلام دیتے تھے۔“ ۱۷

مندرجہ بالا اقتباسات کے مطالعے سے اس ادارے کی ادبی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ”یومِ غالب“ کے موقع پر  
 یہاں مشاعروں کا انعقاد ہوتا تھا ان مشاعروں میں بیرونی شعراء کے ساتھ مقامی شعراء بھی اپنا کلام سناتے تھے۔ جس کی وجہ  
 سے شولا پور میں شعر و شاعری کا ایک ماحول جو چلا آ رہا تھا اسے تقویت ملی اور ادبی فضا قائم رہی۔ یہاں عام طور پر طرہ  
 مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ خصوصی نشستوں کے علاوہ عوامی مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے۔ جیسے کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ اقبال  
 کلب کے عوامی مشاعرے شولا پور میں مقبول تھے۔ اسی روایت کو غالب کلب نے جاری و ساری رکھا۔

☆ پہلا طرہ مشاعرہ:

غالب کلب کے پہلے طرہ مشاعرہ میں مندرجہ ذیل طرہ دی گئی تھی۔  
 طرہ: ع۔ ساقی نے کچھ ملانہ دیا ہو شراب میں۔

پہلے مشاعرے کی صدارت صابر شاہ آبادی نے کی موصوف کرناٹک کے ”شاہ باذ“ کے رہنے والے تھے اور شولا پور  
 میں بے حد مقبول تھے۔ اور بار بار سنے جاتے تھے۔ اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ یہ مشاعرہ کس تاریخ کو ہوا۔ پرواز صاحب نے  
 ادارے کے متعلق اپنے مجلے میں لکھا بھی تو صرف مشاعرے کی طرہ اور صدرِ مشاعرہ کا نام۔ انھوں نے بھی اس پہلے  
 مشاعرے کی تاریخ نہیں لکھی راقم نے معلوم کرنے کی بہت کوشش کی مگر معلوم نہ ہو سکا۔ یہاں بشیر پرواز ہی کا حوالہ دیا جاتا  
 ہے۔

”شہر شولا پور میں عوامی مشاعرے طرہ مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ یہ روایت  
 اقبال کلب کی تھی۔ اس کی تقلید میں بزمِ غالب کا پہلا عوامی مشاعرہ بھی طرہ  
 مشاعرہ ہوا۔ طرہ تھی۔ ”ع۔ ساقی نے کچھ ملانہ دیا ہو شراب میں۔“ اس  
 مشاعرے کے صدر صابر شاہ آبادی تھے۔ باقی مقامی شعراء نے کرام شریک  
 تھے۔“ ۱۸

مذکورہ بالا مشاعرے کے بعد اس کلب کی شہرت شہر میں پھیل گئی۔ اور بہت سے مقامی شعراء ذی شعور افراد ادارے  
 سے جڑنے لگے۔ چنانچہ پرواز صاحب لکھتے ہیں۔

اس کے بعد بہت سے افراد بزمِ غالب میں شامل ہو گئے جن میں قابل ذکر

رکن الدین صدیقی بابو میاں مجاہد، عبدالوہاب جمیل، عبدالرزاق رند، امام

جاوید، محبوب گدوال، عبدالرشید سید وغیرہ۔“ ۱۹

بشیر پرواز کے مذکورہ بالا دو اقتباسات کے مطالعے سے ایک غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ ادارہ ہذا کا نام انھوں نے موصوف نے ”بزمِ غالب“ لکھا ہے۔ جبکہ ہم بات کر رہے ہیں۔ ”غالب کلب“ کی اس کی وضاحت اس اقتباس کے آخری جملے میں ملتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

”اب تک بزمِ غالب، غالب کلب کے نام سے ہی جاری تھا۔“ ۲۰

شہر کے مختلف ادبی اور غیر ادبی شخصیتوں نے مل کر اس ادارے کی آبیاری کی بعد میں اس ادارے میں دو گروپ بن گئے اور نظریاتی اختلاف کی وجہ سے ادارے کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ بیچ بیچ میں اس کی از سر نو تعمیر کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ یہ عرصہ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۹۰ء تک چلتا رہا۔ اس طرح ۲۵ سال کبھی روک کر کبھی تھم کر ادارہ اپنی ادبی ذمہ داریاں ادا کرتا رہا۔ اس ادارے کی وجہ سے اقبال کلب کے دیر تک خاموش رہنے کی کمی دور ہوئی۔ اس درمیان اقبال کلب کی ذمہ داریاں اس ادارے نے انجام دی اور شہر کی ادبی فضا کو قائم رکھا۔ ادارے نے اس خلاء کو پر کرنے کا ادبی فریضہ اور ذمہ داری ادا کی۔ ۱۹۹۰ء میں یہی کلب ”بزمِ غالب“ کی شکل میں ابھر کر سامنے آیا جس کا ذکر ہم ”بزمِ غالب“ کے عنوان کے تحت کریں گے۔

☆ بزمِ انجم (۱۹۷۰ء):

”بزمِ انجم“ کی بنیاد ۱۹۷۰ء میں رکھی گئی۔ اس کا دفتر شکر پیٹھ میں تھا اس کے صدر عبدالغنی کمپلی استاد تھے اور سکریٹری شولا پور کے نامور قد آور شخصیت، صحافی، مورخ، کتبہ خواں، محقق، ڈرامہ نگار اور شاعر جناب عبدالمنان نسیم تھے۔ واضح رہے کہ نسیم منان شولا پور ہی واحد شخصیت ہے جس کے مجموعہ کلام کو مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی نے اوارڈ دیا تھا۔ ایڈوکیٹ عبدالرشید جنواڑ کر اس ادارے کے نائب صدر تھے۔

اس ادارے نے اب تک تمام انجمنوں سے ہٹ کر ایک بنیادی کام یہ کیا کہ شہر کے قلم کاروں کی تخلیقات مختلف اخباروں اور رسالوں میں چھپوایا۔ یہی اس کا اہم مقصد بھی تھا۔ اپنی اس کوشش میں ادارہ کامیاب بھی رہا۔ اس زمانے میں یہاں کے قلم کاروں کی بچوں کے لیے لکھی گئی شعری تخلیقیت ممبئی کے روزنامہ ”ہندوستان“ میں شائع ہوتی تھیں۔ اس اخبار میں ہر ہفتے بدھ کے روز ایک کالم آتا تھا جس کا عنوان ”کھلتی کلیاں“ تھا۔ اس میں شولا پور کے ادب اطفال کو جگہ ملتی تھی۔ یہ سلسلہ کئی ہفتوں چلتا رہا۔ بالآخر اس اخبار نے ایک دفعہ ”بزمِ انجم نمبر“ ہی شائع کیا۔ جس میں تمام تخلیقات اہل ”بزمِ انجم“ کی تھیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ نمبر دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی اس کا سن اشاعت کسی کو یاد ہے۔ راقم الحروف نے بہت کوشش کی

مرحوم نسیم منان کے فرزند سے بھی رابطہ قائم کیا ان سے گزارش کی کہ اپنے گھر میں اس نسخے کو تلاش کریں۔ مرحوم فرزند بابا قدیر نے اس ضمن میں کوششیں بھی کی لیکن کچھ ہاتھ نہ لگا۔ علاہ ازیں ادارے کے نائب صدر جناب ایڈوکیٹ عبدالرشید ارشد جنواڑ کر سے بھی ان کے گھر جا کر انٹرویو لیا اور ان سے اس نمبر کے متعلق پوچھا۔ آپ نے اس نمبر کے چھپنے کی تصدیق کی اور کہا کہ یہ میرے پاس موجود تھا۔ لیکن ذاتی کتب خانے کی بے شمار کتابوں میں کہیں گم ہو گیا ہے۔ ملنا دشوار ہے۔ راقم الحروف کو توقع ہے کہ اگر اس کی تلاش کی جائے تو یہ نسخہ ہاتھ لگ جائے گا۔ ہنوز تحقیق جاری ہے۔ یہ نمبر ”بزمِ انجم“ اور شولا پور کے لیے ایک اعزاز ہے۔

بہر کیف یہ ادارہ ایسا ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ اپنی کوششوں سے شہر کے شعراء کا کلام شہر سے باہر پہنچایا۔ اردو ادب میں ادبِ اطفال کی کمی تو پہلے ہی سے رہی ہے۔ اس ادارے کی کوششوں سے اس کمی کو دور کرنے کی کوششیں بھی ہوئی نسیم منان بھی بذاتِ خود ایک بہترین بچوں کے شاعر تھے۔ اس مقالے کے باب سوم میں ان کی کتاب ”سریلے گیت“ پر نقد و تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے دو اور مجموعہ کلان ہنستے گیت اور سریلے گیت بھی شائع ہوئے ہیں۔ ان کے اسی ادبِ اطفال کے مجموعہ کلام کو مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کا ادارہ بھی ملا۔ ادارے کی ان سرگرمیوں کے متعلق نسیم منان صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک اقتباس یہاں قلمبند کیا جاتا ہے۔

”اس بزم نے اشاعت کے طرف خاص توجہ دی۔ قلم کاروں کی تخلیقات کو مختلف اخباروں، رسائل میں شائع کروانا اس کا خاص مقصد تھا۔ ممبئی کے روزنامہ ”ہندوستان“ میں ہر بدھ کو ”کھلتی کلیاں“ نام کا بچوں کا صفحہ شائع ہوتا ہے۔ اس صفحے میں بزمِ انجم کے بہت سے قلم کار و جگہ پاتے تھے۔ اور ایک مرتبہ تو اس اخبار نے ”بزمِ انجم نمبر“ شائع کیا تھا۔ جس میں تمام تخلیقات صرف ”بزمِ انجم“ کے قلم کاروں کی تھیں۔“

۲۱

اس ادارے کے اراکین میں نثار احمد نثار، عبدالغنی گھڑو بھائی، عبداللطیف شمیم، عبدالرحیم مہک وغیرہ شامل تھے۔ عبدالغنی کمپلی استاد کے انتقال کے بعد تجل حسین تمنا جو ایک شاعر اور ڈرامہ نگار ہیں اور فی الحال گلف میں مدرس ہیں، اس ادارے کے صدر منتخب ہوئے۔ سکریٹری منان صاحب ہی تھے۔ اس مرتبہ اس کا دفتر شکر پیٹھ سے منتقل ہو کر لشکر میں قائم ہوا۔ اس وقت میں ”نوکِ سوزاں“ کے خالق الیاس احمد الیاس، عزیز الوہات، ”متاعِ سخن“ کے خالق حبیب شوق، ”بال و پر“ کے خالق محمد حنیف بے چین، ”سورج کی دستار“ کے شاعر حکیم شولا پوری، ”غالبِ خستہ کے بغیر“ کے خالق ایڈوکیٹ عبدالرشید جنواڑ کر اور

عبدالحمید عدم وغیرہ اراکین شامل ہوئے۔

### ☆ ماہانہ نشستوں کا انعقاد:

ادارے میں ہر مہینے پابندی سے مقامی شعراء کی نشستیں منعقد ہوتی تھیں۔ ان نشستوں کی خاصیت یہ تھی کہ اس میں شعراء ایک دوسرے کے کلام پر بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے۔ اس میں شعروں پر تنقیدی رائیں دی جاتی تھیں۔ جس کی وجہ سے فنِ شاعری کے روموز عیاں ہوتے تھے۔ ان نشستوں سے مستفید ہونے کا ذکر عبدالرشید جنواڑ کر کے مجموعہ کلام ”غالب خستہ کے بغیر“ میں بھی ملتا ہے۔ اس کتاب کا ”پیش لفظ“ ڈاکٹر امانت (ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی) سابق صدر شعبہ اردو فارسی و اڈیا کالج اور پونہ یونیورسٹی نے لکھا ہے۔ اس کے دواہم اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ”یوں تو شعر و شاعری کا آغاز آپ نے بچوں کی نظموں سے کیا جو

بمبئی سے نکلنے والے اردو روزنامہ ”ہندوستان“ کے مستقل فیچر ”کھلتی کلیاں“

میں شائع ہوتی رہیں۔“ ۲۲

(۲) اساتذہ فن میں جن سے آپ نے استفادہ کیا، عبدالمنان نسیم اور خجل

حسین تمنا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دونوں کا شمار شولا پور کے مسند اور ممتاز

اساتذہ سخن میں ہوتا ہے۔“ ۲۳

### ☆ اردو ٹیچرس فیڈریشن شولا پور (۱۹۷۰ء):

یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس کی بنیاد شولا پور کے کارپوریشن کی اردو پرائمری میں پڑھانے والے اساتذہ نے مل کر ڈالی تھی۔ یہ شولا پور کے علمی و ادبی ماحول ہی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۷۰ء میں اساتذہ کو یہ محسوس ہوا کہ اردو کی ترقی و ترویج کے لیے ہمیں بھی کوشش کرنا چاہیے۔ تو انھوں نے اردو اساتذہ کے معیار کو بڑھانے اور اردو ذریعہ تعلیم کے معیار کو بڑھانے کی غرض سے ”اردو ٹیچرس فیڈریشن“ کی بنیاد ڈالی۔ اس ادارے کے زیر اہتمام درس و تدریس کے موضوعات پر سیمینار بھی ہوتے اور ادبی موضوعات پر بھی۔ اس ادارے نے اردو ادب کا کافی قد اور شخصیتوں کو ان سیمینار میں مدعو کیا اور ان سے استفادہ کیا ان میں ظ۔ انصاری کا نام سرفہرست ہے۔ ظ۔ انصاری کی شولا پور آمد کے چرچے آج بھی شولا پور میں ہوتے ہیں۔ اس ادارے کی طرف سے ایک سالانہ سینیئر بھی نکلتا تھا جس کا نام ”جوہر“ تھا۔ اس میں اس کے ممبران کی تخلیقات شائع ہوتی تھیں۔ راقم الحروف کے پس ۱۹۸۴ء اور ۱۹۹۷ء کے جوہر کی کاپیاں موجود ہیں۔ یہ مجلے راقم کو عبدالغفار سے حاصل ہوئے۔ جو ۱۹۸۴ء میں ادارے کے صدر تھے۔

اس ادارے کے پہلے صدر رحیم بخش رنگریز فراق اور سکریٹری جناب شبیر ٹیل تھے۔ یہ ادارہ رجسٹرڈ ہے۔ اس لیے ساری امور قانونی طور پر کیے جاتے ہیں۔ ادارے کے مختلف کاموں کے متعلق نسیم صاحب نے لکھا ہے۔

”ہر سال تعلیمی سمینار منعقد کر کے تعلیم کے ماہرین کو دعوت دے کر ان کی رہبری حاصل کی جاتی ہے۔ نمونے کے اسباق لیے جاتے ہیں۔ مذاکرے ہوتے ہیں۔ ثقافتی پروگرام رکھے جاتے ہیں۔ اساتذہ کی مالی امداد بھی کی جاتی ہے۔ سبکدوش مدرسوں کی گلیوشی اور نذرانے کے پروگرام ہوتے ہیں۔“ ۲۳

اس ادارے کی بدولت شولا پور کے عملی و ادبی حلقے میں ایک خوشگوار ماحول پیدا ہوا۔ ان کی ان سرگرمیوں کی وجہ سے اردو زبان و ادب کو کافی حد تک فروغ حاصل ہوا۔ اساتذہ کے فعال ہونے کی وجہ سے شولا پور کی عوام میں بھی خوشی کی لہر دوڑی، اور اردو مدارس کے تئیں کار حجان مثبت ہوتا گیا۔ گو کہ اس کی سرگرمیاں ماند پڑ گئی ہیں۔ پھر بھی یہ ادارہ پچھلے چھتیس (۳۶) سالوں سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔

#### ☆ کاروان ادب (۱۹۸۱ء):

”بزمِ انجم“ کے بند ہونے کے بعد ”کاروان ادب“ کی بنیاد ڈالی گئی۔ ۲۵ شولا پور کی ادبی تاریخ میں یہیں سے تحریری دستاویزات ملتے ہیں۔ اس ادارے نے باقاعدہ اشاعتی پروگرام شروع کیا تھا۔ چنانچہ ادارے کے متعلق ادارے ہی کے ذمہ داروں نے اپنی مطبوعات میں کچھ کچھ تاریخ اور ادارے کے مقاصد تحریر کیے ہیں۔ اس سے پہلے کے اداروں کی معلومات یا تاریخ ہمیں شہر کے مختلف مقامی محققوں کی تحریروں سے ملتی ہے۔ اس ادارے سے اب تک تین مطبوعات شائع ہوئیں۔ جنہیں کتابچے ہی کہا جاسکتا ہے۔ تیسرے کتابچہ ”کہکشاں“ میں اس کی تاریخ اور چند مقاصد کا بیان ملتا ہے۔ یہ ایک طرحی مشاعرے میں شامل شعراء کے کلام کا مجموعہ ہے جو ۲۶، مارچ ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر تین (۳) پر ”کاروان ادب شولا پور کی خدمات“ کے عنوان سے پروفیسر عبدالرزاق رند صاحب خالق ”بارود کے پھول“ لکھتے ہیں۔

”۱۹۸۱ء میں کاروان ادب کی بنیاد رکھی گئی۔ پہلے صدر کے طور پر جناب عبدالرزاق نظر صاحب کا انتخاب ہوا جو بد قسمتی سے اب اس دنیا میں نہیں ہوا۔ ان کے بعد پروفیسر عبدالرزاق رند بعد ازاں پروفیسر نسیم منان ان کے بعد پھر پروفیسر عبدالرزاق رند اور آج جناب عبدالحمید محبت ادارے کے صدر بنائے گئے ہیں۔“ ۲۶

اس ادارے نے ۱۹۸۸ء میں اپنا پہلا کتابچہ ”کاروانِ ادب“ کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس میں اس ادارے کے مجلس انتظامیہ کے مدرجہ ذیل نام درج ہیں۔ راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے میں یہ کتابچہ موجود ہے۔ اس کتابچہ کے سرورق پشت پر ”کاروانِ ادب شہر شولا پور، عہدہ داران و اراکین مجلس عاملہ“ کے عنوان کے تحت یہ نام درج ہے۔ جناب نسیم منان (صدر) محبوب جاتی (نائب صدر) میر افضل (معمد عمومی) محمد حنیف بے چین (نائب معمد) راج احمد کنول (خازن) رفیق نواز (محاسب)۔ اس کے بعد اراکین کے ضمنی عنوان کے تحت ان حضرات کے نام تحریر ہیں۔ عبدالرزاق رند، الیاس احمد الیس، عزیز لوہاب عزیز، عبدالقادر ساغر، عبدالرزاق نظر، عبداللطیف لطیف، حبیب احمد شوق، عزیز احمد عزیز، عبدالحمید محبت، محمد حنیف درویش، پروفیسر عبدالجلیل شیخ، اس ادارے کی خاصیت یہ رہی ہے کہ اس ادارے نے کوئی کل ہند مشاعرہ منعقد نہیں کیا۔ یہ ادارہ مقامی شعراء اور ان کی تخلیقات کو اہمیت دیتا ہے ایک دوسری وجہ فنڈ کی کمی ہو سکتی ہے۔ ادارے کے اشاعتی پروگرام میں فنڈ کی کمی کی وجہ سے جو خلل اندازی ہوئی ہے اس کا اعتراف جناب رند صاحب نے ”کہکشاں“ میں کیا بھی ہے۔ خیر جو بھی ہو مقامی شعراء کے متعلق ان کے خیالات یقیناً قابلِ داد و تحسین ہیں۔ ادارے نے تین مختلف کتابچے شائع کر کے یہ ثابت بھی کیا ہے۔ کیوں کہ ان تینوں کتابچوں میں مقامی نثر نگاری اور مقامی شعراء ہی کی تخلیقات کو جگہ ملی ہے۔

#### ☆ طرحی مشاعرے کی نئی روایت:

قدیم زمانے سے اردو میں طرحی مشاعرے ہوتے آرہے ہیں۔ اس کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ کسی استاد شاعر کی غزل کا ایک مصرعہ بطور طرح دیا جاتا ہے۔ مدعو شعراء اس کی زمین میں اپنی غزلیں لکھتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ تجربہ کیا گیا کہ ہر شاعر کو الگ الگ شعراء کے الگ الگ زمین میں علاحدہ علاحدہ مصرعے دینے کی روایت ڈالی گئی۔ اس قسم کے مشاعرے اپنی نوعیت کے پہلے مشاعرے تھے۔ مقامی سطح پر یہ مشاعرے کامیاب بھی ہوئے۔

#### ☆ ادارے کی مطبوعات:

بقول عبدالرزاق رند اس ادارے نے اب تک تین کتابچے شائع کیے ہیں۔ ان میں سے دو راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے میں موجود تھے۔ تیسرا کتابچہ دستیاب نہ تھا۔ راقم الحروف کی بے حد کوششوں کے بعد جناب عبدالرزاق رند سے یہ کتابچہ حاصل ہوا۔ راقم ان کا بے حد ممنون ہے۔ ادارے کی علمی و ادبی خدمات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

#### (۱) کاروانِ ادب: (۱۹۸۸ء)

یہ کتابچہ ۱۹۸۸ء میں شائع کیا گیا تھا۔ اس وقت ادارے کے صدر نسیم منان تھے۔ یہ کتابچہ بقول نسیم منان۔

”زیر نظر گلدستہ کلام خطیب الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد میں تحفہ“



عقیدت ہے۔“ ۲۷

اس کتاب کو کاروانِ ادب (اول) کہنا چاہیے کیوں ادارے نے دوسرا کتابچہ بھی اسی عنوان سے شائع کیا ہے۔ کتاب کی ابتداء میں مولانا آزاد کے متعلق تین مختلف عنوانات پر مضامین لکھے گئے ہیں۔ پہلا مضمون بعنوان ”مولانا آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت“ پروفیسر ایم۔ اے۔ رنگریزی خلیل شولا پور دوسرا مضمون ”مولانا آزاد تحریک آزادی اور قومی یکجہتی“ پرنسپل عبد الرزاق رند شولا پور اور تیسرا مضمون بعنوان مولانا آزاد ایک بیباک و بے مثال صحافی پروفیسر شیخ عبد الجلیل محی الدین صاحب لکچرار اردو الیس۔ اے۔ آرٹس اینڈ کامرس کالج شولا پور درج ہیں۔ اس کے بعد ۳۱ (اکتیس) شعراء کا ایک ایک کلام اس میں شائع کیا گیا ہے۔ ان میں ہر شاعر کی تاریخ ولادت اور دو تین جملوں میں ان کا ادبی تعارف دیا گیا ہے۔ کلام کی درجہ بندی تاریخ ولادت کے حساب سے بتدریج کی گئی ہے۔ پہلے بزرگ شاعر قدیر شولا پوری ۴، ستمبر ۱۹۱۶ء سے شروع کر کے آخری شاعر میر افضل میر ۱۹ نومبر ۱۹۶۱ء تک شعراء کی غزلیں درج ہیں۔ ایک آدھ شاعر کو چھوڑ کر باقی سبھی شعراء کی تاریخ ولادت محفوظ ہو گئی۔ اس کی وجہ سے تاریخ ادب شولا پور کے مطالعے اور تحقیق میں آسانی ہوتی ہے۔ ان میں سے بہت سے شعراء کا انتقال ہوا ہے۔ لیکن اس مجموعے میں ان کے کلام کی شمولیت کی بنا پر ان کا کلام محفوظ ہو گیا۔ مستقبل میں کوئی اور طالب علم اگر شولا پور کی نئے سرے سے تاریخ ادب مرتب کرتا ہے تو اسے اس کتاب سے کافی مفید حوالے ملیں گے۔ گو کہ یہ کاروانِ ادب کی ایک چھوٹی اشاعت ہے لیکن شولا پور کی ادبی تاریخ میں اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

☆ کاروانِ ادب: (۱۹۹۹ء)

اس کتاب کا ”کاروانِ ادب دوم“ کہا جائے گا۔ کیونکہ اسی عنوان سے پہلی کتاب بھی شائع ہوئی جیسا ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۰ء یعنی پہلی کتاب کے دو سال بعد شائع ہوئی۔ اس کتابچے میں مورخہ ۲۷، مارچ بروز منگل ۱۹۹۰ء کی طرح مشاعرے کی روداد ہے۔ اس مشاعرے کی صدارت ”بال و پر“ کے خالق جناب محمد حنیف بے چین نے کی اور نظامت عبد الرزاق رند نے کی۔ اس کے مرتب میر افضل میر ہیں جو اس ادارے کے سکریٹری ہیں۔ کتاب کے سرورق پر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر

لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

یہ شعرا دو کے مشہور شاعر محترم مجروح سلطان پوری کا ہے۔ اس شعر کا استعمال ان کی دونوں کتابوں کے سرورق میں کیا گیا۔ پہلی کتاب پر لکھنے کے بعد مجروح صاحب کو اس کی اطلاع دی گئی تو انھوں نے جواب میں ایک خط لکھ کر شکریہ ادا کیا

اور ”کاروانِ ادب“ کی خدمات کو سراہتے ہوئے اپنی نیک خواہشات سے بھی نوازا۔ کتاب کی ابتدائی صفحات (نمبر ۴- اور ۵) پر یہ خط جوں کا توں شائع کیا گیا ہے۔

پہلی کتاب ادارے نے مولانا ابوالکلام آزاد کی نذر کیا ہے۔ مجروح صاحب نے اس کام کی جن الفاظ میں پذیرائی کی دہانہی کا خاصہ ہے ملاحظہ فرمائیں۔

”مولانا آزاد کی ذاتِ گرامی پر رائے زنی تو کوئی نہیں جیسا کر سکتا ہے، ہم تو

صرف سر جھکا سکتے ہیں۔“ ۲۸

کتابچے کی ابتداء میں مجروح کی خط سے پہلے ”سفرِ کاروانِ ادب“ کے عنوان سے ادارے کے صدر نسیم منان صاحب شولا پوری کی تحریر ہے اس میں انھوں نے ادارے کا تعارف کیا ہے۔ چوں کہ یہ ایک طرحی مشاعرہ تھا اس لیے انھوں نے مشعرے کی طرح بھی لکھی ہے جو یہ ہے۔

ع۔ درد سے معمور ہوتی جا رہی ہے کائنات ۲۹

کتابچے میں تو شعراء کی مشاعرے میں پڑھی گئی طرحی غزلیں ہیں۔ آخر میں صدر جلسہ کی غزل ہے۔ جن شعراء کی غزلیں اس میں شامل ہیں ان کے نام اس طرح ہیں۔ عزیز الوہاب عزیز، محمد رفیع نواز، میر افضل میر محمد حنیف بے چین، احمد شوق، الیاس احمد الیاس، مجاہد قسیمی، عبدالرزاق رند، محمد حنیف درویش اس کتاب کی بھی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

☆ کہکشاں:

کاروانِ ادب کی یہ تیسری اشاعت ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ کاروانِ ادب نے مختلف شعراء کو جدا جدا طرحی مصرعے دے کر ایک انوکھے طرحی مشاعرے کی بنیاد ڈالی تھی۔ مورخہ ۲۶، مارچ ۲۰۰۶ء کو بھی ایسا ہی ایک یادگار طرحی مشاعرہ ہوا تھا جس میں پندرہ (۱۵) مقامی شعراء نے شرکت کی تھی۔ ”کہکشاں“ میں ان ہی غزلوں کو شائع کیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں ہر مشاعرے نے نام کے نیچے اس کا طرحی مصرعہ دیا گیا ہے۔ اسی کے نیچے اس شاعر کی کہی گئی غزل درج ہے۔ اس مشاعرے کی ایک اور خاصیت یہ ہے کہ اس میں اردو کے قومی و وطنی شاعر پنڈت برج نارائن چکبست کے کلام سے ہی تمام مصرعے منتخب کیے گئے ہیں۔ یہ فرائض پروفیسر عبدالرزاق رند صاحب نے انجام دیے۔ مجموعے کی ابتداء میں رند صاحب ”پنڈت برج نارائن چکبست“ عنوان سے ایک مختصر مضمون بھی تحریر کیا ہے جس میں ان کی شاعرانہ خوبیوں اور ان کے فن کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس مضمون میں ان کا مختصر سوانحی خاکہ اور ان کی شعری و نثری تصانیف کے نام بھی لکھے گئے ہیں۔ یہاں اس مشاعرے میں شریک پندرہ شعراء کے نام اور ان کے طرحی مصرعے درج کیے جاتے ہیں۔ جو بالترتیب اس طرح ہیں۔

- (۱) الیاس احمد الیاس (صدر مشاعرہ)۔ طرح: پاؤں پھیلا کر جو بیٹھا، ہاتھ پھیلاتا نہیں۔
  - (۲) پروفیسر عبدالرزاق رند۔ طرح: ادھر خون جگر ہو کر، دھر رنگِ فغاں ہو کر۔
  - (۳) محبت شولا پوری (صدر کاروانِ ادب)۔ طرح: جس کی شباب میں بھی طبیعت جواں نہیں۔
  - (۴) محبوب جاتی (جزل سکرٹری کاروانِ ادب) طرح: (مصرعہ درج نہیں ہے)۔
  - (۵) عزیز الوہاب عزیز (ناظم مشاعرہ)۔ طرح: وہی کفر و دیں میں خراب ہے جسے علمِ راز جہاں نہیں۔
  - (۶) سید بشیر احمد بشیر۔ طرح: ماتم احباب ہے تعلیم روحانی مجھے۔
  - (۷) آرزو راجستھانی (مقیم شولا پور)۔ طرح: جنس رہے ہیں خود بخود تارِ گریباں دیکھ کر۔
  - (۸) الحاج میر افضل فیر۔ طرح: دل حسرت طلب کو اپنی ہستی سے گلا ہوتا۔
  - (۹) نور احمد نور سگری۔ طرح: تلووں میں آبلے جو نہیں لطفِ خار کیا۔
  - (۱۰) عزیز احمد عزیز۔ طرح: مزہ سوز محبت کا بھی کچھ اے بے خبر جانا۔
  - (۱۱) حضرت بابا صوفی علاء الدین صاحب۔ طرح: کہ گھر ویران کر کے ہم تجھے آباد کرتے ہیں۔
  - (۱۲) عبدالوہاب جمیل۔ طرح: قفس میں کہہ گیا کوئی بہار آئی ہے گلشن میں۔
  - (۱۳) حبیب احمد شوق ہمنابادی۔ طرح: وسیلے ہاتھ ہی آئے نہ قسمت آزمائی کے۔
  - (۱۴) حضرت عبدالجبار آبرو۔ طرح: صدائے چارہ گر برہم نہ کر دے یہ سماں میرا۔
  - (۱۵) شفیع الدین شفیق (شطاری)۔ طرح: الہی ایسی ہستی سے تو اچھا تھا عدم میرا۔
- اس کتابچے کی ترتیب و تعارف پروفیسر عبدالرزاق رند کی ہے۔ اور اس کے ناشر عبد الحمید محبت صدر کاروانِ ادب شولا پور ہیں۔ کتاب کے اختتام پر محبت صاحب نے مشاعرے میں شریک شعراء اور ترتیب و تعارف کرنے کے لیے عبد الرزاق رند کا تحریری شکریہ نامہ درج کیا ہے۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی (۱۹۸۸ء):

یہ ادارہ ۱۹۸۸ء میں قائم کیا گیا۔ شہر کے چند با حوصلہ نوجوانوں نے مل کر اس کی بنیاد ڈالی۔ یہ ادارہ رجسٹرڈ ادارہ تھا۔ اس کا آفس ۴۱۶، بیگم پیٹھ شولا پور میں تھا۔ یہ ایک منظم اور متحرک ادارہ تھا۔ اس کے صدر ابراہیم عبدالقادر شیخ تھے۔ نائب صدر جاوید شیخ، سیکرٹری عبدالعزیز چندر کی، خازن نذیر شیخ، آڈیٹر سلیم چندر کی تھے۔ میر افضل میر، ناصر شیخ، سکندر گول انداز، الیاس شیخ، غفار علی خطیب، اشفاق جمعدار، شکیل شیخ، اختر ناگوری، ریاض منڈے واڑی اور اشفاق منڈیواڑی اس کے اراکین تھے۔

ان تمام کے نام ۹، مارچ ۱۹۹۱ء کے شائع کردہ ادارے سوینئر بعنوان جشنِ قدیر شولا پوری رسمِ اجراء ہوئے پیراہن میں مع تصاویر درج ہے۔ یہ مجلہ دائیں طرف سے اردو اور بائیں طرف سے مقامی زبان مراٹھی میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے اندروانی صفحات میں اول صفحے پر صدرِ ادارہ نے ”حروفِ آغاز“ کے عنوان سے ادارے کا مختصر تعارف لکھے ہیں۔ جس کے مطالعے سے ادارے کے اغراض و مقاصد اور اس کے کارناموں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ ادارہ ادبی اور سماجی ادارہ تھا۔ صدرِ ادارہ ہی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

”مولانا ابولا کلام آزد سوسائٹی شولا پور، دراصل یہ ادارہ نہیں بلکہ ایک تحریک ہے۔ ایسے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی جن کے عزائم بلند ہیں جو عام روش سے ذرا ہٹ کر قوم و ملت کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سماجی، تعلیمی، معاشی اور ثقافتی میدان میں اپنے بے لوث خدمات پیش کرنے کی غرض سے یہ ادارہ چل پڑا ہے۔“ ۳۰

اس ادارے نے کئی سماجی، تعلیمی اور ادبی سرگرمیاں انجام دی ہیں۔ اس کی تفصیلات ذیل میں درج ہیں۔

#### ☆ سماجی خدمات:

اس ادارے نے ایک امدادِ باہمی ادارہ بھی قائم کیا تھا۔ جس کا مقصد شولا پور کی عوام کو مالی مدد کرنا تھا۔ دو سال تک اس ادارے نے شولا پور سے حج بیت اللہ کو جانے والے حجاج کرام کی گلوشتی اور دعوتِ طعام کا بھی انتظام کیا تھا۔ ۳۱

#### ☆ تعلیمی خدمات:

نسیم منان صاحب نے ان کی تعلیمی خدمات کے متعلق اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ:

”اردو ذریعہ۔ ایس۔ ایس۔ سی۔ کے طلباء و طالبات جو ۷۵ فیصد سے زیادہ نمبرات لے کر کامیاب ہوتے تھے۔ ان کو انعامات تقسیم کرنے کا سلسلہ اس سوسائٹی کے ذریعہ شروع ہوا۔“ ۳۲

آگے لکھتے ہیں۔

”اردو ذریعہ تعلیم کے ہونہار اور نادر طلباء و طالبات کو اسبابِ تعلیم یونی فارم

اور اس کا لرشپ، فیس بھرنے کا کام بھی یہ سوسائٹی انجام دیتی رہی۔“ ۳۳

دونوں اقتباسات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس ادارے نے تعلیمی میدان میں مسلم طلبہ اور خصوصاً اردو میڈیم میں پڑھنے والے بچوں کے تعلیمی مسائل کو حل کرنے کی عملاً کوشش کی۔

### ☆ ادبی خدمات (اشاعت پروگرام)

اردو شہان و ادب کی ترقی و ترویج بھی اس ادارے کا مقصد خاص تھا۔ اس شعبے میں بھی ادارے کی کوششیں قابلِ تعریف رہی ہیں۔ اس ادارے کی طرف سے شولا پور کے قد آور شاعر جناب قدیر شولا پور کا مجموعہ کلام ”بوائے پیراہن“ مارچ ۱۹۹۱ء میں شائع کیا گیا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۹۱ء ہی میں ”جشنِ قدیر شولا پوری رسمِ اجراء بوائے پیراہن“ کے نام سے ادارے نے مجلہ بھی شائع کیا۔ جس میں شہر کی قد آور شخصیتوں نے حضرت قدیر کے فن اور شخصیت پر مختلف عنوانات کے تحت تحقیقی مضامین لکھے ہیں۔ دوسرے شاعر جناب عمر سلیمان باور کا مجموعہ کلام ”لہو ترنگ“ ۱۹۹۲ء میں شائع کیا۔

### ☆ اخبار آئینہ ایام:

ویسے شولا پور کی سرزمین صحافت کے لیے بنجر ثابت ہوئی ہے۔ یہاں پابندی سے کوئی اخبار چل نہیں سکا۔ ”آئینہ ایام“ کے نام سے یہاں ایک ہفت روزہ اخبار نکلتا تھا۔ جناب بختیار سنگسار کی ادارت میں۔ کسی وجہ سے یہ اخبار بند ہوا تو اسی ادارے کے مالی تعاون سے اخبار تقریباً دو سال چلتا رہا ادارے کے بند ہونے کے بعد اخبار بھی بند ہو گیا۔ گوکہ یہ ادارہ ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۲ء تک چار سال کام کرتا رہا لیکن اس قلیل مدت میں بھی اس نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ بقول منان صاحب یہی ادارہ ”اصلاحی و فلاحی تنظیم“ کی شکل میں ابھرا۔ لیکن اس کے عہدیدار بدل گئے۔

### ☆ بزمِ غالب شولا پور (۱۹۹۱ء):

یہ ادارہ فی الحال سب سے زیادہ متحرک اور فعال ہے۔ ویسے اس ادارے کی ابتداء ”غالب کلب“ سے ہوئی ہے۔ اس مقالے کے اسی باب میں ہم نے اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ موجودہ ”بزمِ غالب“ ۱۹۶۵ء کا قائم کردہ ادارہ ”غالب کلب“ کی از سر نو تعمیر یا احیاء ہے۔ اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی تاریخ فی زمانہ چوالیس (۴۴) سال پر مشتمل ہے۔ درمیان میں بقول بشیر پرواز ۱۹۷۵ء سے ۱۹۹۰ء تک ادارے کا وجود برائے نام تھا اس کلب کی سرگرمیوں میں خاموشی چھائی رہی اور ۱۹۹۱ء میں اس کو باقاعدہ رجسٹر کیا گیا جس کی وجہ سے اس کو قانونی حیثیت حاصل ہوئی۔ اس ادارے کے موجودہ صدر بشیر پرواز ہیں۔ جب ادارہ رجسٹر ہوا تو اس کے صدر جناب شہاب الدین چٹاپورے تھے۔ ۲۰۰۳ء تک انہی کی صدارت میں ادارے کی سرگرمیاں ہوتی رہیں۔ ۲۰۰۴ء سے یہ ادارہ بشیر پرواز کی صدارت میں سرگرم عمل ہے۔ آج یہ ادارہ بادشاہ پیتھ میں مہانگر پالیکا کی عمارت میں واقع ہے۔ بزم نے یہ عمارت ۹۹ سال کے قرار پر (لیز) پر مہانگر پالیکا سے حاصل کی ہے۔ اس میں دو اور شعبہ ہیں۔ ایک ”مرزا غالب لائبریری“ اور دوسرا ”غالب امداد باہمی“ یہ دونوں بھی باقاعدہ ادارے ہیں۔ اس کی تفصیلات ذیل میں درج کی جائیں گی۔ فی الحال پرواز صاحب کی اس ادارے کے متعلق لکھی گئی تاریخ کے چند سطور یہاں رقم کرتے ہیں جن

کے مطالعے سے ہمیں ادارے کے متعلق مستند معلومات ملے گی۔ یہ تاریخ پرواز صاحب نے بزم کی جانب سے شائع شدہ مجلہ میں لکھی ہے۔ جو ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا تھا۔ دراصل یہ ایک ادارہ ہے جس کا عنوان موصوف نے ”بزم غالب شولا پور کا سفر حیات“ رکھا ہے۔ اس میں ادارے کی تاریخ اور مقاصد درج ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”۱۹۹۰ء کے بعد بزم غالب کا نشاۃ الثانیہ ہوا۔ ۱۹۹۱ء میں اس ادارے کو

رجسٹر کیا گیا۔ سابق ایم۔ ایل۔ اے اور شہر شولا پور کے بزرگ رہنما الحاج

یونس شیخ نے اپنے ایم۔ ایل۔ اے فنڈ سے ۵ لاکھ کی عمارت تعمیر کروا کے

میونسپل کارپوریشن کے ذریعے بزم غالب کو دلوا یا۔ موصوف کی یہ سرپرستی

ادارے کی ترقی میں بڑی معاون ثابت ہوئی۔ ۳۴

۲۰۰۴ء میں جو نئی مجلس انتظامیہ تشکیل پائی ان کے نام اس طرح ہیں۔ بشیر پرواز (صدر) آرزو راجستھانی (نائب صدر) انور کمشنر (نائب صدر)، بخشی سر (سکریٹری)، محمد شفیع کیپٹن (جوائنٹ سکریٹری)، عبد الوہاب لنجے (خازن)۔ ان کے علاوہ بیس (۲۰) افراد پر مشتمل معاون مجلس انتظامیہ تشکیلی دی گئی ان میں محبوب گدوال، ایڈوکیٹ عبد الرشید جنواڑ کر، محمد نذیر نلا مندو، عبد الغفار شیخ، عبد الحمید پٹوگیر، شہاب الدین چتا پورے، پیر احمد کلیانی، مولاعلی کاپلی، ظہیر الدین جاگیر دار، سید ظہیر احمد داؤد صاحب بانگی، سراج احمد سراج، ہارون رشید باغبان سید محبوب، پروفیسر محمد شیخ چوہدر (راقم الحروف) محمد رفیع شیخ، نظام الدین چتا پورے، عبد الشکور شعور، شیخ شکیل احمد اللہ بخش، شیخ وسیم شامل ہیں۔ اس معاون مجلس انتظامیہ کا بزم غالب کو کافی فائدہ حاصل ہوا۔ اس میں چوں کہ نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے ”بزم غالب“ کی سرگرمیاں پہلے کے مقابلے میں پانچ گنا بڑھ گئیں۔ اسی سال سے یہاں الگ الگ سرگرمیوں کے لیے علاحدہ علاحدہ کنوینیر بنائے گئے۔ ”کنوینر کمپنیشن“ اور ”بیت بازی“ کے لیے کنوینیر ہارون رشید باغبان مقرر ہوئے۔ ”آئیکلڈیوٹیسٹ“ کے لیے سید محبوب سر منتخب ہوئے۔ ”ڈرامہ“ کی سرگرمیوں کے لیے راقم الحروف کا انتخاب عمل میں آیا۔ یوم اردو کے موقع پر شولا پور کے تمام اردو ذریعہ تعلیم کی ”ریلی“ نکالنے کے لیے شفیع کیپٹن کو نامزد کیا گیا۔ آل انڈیا مشاعروں کے انعقاد کی ذمہ داری سراج احمد سراج کو دی گئی۔ سالانہ تقسیم انعامات کے کنوینر بزم کے سکریٹری بخشی سر بنائے گئے۔

بزم غالب کی سرگرمیوں کی درجہ بندی اس طرح کی جاسکتی ہے۔

(۱) تعلیمی سرگرمیاں (۲) سماجی سرگرمیاں (۳) ادبی سرگرمیاں (۴) اشاعتی پروگرام

(۵) ڈرامہ کی سرگرمیاں وغیرہ ہر ایک کی ذیل میں مختلف قسم کی سرگرمیاں کی جاتی ہیں۔ یہاں ہر ایک کی مختصر معلومات

درج کی جاتی ہے۔

☆ تعلیمی سرگرمیاں:

شولا پور کے اردو مدارس میں تحریک پیدا کرنے، طلبہ و اساتذہ کے معیار کو بلند کرنے کے لیے بزم کی جانب سے شہر کے تمام اردو مدارس کے درمیان مختلف مقابلے لیے جاتے ہیں۔ طلبہ کے لیے بہترین دلکش اور دیدہ زیب انعامات دیے جاتے ہیں۔ ان میں ”بین المدارس کونز کا مپٹیشن“، ”بیت بازی“، ”آج کی ٹیوٹسٹ“، ”مضمون نویسی“ اور ”کتابت و خوشخطی“ وغیرہ کے مقابلے لیے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم ہے جلسہ تقسیم اسناد۔

☆ جلسہ تقسیم اسناد:

یہ بزم کا بہت بڑا پروگرام ہے۔ جو شولا پور کے سب سے بڑے ثقافتی مرکز ”ہتاسمرتی مندر“ میں لیا جاتا ہے۔ اس ہال میں ایک ہزار ناظرین بیٹھنے کا انتظام ہے۔ اس عالی شان حال میں اردو ذریعہ تعلیم سے ایس۔ ایس۔ سی، ایچ۔ ایس۔ سی، بی۔ اے، بی۔ کام۔ ایم۔ اے۔ اور دیگر کورسیس میں اردو کے طلبہ کی ہمت افزائی کے لیے یہ سرگرمی کی جاتی ہے۔ اس میں شولا پور کی عوام بڑے پیمانے پر شریک ہوتے ہیں اور قوم کے نو نہالوں کی ہمت افزائی کے سرگرمی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور بچوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ شہر کے ہونہار طلبہ و طالبات کو اس پروگرام کا بڑی بے صبری سے انتظار ہوتا ہے۔ اس پروگرام پر نہ صرف بزم غالب بلکہ شولا پور کی عوام کو بھی ناز ہے۔ عوام کے صاحبِ حیثیت لوگ اپنے مرحومین کے نام پر مختلف قسم کے ایوارڈ دیتے ہیں۔ اور دیگر صاحب اسعاد حضرات مالی عطیہ دیتے ہیں۔ اس سرگرمی پر تقریباً پچیس (۲۵) سے تیس (۳۰) ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں۔

☆ سماجی خدمات:

”بزم غالب شولا پور“ عوامی فلاح و بہبودی کے کاموں میں بھی پیش پیش ہے۔ اس محکمے کے ذریعے بزم میں ”مرزا غالب امداد باہمی“ نامی بلا سودی ادارہ چلایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ”فری میڈیکل کمپ“ اور ”سینٹرل ریلیف کمیٹی“ جیسی سرگرمیاں کی گئی ہیں۔

☆ مرزا غالب امداد باہمی:

شولا پور کی عوام کی معاشی و اقتصادی حالت کو سدھارنے کی غرض سے یہاں بزم کے رجسٹر ہونے کے ساتھ ساتھ ۱۹۹۱ء میں امداد باہمی کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہ ایک علاحدہ ادارہ ہے۔ اس کے بانی صدر بشیر پرواز تھے۔ پیر احمد کلیانی صاحب اس کے سکریٹری تھے۔ دیگر اراکین میں نظیر نلامندو، شہاب الدین چتا پورے، عبدالوہاب لنگے (وہاب جمیل)، محبوب گدوال،

مولاعلیٰ لوکا پٹی وغیرہ تھے۔ ۲۰۰۵ء میں شہاب الدین چٹاپورے اور پیر احمد کلیانی کے استعفیٰ کے بعد راقم الحروف کے ساتھ ساتھ سید محبوب شیخ کو بھی اس میں شامل کیا گیا۔ ۲۰۰۷ء میں دو اور ممبران ہارون رشید باغبان اور محمد شفیع کیپٹن کو اس میں شامل کیا گیا۔

اس ادارے میں فی الحال تین سو (۳۰۰) ممبران ہیں۔ یہ ممبران ہر مہینے ۱۰۰ روپے اپنے نام پر جمع کرتے ہیں۔ ان کے طے شدہ رقم جمع ہونے پر ان کی چالیس فیصد رقم پر ۱۰۰ فی صدی بغیر سود کے قرض دیا جاتا ہے۔ ممبر متعین مدت میں یہ رقم چھوٹی چھوٹی قسطوں میں ادا کرتے ہیں قرض کی ادائیگی کے بعد پھر قرض لیتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ فی الحال فی ممبر بیس ہزار روپیے تک کا کل سودی قرض اس ادارے کی طرف سے اس کے ممبران کو دیا جاتا ہے۔ اسی سہولت کی وجہ سے تین سو ممبران کو مالی مدد ملتی ہے۔ یہ ممبران بینکوں کے بھاری بھر کم سود اور پریشانیوں سے بچ جاتے ہیں۔ اس رقم سے اپنی بہت سی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ اس ادارے کی طرف سے ممبران کے بچوں کی تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی پر سالانہ انعامات بھی دیے جاتے ہیں۔ فی الحال (۲۰۰۸ء) اس امداد باہمی کے صدر بخشی سر ہیں اور سکریٹری عبدالوہاب لنگے ہیں۔

☆ فری میڈیکل کمپ:

۲۰۰۴ء سے ادارے کے نائب صدر انور کمشنر نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا۔ یہی اس سرگرمی کے کنویز تھے۔ انور صاحب کا تعقل میڈیکل لائن سے تھا۔ وہ ادویات کے ایم۔ آر تھے۔ ان کے تعلقات شہر کے تمام مسلم ڈاکٹروں سے اور میڈیکل شاپ سے تھے۔ انھوں نے ان رسومات کا استعمال قوم کی غریب عوام کی بھلائی کے لیے کیا اور شہر کے تمام مسلم ڈاکٹروں کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر کھڑا کیا۔ تمام مسلم میڈیکل شاپ کے مالکان سے اور مسلم کے ایم۔ آر۔ سے سیمپل کی ادویات حاصل کی ”بزم“ کے ”جشن غالب“ کے موقع پر فروری ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۶ء میں فری میڈیکل کمپ لیے۔ اس کمپ میں تقریباً تیس ہزار کی ادویات مفت تقسیم کی گئیں۔ اور سینکڑوں لوگوں کی مفت جانچ کی گئی۔

☆ سینٹرل ریلیف کمیٹی:

۲۰۰۲ء میں شولا پور میں فرقہ وارانہ فساد ہوئے۔ اس فساد میں مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان ہوا۔ پولس فائرنگ میں شاستری نگر میں دو مسلم نوجوانوں کی موت واقع ہوئی اور مسلمانوں کی لاکھوں کی املاک نذر آتش کر دی گئی۔ یہ وہی زمانہ تھا جب گجرات میں فسادات ہوئے تھے۔ سارے ملک کے مسلمانوں میں بی۔ جے۔ پی۔ کے اقتدار میں ہونے کی وجہ سے خوف و ہراس کا ماحول تھا۔ اسی اثنا میں یہ فسادات ہوئے تو مسلم معاشرہ خوف زدہ ہوا۔ مسلمانوں کی مدد کے لیے خود مسلمان آگے نہیں آتے تھے۔ ان سنگین حالات میں ”بزم غالب“ نے فوری طور پر ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں شولا پور کے



مختلف اداروں کے اہم افراد نے شرکت کی اور ایک ”سینٹرل ریلیف کمیٹی“ کی بنیاد رکھی۔ اس کا آفس بزم میں قائم ہوا اور یہیں سے فسادزدگان کو اناج اور ضروریات زندگی کے ساتھ ساتھ مالی مدد بھی دی گئی۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم تاجروں کی بھی مالی مدد کی گئی۔ یہ دونوں تاجر مسلم اکثریتی علاقے، بادشاہ پیتھ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی مدد کر کے بزم نے انسان دوستی کا ثبوت دیا۔ اس سینٹرل ریلیف کمیٹی کا باقاعدہ قانونی حساب کتاب رکھا گیا۔ یہ بزم غالب کی بہت بری سماجی خدمت ہے جسے اہل شولا پور بھی فراموش نہیں کر سکتے۔

### ☆ ادبی سرگرمیاں:

”بزمِ غالب“ کی ادبی سرگرمیوں کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے۔ بزم کے زیرِ اہتمام مشاعروں کا اہتمام ہوتا ہے۔ ماہانہ نشستیں ہوتی ہیں۔ بیرونی شعراء کی آمد پر اور مقامی شعراء کی نمایاں کامیابیوں اور مجموعہ کلام کی اشاعت پر اعزازی نشستیں ہوتی ہیں۔ نعتیہ مشاعروں کا انعقاد ہوتا ہے۔ کل ہند مشاعروں کا بڑی پابندی سے اہتمام ہوتا ہے۔ ہر رات میں شعراء کی حاضری ہوتی ہے۔ علمی و ادبی مباحثے ہوتے ہیں۔ مختلف ادبی موضوعات پر سیمینار ہوتے ہیں۔ یہاں اس کا اجمالی جائزہ لیا جاتا ہے۔

### ☆ کل ہند مشاعروں کا انعقاد:

”بشنِ غالب“ کے موقع پر ہر سال فروری کے مہینے میں ادارے کی طرف سے کل ہند مشاعرے کا انعقاد ہوتا ہے۔ یہ مشاعرے ”ہتاسمرتی مندر“ کے وسیع و عریض ہال میں کئی سالوں سے بڑی پابندی سے لیے جا رہے ہیں۔ شولا پور میں ان مشاعروں کا کافی مقبولیت ہے۔ آس پاس کے تعلقوں سے شائقینِ اردو ان مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ ای۔ ٹی۔ وی۔ اردو جو دورِ حاضر میں اردو زبان و ادب کا اہم چینل ہے۔ اس پر ہر ہفتہ، سینچر کے روز ملک بھر میں ہونے والے مشاعروں کو باری باری دکھایا جاتا ہے۔ بزم کے مشاعروں کو بھی ای۔ ٹی۔ وی۔ اردو پر دکھایا گیا۔ ان مشاعروں میں بیرونی شعراء کے ساتھ ساتھ مقامی شعراء بھی اپنا کلام سناتے ہیں۔

بزم کے ان مشاعروں میں ملک کے نامی گرامی شعراء کرام شرکت کرتے رہے ہیں۔ مشاعروں کے اہتمام میں بیرونی شعراء کی بھرپور مہمان نوازی کی جاتی ہے۔ شہر کے بہترین ہوٹلوں میں ان کے قیام و طعام کا اعلیٰ انتظام کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مہمان شعراء کو معقل زرمبادلہ بھی دیا جاتا ہے۔

یہاں ان بیرونی شعراء کے نام لکھے جا رہے ہیں جنہوں نے یہاں کے مشاعروں میں شرکت کی اور اہلیانِ شولا پور کو اپنے کلام سے محفوظ کیا۔

بشیر نواز (اورنگ آباد)، عبدالاساز (ممبئی)، سلیمان خمار (بیجا پور، قاسم امام (ممبئی)، عرفان جعفری (ممبئی)، عبید اعظم

اعظمی (ممبئی) فیروز رشید (ناندریڈ) فرید اجم (حیدر آباد) غوث خواہ مخواہ (حیدر آباد مقیم ممبئی) احسان قریشی (مدھیہ پردیش، شیونے) ہمایت اللہ (حیدر آباد) منور علی مختصر (حیدر آباد) پروفیسر شفیع ساعر (ممبئی) ش۔ک۔ نظام (راجستھان) فاروق انجنیر (راجستھان) جوہر کانپوری، شبینہ دیب (کانپور)۔ مختار یوسفی (مالیگاؤں) شامہ سنگھ صبا (۔۔۔۔) صادقہ نواب سحر (ممبئی) فہیم صدیقی، میکش اعظمی، قمر صدیقی (ممبئی) شعور اعظمی (ممبئی) صاحب قدیری (ہلکھ شریف) عبداللطیف مالیکانوی، اسماعیل خونیری، نذیر فتح پوری (پونہ) شمس جالوی، جاتی کلیانوی، قمر سرور صاحبہ (احمد نگر) فصیح اکمل قادری (دہلی)، مطہر محی الدین (ہبلی) مولانا حسرت نظامی، شعلہ پونوی، اسلم غازی (ممبئی) عبدالرؤف معروف (ممبئی) اسحاق ملک (حیدر آباد) سید عارف نعمانی (ادونی) رفیق جعفر، مصطفیٰ علی بیگ۔

راقم الحروف بذاتِ خود ان مشاعروں کے انتظامیہ کمیٹی میں رہ چکا ہے۔ ان میں سے اکثر شعراء سے انھوں نے ملاقات بھی کی بات چیت بھی۔ ان شعراء کے تصاویر بزمِ غالب میں موجود ہیں۔ اور بہت سوں کے آڈیو کیسٹ بھی بزمِ غالب شولا پور میں محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ ای۔ ٹی۔ اردو پر جو مشاعرہ نشر ہوا اس کا ویڈیو کارڈ بھی بزم میں بطور یادگار محفوظ ہے۔

☆ اشاعتی پروگرام:

بزمِ غالب جہاں بیرونی شعراء کی قدر کرتا ہے وہیں مقامی شعراء کی ہمت افزائی بھی کرتا ہے۔ مقامی شعراء کا کلام محفوظ کرنا، انھیں عوام تک اور آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا کام بھی بزمِ غالب کرتی ہے۔ اب تک شولا پور کے مقامی شعراء کے چار مجموعہ کلام ”بزمِ غالب“ شائع کر چکی ہے۔ راقم اپنے قول کی صداقت کے لیے بزم کی تیسری اشاعت میں ”عرصِ ناشر“ سے اک اقتباس نقل کر رہا ہے۔

”بزمِ غالب شولا پور نے اشاعتی منصوبہ طے کیا ہے۔ جس کا مقصد اردو کا معیاری اور صالح ادب شائع کرنا اور اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانا ہے۔ اشاعتی پروگرام میں ایک غرض یہ بھی مضمر ہے کہ شولا پور کے قلم کاروں کی تخلیقات شائع کر کے انھیں اپنی شناخت اردو دنیا میں بنانے کا موقع اور ذریعہ فراہم کریں۔“ ۳۵

مذکورہ بالا اقتباس بزم کے مقاصد کی وضاحت کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباس میں مطبوعات کا ذکر ہے۔

”پیش نظر کتاب ”نوک سوزاں“ بزمِ غالب شولا پور کے اشاعتی پروگرام کی تیسری کڑی ہے۔ اس سے قبل جناب عبدالرشید ارشد شولا پور کا مجموعہ کلام

”غالب خستہ کے بغیر“ شہر شولا پور کے صوفی شاعر الحاج حافظ اکبر علی عباد اللہ

شاہ قادری قدیری کا مجموعہ کلام ”آئینہ وفا“ شائع ہو چکے ہیں۔“ ۳۶

اب راقم الحروف بزم غالب کی مطبوعات کے نام شاعر کا نام اس سن اشاعت درج کرتا ہے۔

(۱) غالب خستہ کے بغیر۔ (شاعر) عبدالرشید ارشد۔ سن اشاعت ۱۹۹۹ء

(۲) آئینہ وفا۔ (شاعر) عباد اللہ شاہ قادری۔ سن اشاعت ۲۰۰۱ء

(۳) نوک سوزاں۔ (شاعر) الیاس احمد الیاس۔ سن اشاعت ۲۰۰۳ء

(۴) وسیلہ۔ (شاعر) عباد اللہ شاہ قادری۔ سن اشاعت ۲۰۰۶ء

(۵) بزم غالب شولا پور مجلہ ۲۰۰۵ء۔ (شاعر) بشیر پرواز۔ سن اشاعت ۲۰۰۵ء

☆ مرزا غالب عوامی لائبریری:

لائبریریوں کا قیام تو شولا پور میں ”دارالمطالعہ“ ہی سے ہوتا آیا ہے۔ لیکن شولا پور کی دیگر لائبریریوں اور مرزا غالب عوامی لائبریری میں فرق ہے۔ یہ لائبریری ۱۱ نومبر ۱۹۹۹ء کو باقاعدہ رجسٹر کی گئی۔ یہ حکومت مہاراشٹر کے لائبریری کے فروغ کے تحت چلائی جاتی ہے اور حکومت مہاراشٹر کی طرف سے گرانٹ یافتہ ہے۔ فی الحال (۲۰۰۸ء) یہ لائبریری ’ڈی‘ گریڈ میں ہے۔

”اردو لائبریری“ کا قیام ”بزم غالب“ کا اہم مقصد تھا اس کے لیے ”بزم غالب“ نے بڑی تک و دو کے بعد ۱۱ نومبر

۱۹۹۹ء کو اسے رجسٹر کر کے قانونی شکل عطا کی اور اسی کے سہارے شولا پور مہانگر پالی کا کی جگہ جہاں اب لائبریری قائم ہے۔ ۹۹ سال کے لیے لیز پر لی۔

شولا پور میں ”دیواند کالج“ میں اردو ڈپارٹمنٹ تھا۔ یہاں بی۔ اے۔ اردو اور ایم۔ اے۔ اردو ڈگریوں کا انتظام تھا۔ لیکن یہ ڈپارٹمنٹ بند ہو گیا۔ یہاں اردو اور فارسی کی تقریباً چار ہزار نادر کتابیں تھیں۔ بزم غالب نے ان کتابوں کو ان کی اصل قیمت سے کئی گنا زیادہ رقم تقریباً ساٹھ ہزار روپے دیکر اپنی لائبریری کے لیے خرید لیا۔ حکومت مہاراشٹر کے قانون کے تحت عوامی لائبریری میں مراٹھی اور انگریزی کتابیں خرید کر رکھنا لازمی تھا تو بزم نے وہ بھی خرید لیا۔

لائبریری کی باقاعدہ ایک مجلس ادارت ہے۔ اسے بھی قانونی حیثیت حاصل ہے۔ اس کمیٹی کے نام اور عہدوں کی معلومات یہاں درج کی جاتی ہے۔ راقم الحروف نے یہ معلومات باقاعدہ اصل دستاویزات سے حاصل کی ہے۔ اس کا اصل ریکارڈ ”مہاراشٹر شناسن کے دھرم مارائے کار یا لیب شولا پور Assistant Registrar of Societies Solapur

Area اس کار جسٹر نمبر: MH/1045/99SUR ہے۔

- (۱) شیخ محمد یونس حاجی زین الدین۔ (صدر)
- (۲) عبدالرشید محمد یوسف جنواڑ کر۔ (نائب صدر)
- (۳) بشیر احمد عبدالقادر دولت آباد۔ (معمد۔ سیکریٹر)
- (۴) عبدالغفار عبدالغنی سگری۔ (نائب معمد)
- (۵) عبدالمجید بزرگ صاحب پٹوگیر۔ (خازن)
- (۶) عبدالوہاب حسام الدین لنجے۔ (رکن)
- (۷) بخش حسین باشاہ فرید صاحب۔ (رکن)

فی الحال (۲۰۰۸ء) یہی مجلس انتظامیہ لائبریری کا کام کاج چلاتی ہے۔ اس لائبریری میں تقریباً ساڑھے چار ہزار 4500 کتابیں ہیں۔ ان میں ڈھائی ہزار اردو کی کتابیں ہیں۔ اور ڈیڑھ ہزار فارسی کی ہیں باقی ماندہ انگریزی اور مراٹھی کی ہیں۔ اس لائبریری میں بہت سی نادر کتابیں موجود ہیں۔ ان میں پاکستان میں چھپی ہوئی کتابیں بھی ہیں۔ کئی کتابیں آؤٹ آف پرنٹ ہیں۔ لاہور میں چھپا ہوا اردو انسائیکلو پیڈیا ان میں سے ایک ہے تحقیقی کے نقطہ نظر سے یہ لائبریری کافی اہمیت رکھتی ہے۔ بلکہ یہ محققین کے لیے یہ چھوٹی سے جنت ارضی ہے۔ اس لائبریری میں تقریباً ۵۰ ممبر ہیں۔

لائبریری کے بانی اور پہلے لائبریرین جناب شکیل احمد اللہ بخش شیخ ہیں۔ یہ ایک جولائی ۲۰۰۱ء کو کتب خانے کے ناظم مقرر ہوئے۔ ان کی تعلیمی لیاقت ایم۔ اے۔ بی۔ لب اینڈ آئی ایس سی۔ بی۔ ایڈ ہے۔ (M.A.B.Lib. & Isc.B.Ed) یہ لائبریری کی خوش نصیبی ہے کہ ابتداء ہی میں انہیں ایک قابل لائبریرین ملا۔ انھیں تقریباً ڈیڑھ سال کا تجربہ ہے۔ یہاں آنے سے پہلے شکیل احمد صاحب انجمن خیر الاسلام کے ”پونہ کالج پونہ“ میں لائبریری کلرک کی حیثیت سے لیوٹننسی پر کام کر چکے تھے۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے لائبریری کی ممبر سازی کے لیے کوئی اشتہار نہیں دیا۔ ناہی کوئی پمپلیٹ بانٹے۔ ان کی خدمات ہی ایسی ہیں کہ یہاں ایک بار جو قاری آتا ہے وہ یہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ موصوف کی لائبریری سیوا کی مقبولیت کی بنا پر اس لائبریری میں اتنے ممبران ہیں۔ روزانہ کتب خانے میں چہل پہل رہتی ہے۔ شکیل صاحب کو ادارہ ابتداء میں صرف ہزار روپے دیتا تھا۔ ۲۰۰۳ء میں اس کو بڑھا کر ۱۲۰۰ روپے کیا گیا۔ یہ محض شکیل صاحب کی لائبریری میں دلچسپی اور خدمت خلق کا جذبہ ہے کہ وہ اتنے کم عطیہ میں بھی ایسی خدمات انجام دیتے ہیں۔ جو خدمات شکیل صاحب ۱۲۰۰ روپے عطیے میں انجام دیتے ہیں وہ اس ضلع کے اسکولوں اور کالجوں میں کام کرنے والے، موٹی، موٹی تنخواہیں لینے والے لائبریرین بھی

انجام نہیں دیتے۔ مرزا غالب عوامی کتب خانہ اور شکیل احمد صاحب کی وجہ سے بزمِ غالب کی شہرت و مقبولیت میں چار چاند لگ گئے۔

شولا پور کے ہر سطح کا طالب علموں نے اس کتب خانے سے استفادہ کیا ضلع کے کئی ریسرچ اسکالرز اس لائبریری کے ممبر ہوئے اور اپنا تحقیقی کام مکمل کیا اور اپنے مقالے کے انتساب میں کتب خانہ اور ناظم کتب خانہ کا تحریری شکریہ ادا کیا ہے۔ راء الحروف بھی آپ کی خدمات سے مستفید ہے۔ شولا پور کے مقامی ادیبوں کی بہت سی کتابیں آج بھی اس کتب خانے میں موجود ہیں۔ ناظم کتب خانہ نے راقم کے مشورے پر اس کی ایک علاحدہ ونگ بھی بنائی ہے۔ اس کتب خانے کے کلاسیکیشن میں بھی راقم الحروف کا حصہ رہا ہے۔ کیونکہ راقم الحروف رکن بزمِ غالب ہونے کے ساتھ ساتھ ناظم کتب خانہ کا کورس (L.T.C) بھی مکمل کیا ہے۔ اس ناطے اس کتب خانیت کے انتظام اور شکیل احمد کی لائبریری سائنس کی مہارت کو سمجھ سکتا ہے۔

☆ ڈرامہ کی سرگرمیاں:

۲۰۰۴ء کے بعد بزمِ غالب میں ڈرامہ کی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ سن ۲۰۰۵ء میں بین المدارس ڈرامہ خوانی کا مقابلہ ہوا۔ اس کے کنوینیر ہارون رشید باغبان تھے۔ اس کے بعد ڈرامہ کی سرگرمیاں راقم الحروف کے ذمہ آئیں۔ راقم الحروف نے ڈرامہ کے متعلق دو اہم سرگرمیاں شروع کی ان میں ”ڈرامہ ورک شاپ“ اور بچوں کے لیے بین المدارس ڈرامہ مقابلہ اہم ہے۔ ان سرگرمیوں کا جائزہ یہاں علاحدہ علاحدہ لیا جاتا ہے۔

☆ ڈرامہ ورک شاپ:

راقم الحروف نے بزمِ غالب کے زیرِ اہتمام ۱۷، ۱۸ اور ۱۹ مئی ۲۰۰۵ء کو ایک ڈرامہ ورک شاپ کا انعقاد کیا۔ اس میں تقریباً ۳۰ نوجوان اداکاروں نے حصہ لیا۔ یہ ورک شاپ شولا پور سوشل اسوسی ایشن آرٹس۔ اینڈ کامرس کالج کی نئی عمارت کے ہال میں لیا گیا تھا۔ اس ورک شاپ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں جن ماہرین نے تقریریں کی اور عملی کام وہ سب شولا پور کے سینئر اداکار، ہدایت کار، ڈرامہ نگار، موسیقی کار اور دیگر ٹیکنیشن تھے۔ ان میں بزم کے صدر بشیر پرواز نے ڈرامہ نگار کے موضوع پر تقریر کی راجہ باغبان نے ہدایت کاری اور اداکاری کے موضوعات پر ٹریننگ دی اور تقریریں کی۔ ساحرنداف نے ڈرامہ میں موسیقی کی اہمیت پر تقریر اور عملی تربیت دی۔ سید اقبال نے ”سیٹ ڈیزائن“ پر تقریر کی۔ جعفر بانگی اور محمد شفیع ملانے اداکاری کے عملی نمونے بتائے اور ورک شاپ میں شامل اداکاروں سے اداکاری کروائی۔ ورک شاپ کے اختتام پر اداکاروں نے

”امپرائی زیشن“ کیے۔

یہ ورک شاپ بزمِ غالب کی پہلی کوشش تھی اور شہر میں شوہر اورک شاپ تھا اس سے پہلے مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے زیرِ اہتمام اس وقت کے رکن اکادمی جناب محمد علی وڈوان تھے۔ ۱۹۹۳ء میں شولا پور میں اقبال نیازی کے گروپ ”کردار“ (مبئی) کے ساتھ مل کر کیا تھا۔ راقم الحروف بھی اس ورک شاپ میں شریک تھا۔ اس ورک شاپ کی سند راقم کے پاس موجود ہیں۔

ویسے تو شولا پور کے اردو ڈرامہ گروپس میں اندرون گروپ ڈرامہ کی تربیت اور ورک شاپ ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ”بزمِ غالب“ کا ڈرامہ ورک شاپ شولا پور میں اس لحاظ سے اولیت کا درجہ رکھتا ہے کہ اس میں تمام ماہرین شولا پور کے تھے۔ اور یہ ایک منظم ورک شاپ تھا یہ سبھوں کے لیے کھولا تھا۔ اس میں تمام گروپ کے چندہ فنکاروں نے حصہ لیا تھا۔ شولا پور کے مراٹھی تھیٹر کے ماہرین نے اس ورک شاپ کی بہت تعریف کی۔ اس ورک شاپ کے دستاویزات بزمِ غالب میں محفوظ ہیں۔ اخبارارت میں اس کے متعلق شائع شدہ خبریں راقم کے پاس موجود ہیں۔

#### ☆ بین المدارس بچوں کا ڈرامہ مقابلہ:

یہ سرگرمی بھی بزم کی اہم ترین سرگرمیوں میں سے ہے۔ شولا پور میں بین المدارس بچوں کے ڈرامہ مقابلے کی روایت ضلع پریشدا سکولوں نے ڈالی تھی۔ اس کے بعد اصلاحی و فلاحی تنظیم نے ۱۹۹۹ء میں ایک مقابلہ لیا تھا۔ پھر ۲۰۰۶ء میں ”بزمِ غالب“ نے اس سرگرمی کو دوبارہ زندہ کیا اب تک تقریباً چار مقابلے ادارہ لے چکا ہے۔

اس مقابلے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مقابلے کے جو اصول و ضوابط بنائے گئے ہیں وہ ملکی سطح پر لیے جانے والے مقابلوں سے لیے گئے ہیں۔ اس کے اصول و ضوابط ۲۰۰۵ء میں صدر ادارہ بشیر پرواز، کنوینیر محمد شفیع چوہدری، راجہ باغبان ساحر نداف، سید اقبال وغیرہ نے مل کر بنائے۔ آج بھی یہی قوانین پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ اصول و ضوابط قابل ذکر ہیں۔

(۱) ڈرامہ بچوں ہی کا ہو۔ اور بچوں کے موضوعات پر مبنی ہو۔

(۲) ڈرامہ کا ہدایت کار اسکول کا ٹیچر ہی ہو۔

(۳) ڈرامہ میں فلمی نغمے، رقص ممنون ہیں۔

(۴) ڈرامہ میں پارٹیشن بچوں کی تعداد ۱۲ ہو۔

(۵) اسکرپٹ پرائز کے لیے مقامی ڈرامہ نگاروں کو ترجیح دی جائے گی۔

ان اصولوں و ضوابط کی وجہ سے شولا پور کے ڈرامہ کا معیار بلند ہوا ہے۔ اسکرپٹ کے قانون کی وجہ سے اب تک تین مقابلوں میں شولا پور میں تقریباً پندرہ (۱۵) نئی اسکرپٹوں کا اضافہ ہوا اور نئے نئے لکھنے والے منظر عام پر آئے۔ اس کا اعتراف ممبئی سے آئے ہوئے جیس، اقبال نیازی، اسلم پرویز اور پونہ کے سعید احمد سعید منیر شاہ ملک مرٹھی بال ناٹیہ کی ماہر، ودھیہ کاڑے میر اپانڈرے اور راجہ راجیش چندر وغیرہ نے کیا۔ دوسرے سال دس ڈرامے ہوئے اور تیسرے سال نو (۹) ہوئے۔ شہر میں اس سرگرمی کی کافی مقبولیت ہے۔ اس سرگرمی سے شولا پور کے ڈرامہ کو تقویت ملی۔

### ☆ یوم اردو پر ملی کا انعقاد:

بزم کی طرف سے یہ سرگرمی پچھلے دو سالوں سے کی جا رہی ہے۔ اس کے کنوینر جناب محمد شفیع کیپٹن صاحب ہیں۔ شولا پور میں اب تک وقتاً فوقتاً جتنی بھی اردو ریلیاں نکالی گئیں، ان کے انعقاد کا سہرا ان ہی کے سر جاتا ہے۔ یہ ایک بہترین ناظم ریلی ہیں۔ اس ریلی میں شولا پور کے تمام اردو مدارس کے طلبہ و طالبات شریک ہوتے ہیں۔ سبھی اسکول کی ٹیم اپنے اپنے بیز کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اس میں اردو زبان کی اہمیت، مادری زبان کی اہمیت، اردو مدارس کی اہمیت، اردو ذریعہ تعلیم کی اہمیت، اردو زبان کی شیرینی وغیرہ موضوعات پر اقوال اور اشعار کے چھوٹے چھوٹے ہور ڈنگ بچوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ اور انہی موضوعات پر بچے نعرے لگاتے ہوئے گھومتے ہیں۔ اس ریلی کی باقاعدہ اجازت پولس کمشنر سے لی جاتی ہے اور اس ابتداء سے لے کر اختتام تک کے راستے کی معلومات وقت اور بچوں کی تعداد کے متعلق تحریری عریضہ دیا جاتا ہے اور پولس کمشنر سے تحریری اجازت نامہ لیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا سرگرمیوں کے علاوہ بزم میں مختلف موضوعات پر آئے دن مقررین کی تقریریں ہوتی ہیں۔ مسلم نوجوانوں کے لیے صحافت کے کلاسیس بھی دیتے ہیں۔ اس ضمن میں بختیار ٹنگسال کی خدمات قابلِ تعریف ہیں۔ سراج احمد سراج نے ایک عرصے تک ایس۔ ایس۔ سی، ایچ۔ ایس۔ سی، پاس نوجوانوں کو ٹیکنیکل تربیت دینے کی غرض سے الیکٹرک کورس کی کلاسیس بھی لیں۔ اس سے بہت سے نوجوان مستفید ہوئے اور آج بطور الیکٹریشن روزی روٹی کماتے ہیں۔

حالیہ صدر بزم بشیر پرواز صاحب نے بھی ایک عرصہ داراز تک اردو کتابت کے کلاسیس لیے جس کی وجہ سے شولا پور میں بہت سے کاتب تیار ہوئے بشیر پرواز نے اصلاحِ سخن کی کافی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی اس شاعر نوازی کی بدولت شہر میں بہت سے نوجوانوں میں ذوقِ سخن کی پرورش ہوئی۔ بہت اچھے اچھے شعراء یہاں سے نکلے۔ ان میں عبدالشکور شعور، اعجم، سراج احمد سراج، تنویر احمد تنویر، آسف اقبال، یوسف عالم صدیقی، شامل ہیں۔ سراج احمد سراج اور یوسف عالم ایسے شاعر ہیں جن کی تعلیم و تربیت اردو میں نہیں ہوئی۔ سراج نے مرٹھی میڈیم سے تعلیم حاصل کی اور یوسف عالم انگریزی میڈیم

کے طالب علم ہیں لیکن بزم کے ماحول اور بشہر پرواز کی سخن پروری کی بدولت سراج جیسا شاعر شولا پور کو نصیب ہوا۔ جس نے شولا پور کا نام دیگر اضلاع میں روشن کیا۔ فی الحال ”بزم غالب شولا پور“ شولا پور کا بہت اہم اور سرگرم ادارہ ہے۔ جس کی ادبی، سماجی اور تعلیمی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس ادارے کی سرگرمیوں کی وجہ سے شولا پور میں ادبی ماحول برقرار رہا اور اردو ادب کی آبیاری ہوئی۔

☆ اصلاحی و فلاحی تنظیم (۱۹۹۳ء):

مولانا آزاد سوسائٹی کے بند ہونے کے بعد اسی میں کے چند اہم اراکین نے شولا پور کی چند دیگر اہم شخصیات کو ملے کر ۱۹۹۳ء میں اس ادارے کی بنیاد ڈالی۔ یہ رجسٹرڈ ادارہ ہے۔ اس کے مجلس انتظامیہ کے نام چارٹیڈ کمشنر آفس میں درج ہے۔ اس کا رجسٹر نمبر MAH/3620/93f 3449/SUR ہے۔ اس کا آفس ابتداء میں ۳۶۵ بیگم پیٹھ قدوائی چوک شولا پور میں تھا۔ ۲۰۰۶ء سے یہ ادارہ اکبر قاسم مسجد ٹرسٹ کی جماعت کی بلڈنگ کے دوسرے منزل میں ۶۷۷، ساکھر (شکر) پیٹھ سکینہ تالیم چوک شولا پور میں واقع ہے۔ اس کے مجلس انتظامیہ کے نام اس طرح ہیں۔ سید یعقوب علی سید علی خطیب (صدر)، آدم یوسف شیخ (معمد)، حاجی احمد اسماعیل حاجی فقیر احمد سوداگر (نائب صدر)، میر افضل عبدالقادر دولت آباد کر، عبدالرزاق حاجی ابراہیم ہنڈیکری سید حمید الدین سید مظفر حسین قاضی، ناصر احمد اود صاحب انعامدار، محمد ایوب حاجی محمود صاحب قریشی، عبدالرزاق نواز صاحب تانبولی، محمد غوث الدین حسام الدین شیخ، حاجی عبدالشکور محبوب صاحب ناڑیگھر، ابوبکر عباس علی شیخ، رمضان غیب الدین شیخ، حیدر علی حاجی محمد عثمان تماپورے، راج احمد صاحب باغبان، امتیاز امیر حسین انعامدار، محمد صلاح الدین حیدر علی چاندہ، عبد المجید حاجی محمد صاحب قریشی، کمال حسین باشامیاں نداف، خلیل احمد نبی صاحب نیار، محمد شفیع عبدالرحمن شیخ، حاجی عبدالوہاب حاجی عبدالغنی جمعدار اس کے اراکین ہیں۔

تنظیم ایک منظم ادارہ ہے۔ ہر سال پابندی سے اس کا ”سالانہ احوال“ شائع ہوتا ہے۔ جس میں سال بھر میں کئے گئے کاموں کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ سالانہ اخراجات کا حسب درج ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مستقبل میں مطلوب مقاصد و کاموں کا ذکر ہوتا ہے۔ اب تک اس ادارے کے تقریباً تیرا (۱۳) سالانہ احوال شائع ہو چکے ہیں۔ راقم الحروف کے پاس یہ تمام کاپیاں موجود ہیں۔ یہاں جو معلومات دی جا رہی ہے۔ ان ہی سالانہ احوال سے لی گئی ہے۔ راقم اپنی بات ۱۹۹۸ء کے سالانہ احوال سے شروع کرتا ہے۔ اس احوال میں تنظیم کے اغراض و مقاصد اور کاموں کے ساتھ مختلف اکابرین کی تحریری آراء درج ہیں۔ یہ اشخاص اپنے اپنے شعبہ کے معتبر شخصیتیں ہیں۔ اب ان کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں۔ ۳۷



(۱) جناب غلام محمود بنات والا (ایم۔ پی، مسلم لیگ):

اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور کی عملی جدوجہد سے واقفیت حاصل ہوئی ہے۔ بے حد خوشی ہوئی تنظیم بڑا بہادری کام انجام دے رہی ہے۔ مسلم ذہن اور کردار کی تعمیر ایک مشکل لیکن انقلابی کام ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ تنظیم اپنے مقاصد میں کامیاب و کامران رہے۔ آمین۔

(۲) جناب سید حامد حسین (سابق وائس چانسلر مسلم علی گڑھ یونیورسٹی۔ علی گڑھ):

میں کل ہند تعلیمی کارواں لے کر آج شولا پور کے تاریخی شہر میں حاضر ہوا۔ بفضل تعالیٰ تعلیمی میدان میں مختلف تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ لیکن فلاح و اصلاح کی غرض سے اصلاحی و فلاحی تنظیم نے اپنی کوششوں کا آغاز کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ تنظیم ہر اعتبار سے کامیاب ہوگی۔

(۳) جناب ساجد رشید (مدیر اردو ٹائمز ممبئی):

ہواؤں کے رخ پر سفر کرنا بہت آسان ہوتا ہے اور عام طور پر لوگ اس طرز زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی جنوں پسند ہوتے ہیں جو ہواؤں کے رخ کو بدل دینے میں یقین رکھتے ہیں۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم کے افراد ہواؤں کے رخ کو مثبت سمت دینے میں یقین رکھتے ہیں اور اسی جذبہ کے تحت انھوں نے اپنا سفر شروع کیا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ انھیں اپنے مقصد میں کامیابی و کامرانی عطا کرے آمین۔

(۴) جناب شکیل کمار شندے (ایم۔ پی۔ سابق وزیر اعلیٰ مہاراشٹر):

مجھے فخر ہے کہ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور، غریب طبقہ کے لوگوں میں علم کی روشنی کو پھیلانے کا مقدس کام انجام دے رہی ہے۔ کچھڑ میں پڑے کنول کو اس کا مقام دلوانے والی اس تنظیم کو میرا بہت بہت سلام۔

مذکورہ بالا اقتباس سے اصلاحی و فلاحی تنظیم کے کام اور اک برین کی نظروں میں اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس تنظیم نے سماجی، تعلیمی اور ادبی میدان میں کام کیا ہے۔ یہاں اس کا ایک اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے۔

☆ سماجی کام:

۱۹۹۶ء میں اس تنظیم نے شولا پور کی غریب عوام کا سروے کیا۔ اس سے جو انکشافات سامنے آئے وہ یہ تھے کہ شولا پور میں مسلم سماج میں مستحق اور غریبوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تنظیم نے ان غریبوں کو ہر سال رمضان المبارک میں شیر خورے کا ضروری سامان مہیا کرانے کا کام کیا اور ان کی مدد بھی کی۔

### ☆ تعلیمی کام: (تنظیم کے تعلیمی کام بھی کافی اہم ہیں)

مذکورہ سروے کے بعد تنظیم نے غریب و مجبور طلباء و طالبات کی فہرست بنائی۔ ان طلبہ کو ضروری تعلیمی ساز و سامان مہیا کیے۔ تنظیم نے شولا پور کے مختلف علاقوں میں لائبریریاں بھی قائم کیں۔

### ☆ محلہ لائبریریوں کا قیام:

تنظیم نے شہر کے مختلف علاقوں میں کتب خانوں کی بنیاد ڈالی۔ اس کا مقصد مسلم نوجوانوں خصوصاً بچوں کو مختلف ذوق کی کتابیں دستیاب کرنا اور ایک صالح معاشرے کی تعمیر کرنا ہے۔ ان کے نام اور مقام اس طرح ہیں۔

(۱) ڈاکٹر مختار احمد انصاری لائبریری۔ (شاستری نگر انصاری چوک شولا پور۔)

(۲) مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری۔ (غربی ہٹا و جھوڑی شولا پور۔)

(۳) شہید قربان حسین لائبریری۔ (شہید قربان حسین نگر شولا پور۔)

(۴) رفیع احمد قدوائی لائبریری۔ (نیگم پیٹھ شولا پور۔)

ان کتب خانوں کو حکومت کے مختلف محکموں کی طرف سے گرانٹ بھی ملتا ہے۔ چنانچہ سالانہ احوال ۱۹۹۸ء میں اس کے متعلق لکھا گیا ہے۔

”حکومت ہند کے سنٹرل وقف بورڈ کی جانب سے ڈاکٹر مختار احمد انصاری

لائبریری اور شہید قربان حسین لائبریری کو مبلغ ہر سال پانچ پانچ ہزار روپے کا

عطیہ مل رہا ہے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کی جانب سے کتابوں اور

رسالوں کی صورت میں مسلسل پانچ سال سے تعاون مل رہا ہے۔ ۳۸

سالانہ احوال ۲۰۰۰ میں اس گرانٹ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ پچھلے سات سال سے تعاون مل رہا ہے۔ ۲۰۰۲ء کے

احوال میں وقف بورڈ کے گرانٹ کا ذکر نہیں ہے البتہ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے گرانٹ کا ذکر موجود ہے۔

### ☆ انٹر اسکول اردو یکباہی ڈرامہ مقابلہ:

تنظیم نے بچوں میں خود اعتمادی پیدا کرنے اور شولا پور میں اردو ڈرامہ کے فروغ کی نیت سے ۲۲ نومبر ۱۹۹۸ء کو انٹر

اسکول ڈرامہ مقابلہ ”ہتاتمہ سمرتی مندر شولا پور“ میں منعقد کیا تھا۔ اس میں دس اسکولوں نے حصہ لیا۔ جن اسکولوں نے اس میں

انعامات حاصل کیے ان کے نام تنظیم کے سالانہ احوال ۱۹۹۹ء میں درج ہیں۔ جو بالترتیب اس طرح ہیں۔

پہلا انعام: دی پروگریسیو اردو ہائی اسکول۔ ڈرامہ کا نام اجالوں کے داغ

دوسرا انعام: ڈاکٹر ذاکر حسین اردو ہائی اسکول۔ ڈرامہ کا نام آوارہ گلیاں  
تیسرا انعام: بیگم قمر النساء کارگر گلزار اردو اسکول۔ ڈرامہ کا نام آنگن میں ایکشن  
ان کے علاوہ تین تربیتی انعامات دیے گئے۔ احوال میں ان اسکولوں کے نام درج نہیں ہیں۔ اس مقابلے کے بعد  
تنظیم اس سرگرمی کو آگے نہ بڑھا سکی۔

### ☆ ادبی سرگرمیاں:

شولا پور میں اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے اس ادارے نے کافی اہم خدمات انجام دیے ہیں۔ تنظیم کا خیال ہے  
کہ ہندوستان میں بھلے اردو زبان ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر بنائی ہو لیکن دورِ حاضر میں اس کی حفاظت اور ترقی ک ذمہ داری  
صرف مسلمانوں پر ہے۔ اس زبان میں نہ صرف ہمارا ادب موجود ہے بلکہ اس میں مسلمانوں کا تہذیبی اور ثقافتی اور مذہبی ورثہ  
پوشیدہ ہے۔ اس فریضے کو انجام دینے کے لیے تنظیم نے بہت سی ادبی سرگرمیاں انجام دیں لیکن ”اردو میلہ“ ایک ایسا تصور تھا جو  
نہ صرف شولا پور بلکہ سارے ہندوستان کے لیے نیا اور انوکھا تجربہ تھا۔

### ☆ اردو میلہ: (تنظیم کی سب سے بڑی ادبی خدمات)

اصلاحی و فلاحی تنظیم کی یہ ادبی خدمت شہر شولا پور کی تمام ادبی انجمنوں کی خدمات میں افضل و اعلیٰ ہے۔ یہ ایک ایسا  
تصور تھا جو نہ صرف شولا پور بلکہ سارے ہندوستان کی ادبی دنیا میں انوکھا اور اول تھا۔ یہ میل ۱۲-۱۳-۱۴ مارچ ۱۹۹۹ء کو شولا پور  
میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس کی تیاریوں میں سارا شہر مصروف رہا۔ کئی مہینوں تک اس کی تیاریاں چلتی رہیں۔ مختلف قسم کے  
پروگرامس لیے گئے۔ اس میلے کی صدارت علی سردار جعفری نے کی۔ تین دن ہتاتمہ سمرتی مندر میں مختلف موضوعات پر سیمینار  
ہوئے۔ کتابوں کا میلہ لگا۔ اردو نمائش کا انعقاد عمل میں آیا۔ ڈرامے ہوئے اور کل ہند مشاعرہ بھی ہوا۔ اس میں ملک کی نامی  
گرامی ادبی شخصیتوں نے شرکت کی۔ اس میلے کے متعلق علی سردار جعفری اور کالی داس گپتا کے تاثرات ادبی دنیا میں کافی اہمیت  
رکھتے ہیں۔ نذیر فتح پوری مدیر سہ ماہی رسالہ ”اسباق“ (پونہ) نے اگست ۱۹۹۷ء میں ”علامہ کالی داس گپتا رضا کے ادبی سفر“  
کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی۔ اس میں ”علامہ کالی داس گپتا رضا۔ شولا پور میں“ کے عنوان سے نذیر فتح پوری نے ان  
کے سفر شولا پور کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس کے مطالعے سے شولا پور کا مہاراشٹر میں ادبی مقام اور اردو میلہ کی اہمیت و افادیت  
کا اندازہ ہوتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

”مہاراشٹر کے علمی، ادبی شہروں میں ایک روشن نام شولا پور کا بھی ہے۔  
شولا پور کی ادبی حیثیت کئی طرح سے مسلم ہے۔ تاہم جب اصلاحی و فلاحی تنظیم

کے ذیبراہتمام شولاپور میں اردو میلہ کا انعقاد عمل میں آیا تو شولاپور اردو کے نقشے میں ایک سورج کی مانند چمکنے لگا۔ یہ میلہ جس کا افتتاح ۱۲ مارچ کو علامہ کالی داس گپتا رضا کے مبارک ہاتھوں سے ہوا تھا اور مہمان خصوصی کے طور پر مرحوم علی سردار جعفری شریک تھے۔ اب یہ دونوں بزرگ موجود نہیں ہیں تو اس میلے کی تاریخی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔“ ۳۹

رضا صاحب نے شولاپور میں اردو کی گہما گہمی دیکھی۔ مشاہدہ کیا۔ مختلف سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ کل ہند مشاعرے میں کلام بھی سنایا۔ یہاں جو کچھ دیکھا۔ مشاہدہ کیا۔ غور و فکر کی۔ اپنی ذاتی زندگی میں اردو کی ترقی و ترویج دیکھی، اس کے لیے عملاً کوشاں بھی رہے۔ ان تمام امور کی روشنی میں انھوں نے میلے کے دوران جو تاثرات شولاپور میں اردو میلے کے متعلق دیے ہیں۔ ان کے مطالعے سے اس میلے کی اہمیت اور اصلاحی و فلاحی تنظیم کے کام کی صراحت ہوتی ہے یہاں ان کے دو بیانات بطور حوالہ درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) ”یہ منظر دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے آج سے اردو کا عروج دوبارہ شروع ہو گیا ہے۔“ ۴۰

(۲) ”اس شاندار اردو میلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کا عروج پھر سے شروع ہو گیا اور شاید اس کی شروعات مہاراشٹر کے اس قدیم شہر شولاپور سے ہو رہی ہے۔“ ۴۱

اردو دنیا میں اس میلے کی تاریخی اہمیت ہے۔ چنانچہ راقم الحروف بطور ثبوت بشیر پرواز کے ایک تحقیقی مضمون بعنوان ”تذکرہ شعرائے شولاپور کے حوالے سے دے رہا ہے۔ جو ماہنامہ اردو چینل“ کے جلد ۹۔ شمارہ ۳ تا ۴ (جون ۲۰۰۶ء تا دسمبر ۲۰۰۶ء) میں صفحہ نمبر ۱۶۰۶ اور ۱۶۱ پر درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”شہر شولاپور آندھرا پردیش اور کرناٹک کی سرحد پر واقع مغربی مہاراشٹر کا ایک قدیم شہر ہے۔ یہ شہر ان دنوں اردو کی نئی بستی ہے روپ میں اپنی شناخت بنانے کے جتن کر رہا ہے۔ یہ وہی شہر ہے جس نے اردو دنیا کو ”اردو میلے“ کا تصور دیا۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم کے ذریعہ ماہ ۱۹۹۹ء میں تاریخی اردو میلہ ہوا تھا۔ اس کے فوراً بعد بی بی سی لندن سے اردو کے محقق نقاد اور شاعر کالی داس گپتا رضا کی گفتگو نشر ہوئی تھی۔ جس کے آخر میں جب موصوف سے اردو کے مستقبل کے تعلق سے سوال کیا گیا تو آپ نے خاص طور پر شولاپور کا ذکر کیا اور کہا۔ ”میں شولاپور کے اردو میلے سے آ رہا ہوں۔ شولاپور جیسی اردو کی نئی بستیاں اور ادب کے نئے مراکز ابھر رہے ہیں۔ تو میں اردو کے مستقبل سے

بالکل مطمئن ہوں۔“ ۴۲

### ☆ اشاعتی پروگرام:

مقامی ادب کے فروغ اور مقامی ادیبوں کی تخلیقات کو بروئے کار لانے کے لیے تنظیم نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ تنظیم کی طرف سے اب تک تین کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان کے متعلق بنیادی معلومات ذیل میں درج ہیں۔

- (۱) شولا پور تاریخ کے آئینہ میں۔ مدیر: نسیم منان۔ سن اشاعت: ۱۴، مارچ ۱۹۹۹ء
- (۲) ذوقِ نظر۔ مصنف: ایم۔ ایم۔ شیخ۔ سن اشاعت: نومبر ۱۹۹۹ء
- (۳) مینارِ عزیمت۔ مصنف: میر افضل۔ سن اشاعت: ۱۷، مئی ۲۰۰۶ء

مذکورہ بالا تصانیف راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔ ان کے متعلق مقابلے کے باب چہارم ”شولا پور میں اردو نثر کی ترقی“ میں بحث کی جا چکی ہے۔

### ☆ ادارہ حلقہ ادب (۱۹۹۷ء):

اردو زبان و ادب کے ارتقاء کے لیے کام کرنے والے اداروں میں ”ادارہ حلقہ ادب“ بھی شامل ہے۔ ۱۹۹۷ء میں یہ ادارہ تنظیم کے آفس میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کے صدر جناب ”عبدالقادر ساغر شولا پوری“ تھے۔ ادارے کو تنظیم کے صدر سید یعقوب علی خطیب شولا پور کے سابق ایم۔ ایل۔ سی۔ جناب محمد یونس شیخ، جناب عبدالوہاب جمعدار اور بشیر احمد پرواز وغیرہ کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس بات کا اعتراف ادارے کے صدر ساغر شولا پوری نے ادارے سے شائع کردہ کتاب ”صبحِ غزل“ کے ”عرضِ ناشر“ میں کیا ہے۔ اسی تحریر میں موصوف ادارے کے اغراض و مقاصد بھی تحریر کیے ہیں۔

”ادارہ حلقہ ادب، شولا پور اردو زبان کی بے لوث خدمات انجام دینے والے

شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور فنکاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کا

ہر ممکن تعاون کرتا رہا ہے۔“ ۴۳

### ☆ ادبی خدمات:

شولا پور کے دیگر اداروں کے مقابلے میں اس ادارے کی خدمات تھوڑی سی مختلف اور قابلِ قدر ہیں۔ صدر ادارہ کے تحریر کردہ اغراض و مقاصد کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ادارہ شولا پور کے اردو ادیبوں کی حوصلہ افزائی کرتا رہا ہے۔ ادارے نے شولا پور کے نوجوان صحافی فاروق سید کی دس سالہ صحافتی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے۔ پچیس ہزار روپے نقد نذرانہ دیا۔ اور ان کے اعزاز میں ایک ”کل ہند مشاعرے“ کا انعقاد بھی کیا۔ بیرونی ادیبوں میں مرحوم شاعر جناب صابر شاہ آبادی کے

پسماندگان کو پچیس ہزار روپے امداد بہم پہنچائی۔

جناب فاروق سید الحال ممبئی میں مقیم ہیں۔ بچوں کے لیے ”گل بوٹے“ کے نام سے رسالہ نکالتے ہیں۔ یہ رسالہ کافی مشہور ہے۔ حال ہی میں انھوں نے شولا پور میں ایک سیاسی و سماجی ہفتہ وار ”اردو میلہ“ کی بھی ابتداء کی۔

☆ آڈیو کسٹ:

ادارے نے شولا پور میں دو شعراء کے کلام کے آڈیو کسٹ بنائے اور اس کی رسم اجراء کے لیے کل ہند مشاعروں کا انعقاد کیا۔ پہلا کسٹ صابر شاہ آبادی کا تھا اور دوسرا شولا پور کے مترنم شاعر محبوب جاتی شولا پوری کا تھا۔ جاتی کے کسٹ کی خوبی یہ تھی کہ ان کی غزلوں کو ہی کی آواز میں ریکارڈ کیا گیا۔ یہ سرگرمی ادارے کی ”کلام شاعر بزبان شاعر“ کے تحت کی گئی۔ یہ ایک انوکھی چیز تھی۔ ادارے نے محبوب جانی کا مجموعہ کلام ”صبح غزل“ بھی شائع کیا۔ اور ایک عظیم الشان ”کل ہند مشاعرے“ میں اس کی تقریب رونمائی کی گئی۔

☆ انجمن قدیر: (۲۰۰۰ء)

شولا پور کے چند متحرک نوجوانوں نے شولا پور کے چند بزرگ شعراء و ادباء سے متاثر ہو کر ایک ادبی انجمن بنانے کا ارادہ کیا۔ اور شہر کے بزرگ استاد شاعر کی وفات کے بعد ان کی یادوں کو زندہ رکھنے کے لیے ”بزم قدیر“ کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بانی شولا پور کے نونمشق شاعر آصف اقبال تھے۔ انہوں نے ادارے کے زیر اہتمام ”بزم غالب“ میں مقامی شعراء کے مشاعرے منعقد کیے۔ ادارے کے ذمہ داران اس ادارے کو ”بزم غالب“ کی شاخ سے منسوب کرتے تھے۔ یہی ادارہ ۲۰۰۰ء میں ”انجمن قدیر“ کے نام سے سرگرم عمل ہوا۔

جناب ہارون رشید باغبان اس کے صدر مقرر ہوئے۔ جناب آصف اقبال نائب صدر، یوسف عالم صدیقی، سکریٹری، جناب محمود نواز جوائٹ سکریٹری، جناب شیخ شکیل احمد اللہ بخش خازن، عزیز باغبان اسمعیل نواز، تنویر نیار، جاوید قاضی، جاوید پٹیل، اسمعیل کالے بھائی، عبدالمجید کلاڈگی، محمد اسحاق بانگھر، محمد اسمعیل شاہ پورے اور راقم الحروف اس کے اراکین تھے۔ راقم الحروف اس ادارے میں عملاً شامل نہ تھے۔ خاکسار اس کو اعزازی رکن ہی تسلیم کرتا ہے۔ اس انجمن کے اپنے کچھ اغراض و مقاصد تھے ان مقاصد کے متعلق صدر انجمن ہارون رشید باغبان ادارے سے شائع کردہ تصنیف ”ترانے“ میں لکھتے ہیں۔

”قوموں کی حیات کے لیے زبان و تہذیب کی اہمیت ناگزیر ہے ہر ترقی پذیر زبان عمل و تہذیب کا مخزن ہوتی ہے۔ اس فکر سے حوصلہ پا کر چند اردو کے

عشاق طلبا نے ۱۱ فروری ۲۰۰۰ء کو شولا پور کے معروف و معتبر استاد شاعر  
حضرت قدیر شولا پوری کی پہلی برسی کے موقع پر انجمن قدیر کی بنیاد ڈالی۔ ادبی،  
علمی، سماجی و فلاحی سرگرمیوں کے ذریعے علم و ادب کو فروغ دینا عوام میں  
تعلیمی بیداری پیدا کرنا اس انجمن کا مطمح نظر ہے۔“ ۲۴

اس ادارے نے ادبی سرگرمیوں کا انعقاد کیا۔ تعلیمی سیمینار بھی لیے۔ اشاعتی پروگرام کے تحت ادارے نے دو کتابیں  
شائع کیں۔

- (۱) ترانے۔ شاعر قدیر شولا پوری۔ سن اشاعت: ۲۰۰۰ء
- (۲) تیرنیم کش۔ شاعر سراج احمد سراج۔ سن اشاعت: ۲۰۰۶ء

ادارے کی دونوں اشاعتیں قابل فخر ہیں۔ ”ترانے“ شہر کے کہنہ مشق بزرگ شاعر قدیر شولا پوری کا وہ کلام ہے جو  
انہوں نے اسکول کے بچوں کے لیے لکھیں تھیں۔ یہ نظمیں اس وقت کی مشہور فلموں کے مشہور گیتوں کی بحور میں لکھی گئیں۔  
ان کے یہ حمد، نعت، استقبالیہ گیت آج بھی اسکولوں کی مختلف تقاریب میں گائی جاتی ہیں۔ اس طرح ادارے نے ان کے کلام کو  
محفوظ کر کے آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا کام کیا ہے۔

”تیرنیم کش“ شولا پور کے دورِ حاضر کے سب سے زیادہ مشہور و مقبول شاعر سراج شولا پوری کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔  
دونوں تصانیف کا جائزہ اسی مقالے کے باب سوم میں لیا جا چکا ہے۔ مستقبل میں اور کتابیں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہوئے  
یہ ادارہ شولا پور میں سرگرم ہے۔

☆ غفور انیس میموریل ٹرسٹ (۲۰۰۴ء):

یہ ادارہ شولا پور کے مرحوم شاعر اور صحافی غفور انیس کی یاد میں بنایا گیا۔ ادارے نے ان ہی کے مجموعہ کلام کی اشاعت  
سے اس کی ابتداء کی۔ غفور انیس شولا پور کی ایک ایسی شخصیت تھی جس نے ممبئی میں انگریزی اخبار کی ادارت کر کے شولا پور کا نام  
روشن کیا۔ جس نے انجمن ترقی پسند مصنفین کی بھونڈی کی کل ہند کانفرنس میں شولا پور کی نمائندگی کی تھی۔ اس ادارے کے صدر  
عبدالطیف شیخ ہیں۔ اور معتمد ڈاکٹر غلام دستگیر شیخ ہیں۔ اس ادارے کا تعارف اور اغراض و مقاصد ادارے کے صدر و معتمد نے  
ادارے سے شائع کردہ تصنیف ”جشن غفور انیس“ (روداد مع تصاویر) میں ”غفور انیس میموریل ٹرسٹ شولا پور ایک تعارف“  
عنوان کے تحت لکھا ہے۔ جس کے مطالعے سے ادارے کے قیام اور اس کی اغراض و مقاصد سے واقفیت ہوتی ہے اقتباس  
ملاحظہ فرمائیں۔

”شولاپور کے عظیم المرتبت شاعر و صحافی (انگریزی زبان کے) مرحوم غفور انیس کی یاد میں یہ میموریل ٹرسٹ شولاپور ”ادبی سماجی و تعلیمی خدمات سرانجام دینے کی غرض سے قائم کیا گیا ہے۔ باذوق علمی و ادبی رجحانات رکھنے والے باذوق افراد پر مشتمل یہ ادارہ شولاپور میں ادبی و تعلیمی میدان میں اپنی گراں قدر خدمات پیش کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس دورِ ہماہمی میں پر خلوص خدمات کے لیے پہل کرنا خود تارکیوں میں دیا جانے کے مترادف ہے۔ راہ کے مصائب کا سامنا ٹل ہے مگر ہم پر امید ہیں کہ یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

۴۵

ذمہ داران نے ادارے کے اس تعارف کے بعد اس کے اغراض و مقاصد سے لکھے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

”علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق ہم اپنے یقین محکم، عمل پیہم اور باہمی اخوت و محبت جیسی ملکوتی صفات کو بروئے کار لا کر علمی و ادبی خدمات کے مقدس ترین مقصد کی تکمیل میں یقیناً کامیاب ہونگے۔ اردو ادب میں تخلیقی رجحان کو تقویت، دینا، نادر کتابوں کی از سر نو اشاعت، مختلف زبانوں کے اعلیٰ ادب پاروں کے اردو تراجم کی اشاعت، اردو فارسی ادب کی گمنام شخصیت اور ان کی خدمات پر تحقیقی کام کو فروغ دینا، نئے تقاضوں کے تناظر میں نئی نسلوں کو صحیح سمتوں سے روشناس کروانا، مختلف موضوعات پر مذاکروں کا انعقاد، ادب کے طلباء میں مثالی اخلاقی قدروں کی تعمیر، ادبی تقاریب، مشاعرے، بیت بازی، ڈرامہ مقابلوں کا انعقاد، افسانہ خوانی، ادب اور زندگی کے ربط کو مضبوط کر کے ان کی ایک بہترین سماج کی تعمیر کے لیے ادبی سرگرمیاں جاری رکھنا وغیرہ کئی مقاصد کی تکمیل کے لیے غفور انیس میموریل ٹرسٹ یہ ادارہ سرگرم عمل ہے۔“

۴۶

اس ادارے نے ۱۲-۱۳ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو جشنِ غفور انیس منایا۔ اس سرگرمی میں بیرونِ شولاپور سے بہت سی اہم ادبی شخصیتوں کو مدعو کیا گیا۔ اسی جشن میں مرحوم کے مجموعہ ”دشتِ جنوں“ کی رسمِ اجراء جناب ایم۔ ایم۔ شیخ صاحب کے دستِ مبارک سے ہوئی۔ اس ادارے نے شولاپور کو ایک کہنہ مشق شاعر کا مجموعہ کلام عطا کیا۔



## ☆ یوم مولانا ابوالکلام آزاد ریاستی ادبی سیمینار:

غفور انیس میموریل ٹرسٹ کے زیر اہتمام ۱۱ نومبر ۲۰۰۶ء بروز سنچر کو بمقام - این - آر - بیریا تعلیمی مرکز جنوبی صدر بازار مجاہد محلہ شولا پور میں اردو ادب کی ہمہ گیر شخصیت اور ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کی یوم پیدائش پر ”ابوالکلام آزاد ریاستی ادبی سیمینار“ منعقد کیا گیا۔ یہ سیمینار صبح ۱۱:۳۰ بجے سے دوپہر ۲:۳۰ منٹ تک چلا۔ اس سیمینار کی صدارت علاؤ الدین صاحب محمد اسمعیل کامبلے (سابق پروفیسر اردو اور فارسی سنگمیشور کالج شولا پور) نے اس کی افتتاح ایڈوکیٹ عمر خان نبی خان بیریا (سابق میئر شولا پور میونسپل کارپوریشن شولا پور) کے دست سے مبارک سے عمل میں آئی۔ سیمینار میں تقریباً چھ مقالے پڑھے گئے۔ ذیل میں اس سیمینار میں شریک مقالہ نگاروں کے نام اور ان کے مقالوں کے عنوانات دیے جاتے ہیں۔

- (۱) پروفیسر عہد الجلیل شیخ (شولا پور)۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی تجربہ عملی۔
- (۲) پروفیسر عبدالرزاق رند (شولا پور)۔ مولانا ابوالکلام آزاد ”غبارِ خاطر“ کے آئینہ میں۔
- (۳) اعجاز نبی کارگیر (شولا پور)۔ ساحر اور اس کی شاعری۔
- (۴) بشیر احمد پرواز (شولا پور)۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا سیاسی نظریہ۔
- (۵) پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال (جلگاؤں)۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی قومی و وطنی شاعری۔
- (۶) پروفیسر ایم۔ این۔ سید (اچلکرنجی)۔ کلام غالب پر ایک نظر۔

اس سیمینار کے نظامت پروفیسر عبدالرشید شیخ (مدرس فارسی بیگم قمر النساء کارگیر گرلز اسکول اینڈ جونیئر کالج، شولا پور) نے کی۔ راقم الحروف اس سیمینار میں حاضر تھا۔ سیمینار کامیاب رہا۔ تمام مقالہ نگاروں نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کیا۔ ان مقالوں کا ریکارڈ، ادارے کے پاس محفوظ ہے۔ اگر انہیں شائع کیا جائے تو شولا پور کے نثری سماعے میں ایک بیش قیمتی اضافہ ہوگا۔ ادارے کی سرگرمیاں اب بھی جاری ہیں۔ شولا پور میں ادبی فضا برقرار رکھنے میں اس ادارے کی خدمات کافی اہمیت رکھتی ہیں۔

## ☆ ہندی اردو قومی اکیڈمی منچ شولا پور (۲۰۰۷ء):

اس ادارے کی بنیاد ۲۰۰۷ء میں رکھی گئی۔ اس کے قیام کا مقصد شولا پور میں بولی جانے والی تمام زبانوں میں باہمی ربط پیدا کرنا ہے۔ یہاں کی مقامی زبانیں مثلاً اردو، مراٹھی، کنڑ، تیگلو وغیرہ۔ کے پروگرام منعقد کر کے شولا پور میں قومی یکجہتی پیدا کرنا اس کا مقصد ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس میں قومی اکیڈمی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس ادارے کے زیر التماس اسی نوعیت کے پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں۔ ہندی اور اردو کے درمیان کے فرق اور اختلافات کو مٹانے کی کوشش

کرنا اس کا مقصد ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر مورخہ ۹، اگست ۲۰۰۷ء بروز جمعرات بمقام ہتاتمہ سمرتی مندر شولا پور میں ایک کل ہند ایکتا مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ اس مشاعرے کی خاصیت یہ تھی کہ اس میں تمام شعراء ہندو تھے۔ گویا یہ ہندو شعراء کا اردو مشاعرہ تھا۔ اس مشاعرے میں اشوک ساحل، محترمہ شیاہ سنگ صبا، وید دیوانہ، مہیندر راشک، دیونیدر کافر، رشی آزاد، محترمہ ارچنا، محترمہ ترونا ساگر، محترمہ رچنا شری واستو، شریک تھے۔

یہ مشاعرہ بہت کامیاب رہا۔ شہر میں اس کی کافی تعریفیں ہوئیں۔ اس مشاعرے میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ شولا پور کے ہندوؤں نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی۔ مشاعرے کا افتتاح کرنائک کے سابق وزیر اعلیٰ دھرم سنگھ کے ہاتھوں شمع روشن کر کے ہوئی۔ ادارہ اسی نہج پر مستقبل میں اور بھی پروگرام لے گا۔ فی الحال مسلم کو یوں کے ہندی کو ہی سلیمن (مسلم شعراء کا ہندی مشاعرہ) کی تیاریاں چل رہی ہیں۔ اس کے ذمہ دارانہ کے نام اس طرح ہیں۔

(۱) بند ونجہ پاٹل - (صدر)

(۲) ڈاکٹر عزیز نداف - (نائب صدر)

(۳) راجا باغبان - (نائب صدر)

(۴) وقار احمد شیخ - (معمد)

(۵) محمد شفیع چوہدر - (نائب معمد)

(۶) سریش ریبر سو - (خازن)

(۷) ڈاکٹر جے شری شندے - (ممبر)

☆ شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس اسوسی ایشن ضلع شولا پور - (۲۰۰۷ء):

یہ ادارہ اردو ذریعہ تعلیم کے اساتذہ کو لے کر بنایا گیا ہے۔ اس میں ہائی اسکول، جونیئر کالج، سینئر کالج، ڈی۔ ایڈ کالج اور بی۔ ایڈ کالج کے اساتذہ شامل ہیں۔ یہ ادارہ اردو زبان کی ترقی اور اردو ذریعہ تعلیم کے اساتذہ و اردو زبان میں پڑھائے جانے والے تمام مضامین کے ترقی و ترویج نیز درس و تدریس میں پیش آنے والے طلبہ و اساتذہ کے مسائل کو حل کرنے کی نیت سے قائم کیا گیا ہے۔ ادارے کا مقصد اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس، اساتذہ و طلبہ کے معیار پر اردو کا معیار کافی حد تک منحصر ہے۔ اگر یہ بلند ہوتا ہے تو اردو کا معیار بھی بلند ہوگا۔ ادارے نے سب سے پہلے اردو ذریعہ تعلیم میں نصابی کتابوں کے مسئلے کو حل کرنے کا کام کیا۔ اپنے اشاعتی پروگرام کے تحت ادارے نے دیرھ سال کے قلیل عرصے میں چھ کتابیں شائع کی ہیں۔ اس کے متعلق ”اردو بالواڑی“ کتاب میں عرض ناشر سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ جس کے مطالعے سے ادارے کے اغراض و

مقاصد اور اشاعتی پروگرام کے متعلق معلومات ملے گی۔

”شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس اسوسی ایشن ضلع شولا پور، یہ ادارہ ۱۹۷۰ء میں قائم کیا گیا۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ اردو ذریعہ تعلیم میں K.G اور P.G تک اردو زبان میں پڑھائے جانے والے تمام مضامین کی ترقی و ترویج کی سعی پیہم کی جائے۔ اردو ذریعہ تعلیم میں نصابی کتابوں کے فقدان کو دور کیا جائے۔ طلبہ کو مناسب قیمت میں نصابی کتابیں مہیا کی جائیں۔

شہر شولا پور میں اردو مدارس کی تعداد مہراشٹر کے کسی بھی بڑے ضلع میں کم نہیں ہے۔ لیکن نصابی کتابوں کے لیے شہر شولا پور ہمیشہ سے مبنی اور مالگاؤں کا محتاج رہا ہے۔ ادارہ اس کمزوری کو خوبی میں بدلنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کے لیے عملاً کوشاں ہے۔ اس ضمن میں ادارہ دیڑھ سال کی قلیل مدت میں بی۔ اے۔ اور بی۔ کام کی تقریباً پانچ نصابی کتب شائع کر چکا ہے۔ مزید برآں مستقبل میں تمام درجات کے لیے نصابی اور حوالہ جاتی کتب شائع کرنے کا عزم رکھتا ہے۔“

#### ☆ ادارے کی مطبوعات:

نمبر	کتاب کا نام	مصنف / مرتب	سن اشاعت
(۱)	نسیم ادب۔ (نصابی کتاب)	مجلس ادارت، شولا پور یونیورسٹی	۱۹۷۷ء
(۲)	ذوق ادب۔ (نصابی کتاب)	مجلس ادارت، شولا پور یونیورسٹی	۱۹۷۷ء
(۳)	انتخاب اردو نثر۔ (نصابی کتاب)	مجلس ادارت، شولا پور یونیورسٹی	۱۹۷۸ء
(۴)	انتخاب اردو شاعری۔ (نصابی کتاب)	مجلس ادارت، شولا پور یونیورسٹی	۱۹۷۸ء
(۵)	گلدستہ ادب۔ (نصابی کتاب)	محمد شفیع چوہدرار۔	۱۹۷۸ء
(۶)	اردو بال واڑی۔ (نصابی کتاب)	عبدالرزاق رند، محمد شفیع چوہدرار۔	۱۹۷۷ء
(۷)	توضیحی ادب	محمد شفیع چوہدرار۔	----
	(برائے ایم۔ اے۔ سال دوم۔ زیر طبع)		
(۸)	آئی۔ سی۔ ٹی	محمد شفیع چوہدرار، شکیل احمد	----

اعلیٰ تعلیم سے جڑی ہوئی نصابی کتابیں شولا پور کی اعلیٰ تعلیم کی پچاس سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہیں۔ چوں کہ راقم الحروف شولا پور یونیورسٹی کے بی۔ او۔ ایس۔ کامبر ہونے کے ساتھ ساتھ نصابی کمیٹیوں میں کام کرتا ہے۔ اس لیے تمام نصاب کی کتابیں، بی۔ او۔ ایس۔ سے قانوناً منظور شدہ ہیں۔ اس اعتبار سے ان کتابوں کی اپنی جگہ ایک خاص اہمیت ہے۔ ”اردو بالواڑی“ کتاب بھی پراؤ آئی نرنٹر شکشن و بھاگ شیواجی یونیورسٹی کولہا پور سے منظور شدہ نصابی کتاب ہے۔ راقم الحروف کی رائے میں یہ کتابیں شولا پور سے شائع ہونے والی پہلی نصابی کتابیں ہیں۔ فی الحال ایم۔ اے۔ اردو کے علاوہ ڈی۔ ایڈ سال دوم کی آئے۔ سی۔ ٹی (Information & Communication Technology) کی کتابیں زیر طبع ہیں۔ مستقبل میں یہ کام مستقل طریقے سے جاری رہے گا۔

ادارے نے، ۱۱، نومبر ۲۰۰۸ء کو ”یوم تعلیم“ بھی منایا۔ یہ یوم تعلیم حکومت کے اعلان نامے کی تائید میں منایا گیا۔ اس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ تحتانوی تعلیم کے مسائل کو حل کیا جائے گا۔ اس کے لیے مہانگر پالیکا اور ضلع پربشد کے اساتذہ کے اشتراک سے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے گی جو اس سطح پر اردو ذریعہ تعلیم کے دن بدن گھٹتے، معیار اور طلبہ کے ڈراپ آؤٹ کے مسائل پر غور کرے گی اور اس کے حل کے مناسب اقدامات کرے گی۔ تحتانوی، فوقانوی اور اعلیٰ تعلیم کے درمیان ربط قائم کرنے کی کوشش کرے گی۔ اس پروگرام کا تعلق بھی اردو زبان سے ہے۔

یہ تھا شولا پور میں اردو انجمنوں کی ادبی خدمات کا منظر نامہ۔ شولا پور کے ایک کہنہ مشق مترنم شاعر عزیز احمد عزیز شولا پوری کا ایک شعر ہے۔

جب تک زمین، شمس، قمر آسماں رہے

یارب عروج پر میری اردو زباں رہے

اس شعر کو حقیقت میں بدلنے کے لیے شولا پور کے مختلف مزاج، مختلف شعبے اور مختلف درجات کے افراد اپنے اپنے نظریے کے مطابق ادارے قائم کرتے رہے ہیں اور بساط کے مطابق بلکہ کہیں کہیں تو اس سے زیادہ اور کہیں زیادہ کوششیں کی ہیں۔ مستقبل میں بھی اور بہت سے افراد آئیں گے اور اس سے بہتر، بہترین کام انجام دیتے رہیں گے۔

## حواشی

نمبر شمار کتاب کا نام مصنف ناشر سن اشاعت صفحہ

(۱)	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔				
۱۲۳	شیم منان۔	اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔	۱۹۹۹ء	۱۲۳	(شولا پور کی، اُردو ادبی تاریخ)
(۲)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	
(۳)	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔				
۵۶	دارالمطالعہ شولا پور۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	
(۴)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۵۶	
(۵)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۵۶	
(۶)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۵۷	
(۷)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۵۷	
(۸)	ایضاً۔ (شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ)	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۲۴	
(۹)	ایضاً۔ (دارالمطالعہ شولا پور، ارشد جنواڑ کر)	شیم منان۔	اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔	۱۹۹۹ء	۵۷
(۱۰)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۵۷	
(۱۱)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۵۷	
(۱۲)	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔				
۱۲۳	شیم منان۔	اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔	۱۹۹۹ء	۱۲۳	(شولا پور کی، اُردو ادبی تاریخ)
(۱۳)	ایضاً۔ (دارالمطالعہ شولا پور، ارشد جنواڑ کر)	ایضاً۔	ایضاً۔	۵۷	
(۱۴)	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۲۴	
	(شولا پور کی، اُردو ادبی تاریخ)۔				
(۱۵)	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	۱۲۵	
(۱۶)	بزم غالب شولا پور، مجلہ ۲۰۰۵ء۔				
	(بزم غالب شولا پور کا سفر حیات)	بشیر پرواز	بزم غالب، شولا پور۔	۲۰۰۵ء۔	۴

- (۱۷) شولا پور تاریخ کے آئینے میں
- (۱۸) شولا پور کی اُردو، ادبی تاریخ (بزمِ غالب شولا پور مجلہ ۲۰۰۵ء۔)
- (۱۹) بزمِ غالب شولا پور کا سفر حیات (بشیر پرواز بزمِ غالب، شولا پور۔ ۲۰۰۵ء۔)
- (۲۰) بزمِ غالب شولا پور (بشیر پرواز بزمِ غالب، شولا پور۔ ۲۰۰۵ء۔)
- (۲۱) شولا پور تاریخ کے آئینے میں
- (۲۲) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۲۳) غالب خستہ کے بغیر (عبدالرشید ارشد بزمِ غالب، شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۲۴) شولا پور تاریخ کے آئینے میں
- (۲۵) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۲۶) شولا پور تاریخ کے آئینے میں
- (۲۷) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۲۸) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۲۹) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۳۰) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۳۱) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۳۲) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۳۳) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۳۴) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۳۵) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۳۶) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۳۷) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۳۸) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)
- (۳۹) شولا پور کی اُردو ادبی تاریخ۔ (نسیم منان۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۹۹۹ء۔)

۲	۱۹۹۰ء	کاروان ادب شولا پور۔	میر افضل	(سفر کاروان ادب، نسیم منان)	
				جشن قدر شولا پوری رسم اجزاء بوئے پیرا ہن۔	(۳۰)
۱	۱۹۹۱ء	مولانا آزاد سوسائٹی، شولا پور۔	مولانا آزاد سوسائٹی	(حرف آغاز، ابراہیم شیخ)	
				شولا پور تاریخ کے آئینے میں	(۳۱)
۱۲۷	۱۹۹۹ء	اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔	نسیم منان	شولا پور کی ادبی تاریخ نسیم۔	
۱۲۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۲)
۱۲۷	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۳)
				بزم غالب شولا پور مجلہ ۲۰۰۵ء۔	(۳۴)
۵	۲۰۰۵ء	بزم غالب، شولا پور۔	بشیر پرواز	(بزم غالب شولا پور کا سفر حیات)	
۵	۲۰۰۳ء	بزم غالب، شولا پور۔	الیاس احمد الیاس	نوک سوزاں (عرض ناشر، بشیر پرواز)	(۳۵)
۵	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۳۶)
				سالانہ احوال، اصلاحی و فلاحی	(۳۷)
۵	۱۹۹۸ء	اصلاحی و فلاحی تنظیم		تنظیم شولا پور۔ (۹۸-۱۹۹۷)	
۵	ایضاً	ایضاً	اصلاحی و فلاحی تنظیم	ایضاً	(۳۸)
۶۲	۲۰۰۷ء	نذریر فتح پوری۔	نذریر فتح پوری۔	علامہ کالی داس گپتا رضا کے ادبی سفر۔	(۳۹)
۶۴	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۰)
۶۶	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	ایضاً۔	(۴۱)
				اردو چینل جلد ۹، شمارہ ۳ تا ۴۔	(۴۲)
۱۶۱/۱۶۰	۲۰۰۶ء	اُردو چینل گجائن کالونی، گوونڈ ممبئی۔	قمر صدیقی۔	(تذکرہ شعرائے شولا پور، بشیر پرواز)	
				صبح غزل	(۴۳)
۲	۱۹۹۸ء	حلقہ ادب، شولا پور۔	جامی شولا پوری۔	(عرض ناشر۔ عبدلقدار ساغر)	

- (۴۴) ترانے۔ عرض ناشر۔  
 ہارون باغبان۔  
 قدیر شولا پوری۔ انجمن قدیر شولا پوری۔ ۲۰۰۴ء  
 ۱
- (۴۵) جشن غفورانیس۔ غفورانیس  
 میموریل ٹرسٹ شولا پور۔  
 ڈاکٹر غلام دستگیر  
 غفورانیس میموریل ٹرسٹ، شولا پور ۲۰۰۴ء  
 ۷
- (۴۶) ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔  
 ۱۱





## خلاصہ مقالہ

(۱)

مہاراشٹر میں شولا پور کا نام لسانی، تاریخی، سیاسی، سماجی و تجارتی نقطہ نظر سے معروف رہا ہے۔ راقم الحروف نے اس مضمون میں مقالے کے پس منظر کے طور پر اس باب کو شامل مقالہ رکھا۔ اس باب کے ذریعے اس ضلع کی ماضی کی ایک جھلک دکھانا اس کا مقصد ہے۔ کیوں کہ یہ مقالہ ”ضلع شولا پور کے اردو ادب کا ایک مطالعہ“ اس عنوان پر لکھا گیا ہے۔ اس لیے اس ضلع کا پس منظر جاننا نہایت ضروری ہے۔ یہاں کے ادب اور ادبی خدمات کا محاسبہ کرنے کے لیے اس پس منظر کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ ویسے ٹین نے لکھا ہے کہ کسی ادبی تخلیق کے ادب میں مقام و مرتبے کے تعین کے لیے نقاد کو اس تخلیق اور اس کے مصنف کے دور کے سیاسی، سماجی، تاریخی اور تعلیمی حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔ مختصر یہ کہ عہد کا جائزہ لینا چاہیے۔ چوں کہ یہ مقالہ شولا پور کے ادب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اس باب میں شولا پور کے لسانی، تاریخی، سیاسی اور سماجی حالات کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

اردو زبان میں شولا پور کی تاریخ پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مقامی مضامین میں ایڈوکیٹ ارشد جنواڑ کر، ایڈوکیٹ سید شاہ غازی الدین، عبدالمنان نسیم وغیرہ نے چیدہ چیدہ مضامین لکھے ہیں۔ مجاہد القاسمی صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے۔ باقی حوالے حکومت مہاراشٹر کے گیزیٹ سے لیے گئے ہیں۔ شولا پور کی تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس ضلع پر ۹۰ ق۔م۔ سے ۳۰۰ سن عیسوی تک شتکرنی راجاؤں کی حکومت تھی۔ ۳۰۰ سے ۶۷۱ء تک یہاں چالوکیہ خاندان کے راجاؤں نے حکومت کی۔ ۶۷۱ء سے ۱۱۸۴ء نیوچالوکیہ حاکم رہے۔ ۱۱۸۴ء میں شولا پور مغل صوبیداروں کے ماتحت رہا۔ ۱۳۴۸ء سے ۱۴۱۷ء تک بہمنی دور حکومت میں شامل ہوا۔ ۱۴۹۷ء میں شولا پور نظام شاہی اور عادل شاہی سلطنت کی سرحد پر ہونے کی وجہ سے یہاں قلعہ تعمیر ہوا۔ قلعے کی تعمیر کی وجہ سے اس کی اہمیت بڑھ گئی۔ اس دور میں شولا پور کبھی عادل شاہ کبھی نظام شاہ کی حکومت میں رہا۔ ان دونوں کے درمیان ۱۷ لڑائیاں ہوئی۔ جب اورنگ زیب نے دکن پر حملہ کیا تو شولا پور اورنگ زیب کے قبضے میں آ گیا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد ۱۷۳۲ء میں حیدر آباد کے نظام کے قبضے میں چلا گیا۔ ۱۷۵۷ء میں نانا صاحب پیشوا نے ۲۵۰۰۰ روپے۔ اس وقت کے قلعہ دار خلیل الدین خان کو دے کر قلعے کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ ۱۷۵۷ء سے ۱۸۱۸ء تک

شولا پور مرہٹوں کے قبضے میں رہا۔ ۱۸۱۸ء میں انگریزوں نے اسے جیت کر اپنی حکومت قائم کی۔ ۱۹۴۷ء تک انہی کے قبضے میں رہا۔ اس دوران جنگِ آزادی کی تحریک میں بھی شولا پور کا حصہ رہا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں مجاہدینِ آزادی نے اسے تین دن کے لیے آزاد کر دیا۔ انگریزوں کی چوکیاں جلائیں۔ تین دن تک یہاں انگریزوں کا کوئی حاکم یا پولیس موجود نہ تھا۔ بعد ازاں انگریزوں نے مارشل لا نافذ کیا۔ آزادی کی یہ تحریک جاری رہی بالآخر ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا۔ ابتدائی زمانے ہی سے یہاں کانگریس پارٹی کا غلبہ رہا ہے۔ کانگریس کے ممبران کثیر تعداد میں چن کر آتے رہے ہیں۔

شولا پور کی وجہ تسمیہ بھی بڑی دلچسپ ہے۔ کچھ مورخوں کا کہنا ہے کہ شولا پور سولہ عدد دیہاتوں کا صدر مقام تھا اس لیے یہ سولہ پور کہلایا اور پھر سولہ پور سے شولا پور بن گیا۔ یاد دوزمانے کے تاریخی دستاویزات میں اس کا نام ”سونلگی“ ملتا ہے۔ تاریخِ فرشتہ میں ابولقاسم فرشتہ نے اس کا نام صندلا پور لکھا ہے۔ قلعہ کے کتبات میں کچھ جگہ ”سونلا پور“ اور کہیں ”صندلا پور“ لکھا ہے۔ فی الحال اس کا نام شولا پور ہے۔ شولا پور میں حضرت اورنگ زیب کا قیام چار سال تک رہا۔ انھوں نے یہاں برہم پوری میں قلعہ تعمیر کرایا جو آج بھی موجود ہے۔ ۲۱ مئی ۱۶۹۵ء سے ۱۹ اکتوبر ۱۶۹۹ء تک تقریباً ساڑھے چار سال اورنگ زیب شولا پور میں رہے۔ اس زمانے میں شاہی فرمان یہاں سے نکالے جاتے تھے۔ اپنے دورِ حکومت میں انھوں نے بہت سی عمارتیں یہاں تعمیر کیں۔ مغلوں کی ٹکسال بھی یہیں تھی۔

شولا پور قدیم زمانے سے کثیر الزبان اور کثیر المذہب رہا ہے۔ یہاں تیگلو، کنٹر مرٹھی اور اردو زبان بولی جاتی ہیں۔ یہاں لنگایت سماج، تلنگی سماج اور مسلمان مل جل کر رہتے ہیں۔ شولا پور تین سماجوں پر مشتمل ہے۔ اردو زبان پران تینوں زبانوں کے اثرات ہیں۔ شولا پور کی بولی زبان ادبی زبان سے بالکل مختلف ہے۔ لب و لہجہ لفظیات بھی ادبی اردو سے مختلف ہیں۔ لیکن شولا پور کے لوگ ادبی زبان بھی خوب جانتے ہیں۔ اسی لیے یہاں اردو ادب بھی تخلیق ہوا۔ شولا پور کے اردو ادب پر ماضی کے تاریخی، سیاسی، سماجی اور لسانی اثرات مرتب نظر آتے ہیں۔

## (۲)

شولا پور کے لسانی، تاریخی، سیاسی و سماجی پس منظر کے مطالعے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ علاقہ ہمیشہ سے انتشار کا شکار رہا۔ کئی بادشاہوں کی حکومت میں یہ علاقہ رہا مگر کسی بھی بادشاہ نے اسے سنوارنے یا ترقی دینے کی کوشش نہ کی۔ اس لیے یہاں کوئی خاص تہذیب پنپ نہ پائی۔ تعلیم و تربیت کا معقل انتظام نہ ہونے کی وجہ سے لوگ علم سے بے بہرہ رہے۔ انگریزوں کے دور میں ملوں کے قیام کی بدولت یہاں مزدوروں کی آبادی قائم ہوئی۔ بیشتر عوام اسی محنت مزدوری پر زندگی گزارنے پر مجبور تھی۔ تعلیم کا کوئی معقل انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد کم تھی۔ ایسی علم سے بھٹکی

ہوئی انسانوں کی آبادی کو اپنی علم و حکمت، محبت و شفقت، اور صراطِ مستقیم پر رکھنے کا کام یہاں کے صوفیائے کرام نے کیا۔ یہاں کی مشترکہ تہذیب کی حفاظت کی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق، اخوت و بھائی چارگی قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں حضرت مغرب علی شاہ کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ آپ ہر جمعرات کو اپنے حلقے میں بھجن کا بھی اہتمام کرتے تھے اور گنپتی کے جلوس کے وقت بڑے گنپتی کی مورتی کو اپنے ہاتھوں سے ہار ڈالتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہزاروں ہندو بھی آپ کے مرید ہو گئے اور شولا پور میں قومی یکجہتی برقرار رہی۔ دیگر صوفیائے کرام بھی عوام کی رہبری کرتے رہے۔ بہت سے صوفیاء نے اردو زبان کو اپنی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ جس کی وجہ سے اردو شاعری کی روایت قائم ہوئی۔ کئی صوفیاء کے کلام بھی شائع ہوئے۔ اس ضمن میں شاہ ظہور حضرت ملنگ شاہ ولی، حضرت پیر احمد علی شاہ، سید السادات حضرت عارف شاہ قادری، حضرت صلابت جنگ، حضرت بزرگ عولی شاہ، حضرت رحیم بابا انصاری طشتیہ، قادریہ، حضرت عطا علی شاہ، حضرت روشن علی شاہ، حضرت چمن شاہ ولی، حضرت نیلور والے بابا، حضرت حاجی فرید الدین بابا، حضرت اعتبار علی شاہ، حضرت بمبئی والے مرشد، حضرت حاجی ماہی، حضرت قتال حسینی، حضرت ملا بابا، حضرت مغرب علی شاہ، حضرت شاہ اکبر قاسم صدیقی، حضرت غیبی پیر، حضرت قطب الاقطاب حضرت خواجہ مخدوم ابو الدین چشتی، حضرت جلال الدین شاہ بخاری، حضرت اقرار علی شاہ، حضرت اسرا علی شاہ چشتی، پیر احمد شاہ قادری عتیق، وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرت شاہ اکبر قاسم کا کلام ۱۰۰ سال پرانا ہے۔ ان کی زبان و بیان صاف ستھری ہے۔ مقامی زبان کے کچھ الفاظ آپ کے کلام میں نظر آتے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر زبان صاف ستھری اور نکھری نظر آتی ہے۔ موضوعات وہی ہیں جو عام طور پر صوفیائے کرام کے کلام میں ملتے ہیں۔ لیکن ”صدی میل“، ”روایت صدی“ وغیرہ آپ کی قائم کردہ روایات ہیں۔ اس کلام میں واقعات کر بلا کا بیان ہے۔ یہ کلام شولا پور میں محرم کے مہینے میں گایا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں آپ کے مریدین اس کلام کو محرم میں تعریوں کے جلوس میں ڈرامائی انداز میں پیش کرتے تھے۔ جس میں رقص، موسیقی اور اداکاری بھی ہوتی تھی۔ یہی صدی میل شولا پور کے ابتدائی ڈرامے ہیں۔ آپ کا کلام آپ کے عرس صد سالہ پر شائع کیا گیا۔ صرف ایک کاپی بنائی گئی تھی۔ وہ کاپی مقالہ نگار کے پاس محفوظ ہے۔ اس کلام کی تحقیق کو مقالہ نگار اپنا اعزاز سمجھتا ہے۔ حضرت پیر احمد شاہ قادری عتیق کا کلام اکبر قاسم سے زیادہ نکھرا ہوا ہے۔ آپ کے کلام میں تصوف کے علاوہ دنیا کے دکھ درد اور مسائل کی ترجمانی بھی ملتی ہے۔ آپ نے بہت سی نظمیں لکھ کر اردو میں نظم نگاری کو فروغ دیا۔ ”جو ہوگا دیکھا جائے گا“ آپ کی شاہکار نظم ہے۔ اس نظم میں موضوع و ہیئت کی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو اسے ایک شاہکار نظم بناتی ہیں۔ آپ کا کلام مارچ ۱۹۸۰ء میں ادارہ بحرالفیض ضلع شولا پور کی کوششوں سے شائع ہوا ہے۔ آپ نے دین کے ساتھ ساتھ زبان کی بھی تبلیغ کی۔ نازاں شولا پوری آپ کے مرید تھے۔ جو

ملک کے بہترین قوالی کے شاعروں میں سے ہیں۔ حافظ عباد اللہ شاہ قادریؒ کا مجموعہ کلام ”وسیلہ“ شولا پور کی متصوفانہ شاعری کا طرہ امتیاز ہے۔ آپ کے کلام میں بھی تصوف کے روز پنہاں ہیں۔ آپ کا مجموعہ کلام بزمِ غالب شولا پور نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا۔ ان صوفیائے کرام کی کوششوں سے شولا پور میں دین کے ساتھ ساتھ زبان کی بھی ترقی ہوئی۔ ان ہی کوششوں سے شولا پور کی اردو شاعری نے اپنے سمت اور رفتار متعین کی۔ اگلے باب میں اسی موضوع سے بحث ہے۔

### (۳)

صوفیائے کرام کی قدیم شاعری سے شولا پور کی موجودہ شاعری نے اپنی سمت و رفتار متعین کی۔ شولا پور کے شعراء کے سامنے ماضی کی یہ روایتی شاعری موجود تھی۔ اسی بنیاد پر نئے شعراء نے اپنی عمارت تعمیر کی۔ شولا پور میں شاعروں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ مگر کئی وجوہات ایسی تھیں جس کی بنا پر۔ یہ ادب کے پروانے اپنی تخلیقات کو شائع کر کے اپنی انجمن قائم نہ کر سکے۔ لیکن آپ نے سخن کی پرورش کی اور آنے والی نسلوں تک اس کو پہچانے میں کامیابی حاصل کی۔ کچھ شعراء کو اپنا کلام چھپوانے میں کامیابی نصیب ہوئی۔ وہ صاحب تصنیف کہلائے۔ ان کی تخلیقات کے مطالعے سے شولا پور کی شاعری کی سمت و رفتار کا پتہ چلتا ہے۔ ایسے شعراء کے مجموعہ کلام کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

حاتی شولا پوری کا مجموعہ کلام ”سرمدی نغمے“ (سن اشاعت ندارد) نسیم منان کا ”سریلے گیت“ (سن اشاعت ندارد) (گیتا عدنی کا مجموعہ کلام ”غبارِ کارواں“ (مارچ ۱۹۸۳ء) کاروانِ ادب کا مجموعہ ”کاروانِ ادب“ (مئی ۱۹۸۸ء) کلام ”بوائے پیراہن“ (مارچ ۱۹۹۱ء) باور شولا پوری کا مجموعہ کلام ”لہو ترنگ“ (۱۹۹۲ء) محبوب حاتم کا مجموعہ کلام ”صبح غزل“ (نومبر ۱۹۹۸ء) عبدالرشید ارشد کا مجموعہ کلام ”غالب خستہ کے بغیر“ (۱۹۹۹ء) اعجاز نبی اعجاز کا مجموعہ کلام ”برگِ حنا“ (اپریل ۲۰۰۰ء) الیاس احمد الیاس کا مجموعہ کلام ”نوکِ سوزاں“ (۲۰۰۳ء) رفیع نواز کا مجموعہ کلام ”ارتکازِ خیال“ (مئی ۲۰۰۳ء) غفور انیس کا مجموعہ کلام ”دشتِ جنوں“ (اکتوبر ۲۰۰۴ء) عبدالرزاق رند کا مجموعہ کلام ”بارود کے پھول“ (۲۰۰۴ء) قدیر شولا پور کا مجموعہ کلام ”ترانے“ (۲۰۰۴ء) حبیب احمد شوق کا مجموعہ کلام ”متاعِ سخن“ (۲۰۰۵ء) اور سراج شولا پوری کا مجموعہ کلام ”تیرنیم کش“ (مئی ۲۰۰۶ء) وغیرہ۔

ویسے شولا پور کی شاعری کی روایت سو سال پرانی ہے۔ لیکن پچھلے پچاس سالوں میں اس کی ترقی ہوئی۔ پہلا مجموعہ کلام حاتمی شولا پوری کا ”ذکر جمیل“ ہے۔ اس کے بعد حاتمی صاحب نے ”سرمدی نغمے“ شائع کیا۔ (سرمدی نغمے میں ذکر جمیل کا ایک حصہ بھی درج ہے) یہیں سے پختہ روایت قائم ہوئی۔ حاتمی صاحب کے کلام میں بھی صوفیانہ رنگ ہے۔ اس کے بعد نسیم منان کے ”سریلے گیت“ میں بچوں کی شاعری ہے۔ یہ ادب اطفال میں اضافہ ہے۔ آپ کو اس کتاب پر مہاراشٹر اسٹیٹ اردو

اکادمی نے انعام بھی دیا۔ اسی کتاب میں آپ کے پہلے دو مجموعہ کلام ”ہنستے گیت“ اور ”ریلے گیت“ کا ذکر ہے۔ یہ بھی بچوں کی شاعری ہے۔ یکتا عدنی نے شولا پور کی شاعری میں ترقی پسند موضوعات کو فروغ دیا۔ اور نظم نگاری کی طرف توجہ دی۔ آپ کی غزلیں بھی معیاری ہیں۔ کاروان ادب ایک ادبی ادارہ ہے۔ اس نے شعراء کے کلام کا گلدستہ شائع کیا تھا۔ جس میں ۳۱ شعراء کا منتخب کلام درج ہے۔ اس کے مطالعے سے شولا پور کے شعراء کا مجموعی رنگ نظر آتا ہے۔ ”بال و پر“ کے خالق محمد حنیف بے چین خالص غزل کے شاعر ہیں۔ آپ کے کلام میں زندگی کے کرب کی عکاسی ہے۔ قدیر شولا پوری، شولا پور کے بلند قامت شعراء میں سے ہیں۔ آپ کے مجموعے میں نظمیں، غزلیں اور قطعات سبھی شامل ہیں۔ آپ کے کلام میں فکر کی گہرائی اور فن کی بالیدگی نظر آتی ہے۔ ”لہو ترنگ“ کے خالق باور شولا پوری کی شاعری میں سطحیت ہے۔ محبوب جاتی کے مجموعہ کلام ”صبح غزل“ میں بہترین غزلیں ہیں۔ آپ خالص غزل کے شاعر ہیں۔ آپ کی شاعری میں عصری مسائل کے ساتھ ساتھ روایتی شاعری کی جھلک نظر آتی ہے۔ غزلوں میں رنگ تغزل آپ کا طرہ امتیاز ہے۔ عبدالرشید ارشد کی ”غالب خستہ کے بغیر“ میں غالب کے کلام کی تضمین ہے۔ اس میں طنز و مزاح کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔ غالب کے مصرعوں پر جو مصرعے لگائے گئے ہیں۔ اس میں غالب ہی کا انداز نمایاں ہے۔ اعجاز نبی اعجاز کی شاعری فکر انگیز ہے۔ ان کی شاعری میں ترقی پسند تحریک کی جھلکیاں ہیں۔ آپ کے کلام پر ساحتہ لدھیانوی کا اثر نمایاں ہے۔ ”برگ حنا“ میں مزدور کے متعلق لکھی ہوئی نظم آپ کا شاہکار ہے۔ الیاس احمد الیاس کی ”نوک سوزاں“ ایک بزرگ و پختہ ذہن کی شاعری نظر آتی ہے۔ یہ بھی غزل کے شاعر ہیں۔ آپ کی شاعری میں قدیم شاعری کی خوبیاں موجود ہیں۔ رفیع نواز کے مجموعہ کلام ”ارتکا ز خیال“ میں چھوٹی چھوٹی محروں میں لکھی ہوئی غزلیں موجود ہیں۔ آپ سادہ عام فہم زبان میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ غفور انیس ترقی پسند شاعر تھے۔ اس لیے آپ کے مجموعہ میں جو نظمیں ہیں۔ ان پر ترقی پسندوں کے اثرات ہیں۔ عبدالرزاق رند کے مجموعہ کلام ”باورد کے پھول“ میں جدید شعری کی جھلکیاں موجود ہیں۔ آپ کی شاعری میں علامتوں کا استعمال ہوا ہے۔ ”اضطراب نظر“ میں نظر کی شاعری پوری طرح روایت شاعری نظر آتی ہے۔ محبت صاحب کی ”سمیم غزل“ میں قدیم و جدید روایتیں سمٹ کر آئی ہیں۔ قدیر شولا پوری کی ”ترانے“ میں اسکول میں مختلف پروگرام کے لیے گائے جانے والے بچوں کے گیت ہیں۔ یہ گیت فلمی دھن پر لکھے گئے ہیں۔ ان میں درس اخلاق کی کارفرمائی ہے۔ حبیب احمد شوق کی ”متاع سخن“ میں روزمرہ کے مسائل اور رنگ تغزل کی کارفرمائی ہے۔ آپ کا انداز بھی روایتی ہے۔ آپ بھی غزل کے شاعر ہیں۔ سراج شولا پوری کی ”تیرنیم کش“ طنز و مزاح کا بہترین مثال ہے۔ اس میں قطعات غزلیں اور نظمیں ہیں۔ نظموں میں سلیمان خطیب کا رنگ ہے۔ اس طرح شولا پور کی شاعری میں روایتی انداز سے لے کر طنز و مزاح اور جدیدیت تک کی بہترین مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ادب اطفال کے لیے کی گئیں کوششیں اپنی مثال آپ

ہیں۔

(۴)

شولا پور میں نثر کی تاریخ بھی قدیم ہے۔ نثر کی شروعات میں، شاعری کے مقابلے میں کچھ فاصلہ رہا ہے۔ لیکن ابتدائی دور میں یہاں ڈرامے لکھے گئے۔ چوں کہ اس مقالے میں ڈرامہ کا ایک علاحدہ باب ہے۔ اس لیے اس باب میں اس کی تفصیلات آئی ہیں۔ شولا پور میں نثر کی باقاعدہ شروعات اثر شولا پور کی افسانہ نگاری سے شروع ہوئی۔ آپ کے افسانوں کا مجموعہ جولائی ۱۹۷۲ء میں علوی بک ڈپومبئی سے شائع ہوا تھا۔ لیکن اس کتاب کے تقسیم کار آپ کے بھائی اے۔ یو۔ شیخ۔ ۳۷۰ مسلم بادشاہ پیٹھ شولا پور تھے۔ اس میں کل ۱۱۴ افسانے ہیں۔ یہ افسانے فن افسانہ نگاری پر پورے نہیں اترتے لیکن شولا پور کی نثر کی تاریخ یہ تصنیف کی تاریخی اہمیت ہے۔

شولا پور میں ۱۹۷۲ء سے ۲۰۰۷ء تک نثر تصانیف بدستور شائع ہوئی ہیں۔ شولا پور کے نثاروں نے نثر کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ یہاں تک کہ نثر میں بھی ادب اطفال لکھا گیا۔ مقالے اور مضامین بھی لکھے گئے۔ تاریخ کے موضوع پر کتابیں تحریر ہوئیں۔ تنقیدی مضامین لکھے گئے۔ موجودہ دور میں چند سوانح بھی لکھی گئیں۔ اثر شولا پوری کے بعد سید عباس نے افسانہ نگاری کی طرف توجہ دی۔ آپ کے افسانوں کا مجموعہ ”یہ شام بھی کہاں ہوئی“ اورنگ آباد سے شائع ہوا۔ فی زمانہ آپ مراٹھواڑا میں مقیم ہیں۔ بقول ڈاکٹر شجاع کامل آپ مراٹھواڑہ کے نمائندہ افسانہ نگاروں میں سے ایک ہیں۔ شولا پور کی نثر کی ترقی میں نسیم منان کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ کیوں کہ آپ نے شاعری کے علاوہ نثر میں بھی ایک سے زائد کتابیں لکھیں۔ آپ نے بچوں کے لیے دو کہانیوں کی چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع کیں۔ ایک ”اکڑ و جگورا“ اور دوسرا ”کالیا کا انجام“ آخر الزا کر کتاب دستیاب نہیں لیکن اولد کر ادب اطفال میں اضافہ ہے۔ اس کہانی پر ڈاکٹر احتشام نداف نے ڈرامہ بھی لکھا۔ اس کے علاوہ موصوف نے ۱۹۹۴ء میں ”انوارِ قمر“ رسالہ شائع کیا۔ جس میں تصوف کے موضوع پر پر مغز مضامین درج ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں موصوف نے بچوں کے لیے خصوصاً طالب علموں کے لیے ”معاونِ اردو“ اور ”جنرل نانج“ دو کتابیں شائع کیں۔ اولد کر میں اردو زبان کی بنیادی اصطلاحات کی وضاحتیں ہیں اور آخر الذکر میں عام معلومات درج ہے۔ نسیم صاحب کی نثر آسان عام فہم ہے۔ آپ کے موضوعات میں تنوع ہے۔ اس کے بعد نثری تقاریر پر مبنی تصنیف ”حروفِ تابندہ“ شائع ہوئی۔ شاعری ادیب نے ۱۹۹۳ء میں یہ کتاب شائع کی۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ شولا پور کی پہلی تصنیف ہے۔ جو ریڈیو پر نشر شدہ تقاریر کا مجموعہ ہے۔ اردو ادب میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں ”جشنِ قدیر شولا پور رسمِ اجراء ہوئے پیرا ہن“ شائع ہوئی۔ اس میں قدیر صاحب کی فن و شخصیت پر مضامین ہیں۔ ۱۴، مارچ ۱۹۹۹ء میں ایک اہم کتاب یہاں شائع

ہوئی۔ جس کے مدیرتیم منان تھے۔ اس میں شولا پور کی تاریخ کے علاوہ شولا پور کے ادب پر بھی مضامین لکھے گئے ہیں۔ تالیف اردو نثر میں گراں مایہ اضافہ ہے۔ ۱۹۹۹ء میں ہی ایک اور تصنیف یہاں شائع ہوئی۔ جس کا نام ”ذوق نظر“ ہے۔ یہ ایم۔ ایم۔ شیخ صاحب کے قیمتی مضامین کا مجموعہ ہے۔ شولا پور کی نثر میں یہ کتاب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں پہنچ کر شولا پور کی نثر معیاری ہو جاتی ہے۔ موصوف نے یہ کتاب لکھ کر شولا پور کی نثر کو معیاری بنادیا۔

اس دوران شولا پور میں اردو نثر کی باگ دوڑ چند نثاروں نے سنبھالی۔ جن میں عبدالرزاق رند، پروفیسر عبد الجلیل شیخ، بشیر پرواز، اعجاز نبی کارگیر، پروفیسر ایم۔ اے۔ رنکریش خلیل، الیاس احمد الیاس، عبدالرشید ارشد، عبدالرشید شیخ شامل ہیں۔ ان میں پیشتر شاعر ہیں۔ لیکن شولا پور سے شائع ہونے والے مجموعہ کلام میں مذکورہ نثاروں نے تقریظیں مقدمے، تنقیدی مضامین اور صاحب تصنیف کے سوانحی خاکے لکھے۔

۲۰۰۶ء میں ڈاکٹر غلام دستگیر نے ”شہر شولا پور کے روشن چراغ“ لکھ کر ادبی تنقید کی بنیاد ڈالی۔ ایڈووکیٹ سید شاہ غازی الدین نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ ۲۰۰۰ء میں آپ نے ”عہد عالمگیر کے درباری اخبار“ کے عنوان سے کتاب لکھ کر نہ صرف شولا پور بلکہ اردو ادب کو اورنگ زیب کے متعلق ایک اہم کتاب دی ہے۔ ۲۰۰۴ء میں ”شیواجی کون تھے؟“ لکھ کر آپ نے مہاراشٹر میں شیواجی مہاراج کی پہلی تاریخ اردو میں پیش کی۔ مہاتما جوتی باپھلے (حیات اور کارنامے) ۲۰۰۵ء میں لکھی۔ یہ کتاب شولا پور کے اردو کی پہلی سوانح ہے۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ نے ۲۰۰۷ء میں ”ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر (حیات اور کارنامے)“ لکھ کر شولا پور کو دوسری سوانح عطا کی۔ آپ اردو ادب کے پہلے دیب ہیں جنہوں نے بہو جن سماج کے عظیم قائدین کی سوانح لکھی۔ اسی درمیان میر افضل نے ۲۰۰۶ء میں ”مینار عزیمت“ لکھی جس میں حیدر آباد کے پیر طریقت، حضرت ابوالخیرات الحاج سید انوار اللہ شاہ صاحب“ کے سوانحی خاکے علاوہ ان کی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ شولا پور میں نثر کے میدان میں مختلف اصناف نثر کا احاطہ ملتا ہے۔

### (۵)

مہاراشٹر میں جب بھی اردو ڈرامہ کا ذکر ہوتا ہے تو شولا پور کا نام سب سے پہلے لیا جاتا ہے۔ اردو ڈرامہ شولا پور کا طرہ امتیاز ہے۔ ڈرامہ شولا پور کی مٹی میں شامل ہے۔ یہاں ڈرامہ کے فنکار بنائے نہیں جاتے پیدا ہوتے ہیں۔ انھیں ڈرامہ کی تربیت دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شولا پور میں ڈرامہ کی روایت بھی سو سال پرانی ہے۔ جس زمانے میں یہاں جب شاعری کی شروعات ہوئی تھی، اسی زمانے میں منظوم ڈرامے لکھے جاتے تھے۔ لیکن اس زمانے کے ڈراموں کا تحریری ریکارڈ نہیں ملتا۔ یہاں ابتدائی دور میں ”تخت رواں“ اور ”دربار“ کے نام سے ڈرامے کھیلے جاتے تھے۔ محرم کے مہینوں میں

تھیروں کے جلسوں میں راستے پر جگہ جگہ یہ ڈرامے کھیلے جاتے تھے۔ یہ آج کل کے اسٹریٹ پلے (Street Play) کی طرح ہوتے تھے۔ دوسرا طریقہ ”صدی میل“ کا تھا۔ ”صدی میل“ بھی ڈراموں ہی کی قسم تھی۔ یہ ”صدی میل“ صوفیائے کرام کے کلام ہوا کرتے تھے۔

ڈرامہ میں دواہم پہلو ہوتے ہیں۔ ایک ڈرامہ نگاری اور دوسرا پیشکش۔ یہاں ان دونوں پہلوؤں میں کام ہوا ہے ہماری تحقیق کے مطابق شولا پور کے پہلے ڈرامہ نگار علاء الدین منشی تھے۔ جنہوں نے ۱۹۲۵ء میں ”دربار کی صورت“ لکھا۔ یہ شولا پور کا پہلا تحریری ڈرامہ تھا۔ اس کے بعد منشی صاحب نے ”گرہ لکشمی“ بھی لکھ کر پیش کیا تھا۔ ان کے بعد ڈاکٹر ایچ۔ ایم۔ شیخ ”انارکلی“ لکھا۔ یہ تمام ڈرامے دستیاب نہیں ہیں۔ ان بزرگوں کے بعد شولا پور میں ڈرامہ نگاروں کی دوسری پیڑھی آئی ان میں نسیم منان، تجل تمنا، بی۔ ایچ۔ کر جگی، منظور عالم، بشیر پرواز، سید سعید احمد، عبدالوہاب لٹے، راجہ باغبان، ساغر شولا پوری، ڈاکٹر جی۔ ایم۔ پتیل، عبد الحمید ڈالموالے، روف باغبان، حکیم شیخ اختر ایم۔ ہارون باغبان، تنویر بیجا پورے، اعجاز شیخ، ابراہیم شاہ پورے و جاہت عبدالستار سگری، اور راقم الحروف کے نام شمار ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا ڈرامہ نگاروں کی فہرست کافی طویل ہے۔ ان میں سمجھوں نے ایک سے زائد ڈرامے لکھے۔ لیکن کسی کا کوئی ڈرامہ شائع نہیں ہوا۔ شولا پور میں ڈرامہ کی سب سے پہلی تصنیف سید سعید احمد کی ”سارے جہاں سے اچھا“ ہے۔ اس میں اسی عنوان سے ایک ڈرامہ درج ہے۔ سعید احمد کے بعد عبدالوہاب لٹے کا نام اہم ہے۔ ان کا ایک منتخب ڈرامہ ”لال قندیل“ اردو اکیڈمی کے ”امکان“ رسالے کے جلد (۱۵) میں شائع ہوا۔ نوجوانوں میں ہارون رشید کا ڈرامہ ”میٹھا زہر“ بھی محکمہ سماجی بہبودی حکومت مہاراشٹر سے شائع کردہ کتاب میں دو انعام حاصل کرنے کے عوض شائع ہوا۔ نسیم منان کے دو ڈراموں کے مجموعے ”ہنسنا مت“ اور ”گلگلے“ آپ کے فرزند تنویر بیجا پورے نے شائع کیے۔ ڈرامہ نگاروں کے ڈراموں میں سے نسیم منان کا ”ڈھلی کھاٹ“ بی۔ ایچ۔ کر جگی کر کا ”زکام صاحب کی کھانسی“ ڈاکٹر جی۔ ایم پتیل کا ڈرامہ (ترجمہ) ”خالہ خالدر کی“ اور ساغر شولا پوری کا ڈرامہ ”مسٹر چارمینار“ کافی کامیاب ہوئے۔ اس کے کئی کمرشیل سوز ہوئے۔ شولا پور کے کامیاب ڈراموں کی فہرست کافی طویل ہے۔ یہاں انکا ذکر مشکل ہے۔

ڈرامے کے دوسرے پہلو پیش کش میں بھی شولا پور بہت آتے ہے۔ کیوں کہ اس کے لیے یہاں بہت سے ڈرامہ گروپس قائم ہوئے۔ ان میں ہر گروپ کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ جتنے ڈرامے یہاں لکھے گئے ان میں سے قریب قریب سبھی ڈرامے مختلف گروپس سے پیش ہوئے۔ کچھ ڈرامے تو کئی مرتبہ کھیلے گئے۔ یہاں ایسے گروپس کے صرف نام گنوائے جاتے ہیں۔ جنہوں نے شولا پور کے ڈرامے کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں الہلال احمد علی



ڈرامیٹک کلب شنیوار پیٹھ، مسلم اسٹوڈنٹ برادر ہوڈ شولا پور، اقبال کلب شولا پور، وغیرہ ابتدائی دور کے گروپس ہیں۔ بعد کے گروپس کی تاریخ میں ”فنکار ڈرامہ اسوسی ایشن“ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ کیوں کہ یہاں سے شولا پور کی ڈرامہ پیش کش میں انقلاب آیا۔ اس گروپ نے کئی نئے فنکاروں کو جنم دیا جنہوں نے بعد میں بہت سے نئے گروپس بنائے۔ کچھ فنکار ایسے پیدا ہوئے جو بعد میں ایک مکتبہ فکر بن گئے۔ ان میں ڈاکٹر۔ جی۔ ایم۔ پٹیل راجہ باغبان سید سعید احمد، اور ساحرنداف کے نام اہم ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں ڈرامہ پیش کش میں دوسرا انقلاب آیا۔ یہ انقلاب ”مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی“ کے ڈرامہ مقابلوں کا مہولہ منت ہے۔ اس دور کو شولا پور میں ڈرامہ کی ترقی کا سنہرا دور بھی کہہ سکتے ہیں کیوں کہ اس دور میں کئی نئے گروپس اور فنکار پیدا ہوئے۔ ان کے نام اس طرح ہیں۔ نشا ط اکیڈمی (۱۹۷۶ء) انوار ڈرامہ اسوسی ایشن (۱۹۷۹ء) ایس۔ ایس۔ اے اردو ہائی اسکول شولا پور، نائیپ اپنا شولا پور (۱۹۸۰ء) مولانا ابوالکلام آزاد کلب شولا پور (۱۹۷۴ء) سٹی ٹن اردو ہائی اسکول شولا پور، آرٹ اکیڈمی شولا پور (۱۹۹۱ء) ایکٹ گروپ شولا پور (۱۹۹۲ء) سائی بابا ودیا مندر شولا پور، وغیرہ۔

اصلاحی و فلاحی تنظیم اور بزم غالب شولا پور نے بچوں کے ڈراموں میں نمایاں کردار ادا کیا اولڈ کراڈارے نے ۲۲، نومبر ۱۹۹۸ء کو بین المدارس ڈرامہ مقابلہ لیا۔ جس میں شولا پور کے دس اسکولوں نے حصہ لیا۔ ان میں آٹھ ڈرامے شولا پور کے ڈرامہ نگاروں کے پیش ہوئے۔ بزم غالب چار سالوں سے یہ مقابلہ لے رہا ہے۔ جنوری ۲۰۰۶ء سے جنوری ۲۰۰۹ء تک کے ڈراموں میں شولا پور کے ڈرامہ نگاروں کی ۲۴ اسکرپٹ اس مقابلے میں پیش ہوئیں۔ ان مقابلوں میں پیش کردہ مقامی ڈرامہ نگاروں کے ڈراموں کی اشاعت کا کام جاری ہے۔ غرض شولا پور پر اردو ڈرامہ کا گہوارہ ہے۔ جس میں اس صنفِ نثر کی پرورش ہو رہی ہے۔

## (۶)

اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں ادبی انجمنوں کا رول کافی اہم رہا ہے۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ شولا پور میں بھی ایسی انجمنیں قائم ہوئیں۔ ان انجمنوں نے اپنے تئیں اردو کی خدمت کرنے کی کوششیں کیں۔ ان کی خدمات کی بدولت شولا پور میں اردو زبان و ادب کو فروغ حاصل ہوا۔ بہت سی ادبی انجمنیں یہاں کے ادیبوں نے بنائیں ان کے اغراض و مقاصد مختلف رہے لیکن سبھوں کا اہم مقصد اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج رہا۔ ان انجمنوں کی کوششوں سے مقامی شعراء و ادباء کی شعری و نثری تصانیف شائع ہوئیں۔ کل ہند مشاعرے ہوئے۔ ماہانہ نشستیں لی گئیں اور لی جارہی ہیں۔ اعزازی نشستیں ہوتی ہیں۔ ادیبوں کے انتقال کے بعد تعزیتی جلسے منعقد ہوتے رہے۔ کئی کتب خانے قائم کیے گئے۔ تعلیم کو فروغ دینے کے

لیے مسلم غریب و ضرورت مند طلبہ کی مدد کے لیے امدادی پروگرام بنائے گئے۔ انھیں اسکا لرشپ اور دیگر مالی امدادیں دی گئیں۔ ادبی سیمینار، نصابی کتابوں کی اشاعت، غریب و ضرورت مند ادیبوں کی مالی مدد، ادیبوں کی خدمات کے اعتراف میں مالی مدد، کلام شاعر بزبان شاعر پروگرام کے تحت شعراء کے کلام کو ان ہی کی آواز میں ریکارڈ کر کے آڈیو کاسیٹ بنانا۔ ملکی سطح پر اردو ادب کی بڑی بڑی کانفرنسوں کا انعقاد وغیرہ سرگرمیاں انجام دی گئیں۔ ان میں اصلاحی و فلاحی تنظیم کا ۱۹۹۹ء میں منعقد ”اردو میلہ“ اور اقبال کلب کے زیر اہتمام فروری ۲۰۰۸ء میں لی گئی ”کل ہند اردو ادبی کانفرنس“ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

ان انجمنوں کی شروعات ۱۹۲۲ء سے ہوئی۔ جب خلافت تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے مولانا محمد علی اور شوکت علی ملک کے دورے کر رہے تھے۔ ۱۹۲۲ء میں یہ دونوں بھائی شولا پور آئے۔ یہاں کی خلافت کمیٹی نے یہ پروگرام منعقد کیا تھا۔ آپ دونوں بھائیوں نے قومی جذبات سے سرشار تقریریں کی شولا پور کی اس وقت کے نوجوانان کی تقاریر سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے قومی مفاد کو بروئے کار لانے کے لیے ”دارالمطالعہ“ انجمن قائم کی یہیں سے شولا پور میں ادبی انجمنوں کا آغاز ہوا۔ باقی تمام انجمنیں اسی انجمن کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ کیوں کہ اسی انجمن نے شولا پور میں بہت سے صاحب کمال پیدا کیے۔ جنہوں نے آگے چل کر نہ صرف اردو زبان کی خدمت انجام دیں۔ بلکہ شولا پور میں سیاسی، سماجی اور تعلیمی میدان میں بھی بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔ اس کے بعد بہت سی انجمنیں قائم ہوئی جو بتدریج اس طرح ہیں۔ انجمن ترقی اردو (۱۹۳۵ء)، انجمن ترقی پسند مصنفین (۱۹۴۱ء)، مسلم کلب (۱۹۴۱ء)، صادق کلب (۱۹۴۱ء)، اقبال کلب (۱۹۶۵ء) غالب کلب (۱۹۶۵ء)، بزم انجم (۱۹۷۰ء)، اردو ٹیچرس فیڈریشن شولا پور (۱۹۷۲ء)، کاروان ادب (۱۹۸۱ء)، مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی (۱۹۸۸ء)، بزم غالب (۱۹۹۱ء)، اصلاحی و فلاحی تنظیم (۱۹۹۳ء)، ادارہ حلقہ ادب (۱۹۹۷ء) انجمن قدیر (۲۰۰۰ء)، غفور انیس میموریل ٹرسٹ (۲۰۰۴ء)، ہندی اردو قومی ایکٹا منج (۲۰۰۷ء)، شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس اسوسی ایشن ضلع شولا پور (۲۰۰۷ء) وغیرہ۔

متذکرہ انجمنوں نے مختلف سرگرمیاں انجام دے کر شولا پور میں اردو زبان و ادب کو زندہ رکھا، اس کی ترقی و ترویج میں حصہ لیا۔ ہنوز یہ کام جاری ہے۔ پچھلی انجمنوں سے سبق اور حوصلہ پا کر نئی انجمنیں کام کر رہی ہیں۔ سبھوں کا مقصد بقول عزیز احمد عزیز شولا پوری کے یہ ہے۔

جب تک زمین، شمس، قمر آسمان رہے

یا رب عروج پر میری اردو زبان رہے

## کتابیات

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	ناشر	سن اشاعت
(۱)	آئینہ وفا۔	حافظ عباد اللہ شاہ قادری۔	بزم غالب شولا پور۔	۲۰۰۱ء
(۲)	اکڑ و جگورا۔	نسیم منان۔	منان نسیم ۳۳۵ ساکھر پیٹھ شولا پور۔	۱۹۸۵ء
(۳)	الفاظ کی تلاش۔	شاعل ادیب۔	نیرنگ ادب پبلی کیشنز، حیدر آباد۔	۲۰۰۱ء
(۴)	انمول باتیں۔	جہاں آرا بیگم علیم۔	چیتا پورے کے چنگ کلاس بیگم پیٹھ شولا پور۔ ۱۱۲ اکتوبر ۱۹۹۸ء	
(۵)	انتخاب اردو شاعری۔	مجلس ادارت	شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس	۲۰۰۸ء
		شولا پور یونیورسٹی۔	اسوسی ایشن، شولا پور۔	
(۶)	انتخاب اردو نثر۔	مجلس ادارت	شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس	۲۰۰۸ء
		شولا پور یونیورسٹی۔	اسوسی ایشن، شولا پور۔	
(۷)	ارتکا خیال۔	رفیع نواز شولا پوری۔	گل بوٹے پبلی کیشنز، ممبئی۔	مئی ۲۰۰۳ء
(۸)	اضطراب خیال۔	عبدالرزاق نظر شولا پوری۔	عبدالرزاق رند لوک مانیا نگر، شولا پور۔	۲۰۰۴ء
(۹)	انوارِ قدیر۔	منان نسیم۔	ادارہ انوارِ قمر ساکھر پیٹھ، شولا پور۔	۴۲، جون ۱۹۹۴ء
(۱۰)	افکارِ جوش۔	جوش شولا پوری۔	مسز حمیدہ بانو آؤٹ آئیڈیل	۱۹۷۱ء
	گرلز ہائی اسکول رتناگری۔			
(۱۱)	اردو کی ابتدائی نشوونما میں	صوفیائے کرام کا کام۔ مولوی عبدالحق۔	انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی۔	۱۹۹۵ء
(۱۲)	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ۔	سید احتشام حسین۔	قومی کونسل برائے فروغِ اردو، نئی دہلی۔	۱۹۹۷ء
(۱۳)	اردو ڈرامے کی تاریخ و تنقید۔	عشرت رحمانی۔	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔	۱۹۹۵ء
(۱۴)	اردو بالواڑی۔	عبدالرزاق رند	شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس	۲۰۰۸ء
		اور محمد شفیع چوہدر۔	اسوسی ایشن، شولا پور۔	
(۱۵)	بارود کے پھول۔	عبدالرزاق رند شولا پوری۔	عبدالرزاق رند لوک مانیا نگر، شولا پور۔	۲۰۰۴ء
(۱۶)	بال و پر۔	محمد حنیف بے چین۔	فلورابک سیلرز بیجا پور ٹیس، شولا پور۔	فروری ۱۹۸۹ء
(۱۷)	برگِ حنا۔	اعجاز نبی اعجاز۔	فلورابک سیلرز بیجا پور ٹیس، شولا پور۔	اپریل ۲۰۰۰ء
(۱۸)	بگل۔	اثر شولا پوری۔	علوی بک ڈپو، ممبئی۔	جولائی ۱۹۷۴ء

- (۱۹) بوئے پیراہن - قدیر شولا پوری - مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی، شولا پور - ۱۹۹۱ء
- (۲۰) پہلی کرن - اقبال احمد اقبال - اقبال احمد اقبال آدرش ہائی اسکول رتناگری - اگست ۱۹۹۴ء
- (۲۱) تاریخ اردو ادب - بزم خضر راہ جامعہ نگر، نئی دہلی - ندارد (جدید ایڈیشن) رام بابو سکسینہ
- (۲۲) تاریخ اردو ادب - نور الحسن نقوی - ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ - ۱۹۹۷ء
- (۲۳) تاریخ شولا پور - مجاہد القاسمی - مجاہد القاسمی ۱۰ سہارنگر، شولا پور - ندارد
- اور مختصر تاریخ دکن -
- (۲۴) تجلیات ترقی طور - شیخ ہارون برق - شیخ ایم - جاوید - انوار قمر ساکھر پیٹھ، شولا پور - اگست ۱۹۹۴ء
- (۲۵) تخیلات عتیق - پیر احمد شاہ عتیق - ادارہ بحر الفیض، ضلع شولا پور - مارچ ۱۹۸۰ء
- (۲۶) ترانے - قدیر شولا پوری - انجمن قدیر شولا پوری - ۲۰۰۴ء
- (۲۷) تیرنیم کش - سراج شولا پوری - انجمن قدیر شولا پور - مئی ۲۰۰۶ء
- (۲۸) جشن قدیر - مولانا ابوالکلام - مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی، شولا پور - مارچ ۱۹۹۱ء
- رسم اجرا بوئے پیراہن آزاد سوسائٹی -
- (۲۹) جشن غفورانیس - ڈاکٹر غلام دستگیر - غفورانیس میموریل ٹرسٹ، شولا پور - دسمبر ۲۰۰۴ء
- (روداد مع تصاویر)
- (۳۰) جزل ناچ - منان نسیم - ادارہ انوار قمر ساکھر پیٹھ، شولا پوری - ۱۹۹۰ء
- (۳۱) حروف تابندہ - شاعل ادیب - نیرنگ ادب پبلی کیشنز، حیدرآباد - ۲۰۰۱ء
- (۳۲) دربار کرم - شاعل ادیب - نیرنگ ادب پبلی کیشنز، حیدرآباد - ۱۹۹۰ء
- (۳۳) دشت جنوں - غفورانیس - غفورانیس میموریل ٹرسٹ، شولا پور - اکتوبر ۲۰۰۴ء
- (۳۴) دکنی ادب کی تاریخ - محی الدین قادری زور - ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ - ۲۰۰۰ء
- (۳۵) دکن میں اردو - نصیر الدین ہاشمی - ترقی اردو بیورو، نئی دہلی - ۱۹۸۵ء
- (۳۶) دکھوں کا سمندر - شاعل ادیب - تیرنگ ادب پبلی کیشنز، حیدرآباد - ۱۹۹۴ء
- سکھوں کا جزیرہ -
- (۳۷) ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر - سید غازی الدین - ادارہ برائے مطالعہ تحقیق تاریخ دکن شنوار پیٹھ، شولا پور - ۲۰۰۰ء
- (۳۸) ذوق ادب - مجلس ادارت شولا پور یونیورسٹی - شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس اسوسی ایشن، ضلع شولا پور - ۲۰۰۷ء

۳۹	ذوقِ نظر۔	ایم۔ ایم۔ شیخ۔	اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔	نومبر، ۲۰۰۷ء
۴۰	ذکرِ اعظم۔	شاعِل ادیب۔	نیرنگ ادب پبلی کیشنز، شولا پور۔	۱۹۸۹ء
۴۱	ریلے گیت۔	نسیم منان۔	حیدر علی قاسم علی بیجا پورے ساکھر پیٹھ، شولا پور۔	۱۹۸۰ء
۴۲	سارے جہاں سے اچھا۔	سید سعید احمد۔	حاجی گلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ، پونہ۔	یکم جون ۲۰۰۲ء
۴۳	سایہ۔	ش۔ شکیل شولا پوری۔	محمد شریف غلام حسین شیخ پاجھ پیٹھ، شولا پور۔	جون ۱۹۹۴ء
۴۴	سرمئی نغمے۔	حاجی شولا پوری۔	جمعۃ القریش اکیڈمی حاجی ماہی چوک، شولا پور۔	ندارد
۴۵	سورج کی دستار۔	حکیم شولا پوری۔	جاوید نبی زین الدین شیخ صدر بازار، شولا پور۔	نومبر ۲۰۰۵ء
۴۶	شاعری جھسے میں آئی ہے۔	شاعِل ادیب۔	نیرنگ ادب پبلی کیشنز، حیدر آباد۔	۱۹۹۸ء
۴۷	شمعِ ہدایت۔	محمد ادریس چٹا پورے۔	محمد ادریس چٹا پورے ۲۹۳ بیگم پیٹھ، شولا پور۔	یکم جنوری ۱۹۸۹ء
۴۸	شمیمِ غزل۔	عبدالحمید محبت شولا پوری۔	رند شولا پوری لوک مانیتھ شولا پور۔	۲۰۰۴ء
۴۹	شولا پور تاریخ کے آئینے میں۔	نسیم منان۔	اصلاحی و فلاحی تنظیم، شولا پور۔	۴۱، مارچ ۱۹۹۹ء
۵۰	شہرِ شولا پور کے روشن چراغ۔	ڈاکٹر غلام دستگیر۔	این۔ آر۔ بیریا میموریل ٹرسٹ، شولا پور۔	دسمبر ۲۰۰۶ء
۵۱	شہرِ رگ کالہو۔	مخدوم علی محشر۔	مخدوم علی محشر، جی محمودی جیکو چار احمد آباد۔	ستمبر ۱۹۹۰ء
۵۲	شیواجی کون تھے؟	سید شاہ غازی الدین۔	پرکاش وشواس راولک وانگھے، ممبئی۔	اگست ۲۰۰۴ء
۵۳	صبحِ غزل۔	محبوب جاتی شولا پوری۔	حلقہٴ ادب، شولا پور۔	نومبر، ۱۹۹۸ء
۵۴	عہدِ عالمگیر کے درباری اخبارات۔	سید شاہ غازی الدین۔	ادارہ برائے مطالعہ و تحقیق تاریخ دکن شنوار پیٹھ، شولا پور۔	۲۰۰۱ء
۵۵	عارفِ نعمانی شخصیت اور فن۔	محمد صدیق نقوی۔	انصافی آفسیٹ الہ آباد۔	۲۰۰۲ء
۵۶	علامہ کالی داس گپتا رضا کے ادبی سفر۔	نذیر فتح پوری۔	اسباق پبلی کیشنز سائرہ منزل، پونہ۔	۲۰۰۷ء
۵۷	غالبِ خستہ کے بغیر۔	عبدالرشید ارشد جنواڑ کر۔	بزمِ غالب، شولا پور۔	۱۹۹۹ء
۵۸	غبارِ کارواں۔	یکتا عدنی شولا پوری۔	یکتا عدنی فارسیٹ چاندنی چوک، شولا پور۔	مارچ ۱۹۸۳ء
۵۹	فیضِ بشارت۔	شاعِل ادیب۔	نیرنگ ادب پبلی کیشنز، حیدر آباد۔	۱۹۹۶ء
۶۰	کالیا کا انجام۔	نسیم منان۔	منان نسیم ساکھر پیٹھ، شولا پور۔	۱۹۸۶ء
۶۱	کاروانِ ادب (۱۹۸۸ء)۔	کاروانِ ادب۔	کاروانِ ادب شاستری نگر، شولا پور۔	۱۹۸۸ء
۶۲	کاروانِ ادب (۱۹۹۰ء)۔	میر افضل میر۔	کاروانِ ادب شاستری نگر، شولا پور۔	۱۹۹۰ء
۶۳	کلیاتِ درویش۔	محمد حنیف درویش۔	کل ہند جمعیتۃ المشائخ ہند شاخ، شولا پور۔	۲۰۰۳ء
۶۴	کلیسی پہلیاں۔	کلیم شولا پوری۔	کلیم شولا پوری جمعہ پیٹھ، شولا پور۔	۱۹۸۷ء

- (۶۵) کہکشاں۔ عبدالرزاق رند۔ کاروانِ ادب شاستری نگر، شولا پور۔ مارچ، ۲۰۰۶ء
- (۶۶) گلگشت۔ بشیر پرواز۔ مسلم جولا ہاسماج شاستری نگر، شولا پور۔ ستمبر، ۱۹۸۸ء
- (۶۷) گلدستہ ادب۔ محمد شفیع چوہدر۔ شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس اسوسی ایشن شولا پور۔ ۲۰۰۸ء
- (۶۸) گلگلے۔ نسیم منان۔ ادارہ انوارِ قمر ساکھر پیٹھ، شولا پور۔ ۲۰۰۷ء
- (۶۹) لالہ صحرا۔ (قدیر شولا پوری کی حیات و خدمات) ڈاکٹر غلام دستگیر۔ شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس اسوسی ایشن شولا پور۔ ۲۰۰۰ء
- (۷۰) لہو ترنگ۔ باور شولا پوری۔ مولانا ابوالکلام آزاد سوسائٹی شولا پور۔ ۱۹۹۲ء
- (۷۱) متاعِ سخن۔ حبیب احمد شوق۔ حبیب شوق شاستری نگر شولا پور۔ ۲۰۰۵ء
- (۷۲) مختصر تاریخ ادب اردو۔ اعجاز حسین۔ اردو کتاب گھر نئی دہلی۔ ندارد۔
- (۷۳) مضارت۔ طالب شولا پوری۔ ادارہ انوارِ قمر ساکھر پیٹھ شولا پور۔ ۲۰۰۰ء
- (۷۴) معاون اردو۔ نسیم منان۔ ادارہ انوارِ قمر ساکھر پیٹھ شولا پور۔ ۱۹۹۰ء
- (۷۵) مہاتما جیوتی باپھلے (حیات اور کارنامے) ایڈوکیٹ سید شاہ غازی الدین۔ ادارہ برائے مطالعہ و تحقیق اردو تاریخ دکن شنوار پیٹھ شولا پور۔ ۲۰۰۵ء
- (۷۶) مینارِ عزیمت۔ میر افضل۔ اصلاحی و فلاحی تنظیم شولا پور۔ ۱۷ مئی، ۲۰۰۷ء
- (۷۷) نسیم ادب۔ مجلس ادارت شولا پور یونیورسٹی۔ شولا پور اردو میڈیم ٹیچرس اسوسی ایشن ضلع شولا پور۔ ۲۰۰۷ء
- (۷۸) نقشہ جہد و عمل۔ مخدوم علی محشر۔ خطیب کتاب گھر اینڈ پرنٹرس فروری، ۱۹۹۹ء احمد آباد۔
- (۷۹) نوری قاعدہ۔ نور جہاں ولسنگر۔ نور جہاں ولسنگر کیشو نگر لشکر شولا پور۔ اکتوبر، ۲۰۰۶ء
- (۸۰) نوکِ سوزاں۔ الیا احمد الیاس۔ بزمِ غالب شولا پور۔ ۲۰۰۳ء
- (۸۱) وسیلہ۔ حافظ عبداللہ شاہ قادری۔ بزمِ غالب شولا پور۔ ۲۰۰۶ء
- (۸۲) ہنستے گیت۔ نسیم منان۔ حید علی قاسم علی بیجا پورے ساکھر پیٹھ شولا پور۔ ۱۹۸۰ء
- (۸۳) ہنسنا مت۔ نسیم منان۔ ادارہ انوارِ قمر ساکھر پیٹھ شولا پور۔ ۲۰۰۴ء
- (۸۴) یہ شام بھی کہاں ہوئی۔ سید عباس۔ نوائے دکن پہلی شرجونا بازار اورنگ آباد۔ ۱۹۸۷ء
- (۸۵) اردو چینل (جلد ۹ - شمار ۳ تا ۴) (رسالے) اردو چینل گجان کالونی گوڈی ممبی۔ دسمبر، ۲۰۰۶ء

- (۸۶) اردو بک ریویو (جلد XIII) (جولائی اگست ستمبر ۲۰۰۸ء) - محمد عارف اقبال - اردو بک ریویو دریا گنج نئی دہلی - ۲۰۰۸ء
- (۸۷) بزمِ غالب مجلہ ۲۰۰۵ء - بشیر پرواز - بزمِ غالب شولا پور - ۲۰۰۵ء
- (۸۸) جوہر ۱۹۸۱ء - محمد اسحاق - پرائمری اردو ٹیچرس فیڈریشن شولا پور - ۱۹۸۱ء
- (۸۹) جوہر ۱۹۹۷ء - عبدالغفار شیخ - پرائمری اردو ٹیچرس فیڈریشن شولا پور - ۱۹۹۷ء
- (۹۰) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - اصلاحی و فلاحی تنظیم - سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ۱۹۹۸ء-۱۹۹۷ء
- (۹۱) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ایضاً - شولا پور - ۱۹۹۸ء-۱۹۹۷ء
- (۹۲) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ایضاً - شولا پور - ۱۹۹۸ء-۱۹۹۷ء
- (۹۳) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ایضاً - شولا پور - ۲۰۰۰ء-۱۹۹۹ء
- (۹۴) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ایضاً - شولا پور - ۲۰۰۱ء-۲۰۰۰ء
- (۹۵) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ایضاً - شولا پور - ۲۰۰۲ء-۲۰۰۱ء
- (۹۶) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ایضاً - شولا پور - ۲۰۰۳ء-۲۰۰۲ء
- (۹۷) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ایضاً - شولا پور - ۲۰۰۴ء-۲۰۰۳ء
- (۹۸) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ایضاً - شولا پور - ۲۰۰۵ء-۲۰۰۴ء
- (۹۹) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ایضاً - شولا پور - ۲۰۰۶ء-۲۰۰۵ء
- (۱۰۰) سالانہ احوال اصلاحی و فلاحی تنظیم - ایضاً - شولا پور - ۲۰۰۷ء-۲۰۰۶ء

شولا پور۔ (۲۰۰۸ء۔۲۰۰۷ء)

### اخبارات

اس مقالے کی تیاری میں ہفت روزہ ”آئینہ ایام“ شولا پور مہاراشٹر۔ ہفت روزہ ”انوارِ قمر“ شولا پور مہاراشٹر۔ ہفت روزہ ”مقدس“ شولا پور مہاراشٹر ہفت روزہ ”اردو میلہ“ شولا پور مہاراشٹر۔ ہفت روزہ ”الفیض“ شولا پور مہاراشٹر۔ ہفت روزہ ”اصول“ پونہ مہاراشٹر۔ روز نامہ ”انقلاب“ ممبئی مہاراشٹر۔ روز نامہ ”اردو ٹائمز“ ممبئی مہاراشٹر۔ روز نامہ ”سیاست“ حیدرآباد۔ روز نامہ ”منصف“ حیدرآباد وغیرہ کے خصوصی شماروں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

### تحریری انٹرویو۔ (سولناموں کے تحریری جوابات دینے والے)

- (۱) تنویر بیجا پورے ڈرامہ نگاری۔ ۱/ جون ۲۰۱۵ء
- (۲) بابا قدیر فرزند نسیم منان۔ ۱/ جون ۲۰۱۵ء
- (۳) بی۔ ایچ کر جی ڈرامہ نگار۔ ۲۰/ جولائی ۲۰۱۵ء
- (۴) منظور عالم شیخ ڈرامہ نگار و ہدایت کار۔ ۱/ اگست ۲۰۱۵ء
- (۵) عبدالحق ڈرامہ نگار۔ ۵/ ستمبر ۲۰۱۵ء
- (۶) شیخ۔ اختر ایم۔ ڈرامہ نگار۔ ۲۶/ ستمبر ۲۰۱۵ء
- (۷) ہارون رشید باغبان۔ ۲۸/ ستمبر ۲۰۱۵ء
- (۸) ساعر شولا پوری ڈرامہ نگار۔ ۱۸/ اکتوبر ۲۰۱۵ء
- (۹) تنویر احمد بیجا پورے ڈرامہ نگار۔ ۱۱/ نومبر ۲۰۱۵ء
- (۱۰) انتخاب احمد شیخ۔ اداکار۔ ۲۰/ نومبر ۲۰۱۵ء
- (۱۱) عبدالوہاب لنجے ڈرامہ نگار۔ ۲۵/ نومبر ۲۰۱۵ء
- (۱۲) سید سعید احمد ڈرامہ نگار، ہدایت کار۔ ۲۵/ دسمبر ۲۰۱۵ء

### شخصی انٹرویو

- (۱) اسحاق منیار بزرگ ہدایت کار۔ ۱۵/ جون ۲۰۱۵ء
- (۲) اقبال سید ہدایت کار۔ ۱۵، ۱۶، ۱۷/ جون ۲۰۱۵ء
- (۳) فرزند درویش۔ ۲۵/ جون ۲۰۱۵ء
- (۴) بی۔ ایچ۔ کر جی کر ڈرامہ نگار۔ ۱۷/ جولائی ۲۰۱۵ء
- (۵) بشیر پرواز ڈرامہ نگار۔ ۱۵/ اگست ۲۰۱۵ء
- (۶) راجہ باغبان ڈرامہ نگار، ہدایت کار۔ ۲۵/ ستمبر ۲۰۱۵ء



- (۷) ساحر نداف موسیقی کار۔ ۲۵/ ستمبر ۲۰۱۵ء
- (۸) ابراہیم شاہ پورے ڈرامہ نگار۔ ۲۸/ ستمبر ۲۰۱۵ء
- (۹) انتخاب احمد شیخ، اداکار۔ ۱۵/ نومبر ۲۰۱۵ء
- (۱۰) وجاہت عبدالستار، ڈرامہ نگار۔ ۱۰/ ستمبر ۲۰۱۵ء
- (۱۱) راجہ باغبان ڈرامہ نگار، ہدایت کار۔ ۲۵، ۲۶، ۲۷/ دسمبر ۲۰۱۵ء
- (۱۲) جعفر بانگی ہدایت کار۔ ۲۵/ دسمبر ۲۰۱۵ء

☆☆☆

## **SUMMARY OF THE FINDINGS:**

**( IN 500 WORDS )**

**MRP**

### **“DEVELOPMENT OF URDU LITERATURE IN SOLAPUR”**

#### **Chapter - I**

#### **LINGUISTIC, HISTORICAL, POLITICAL & SOCIAL BACKGROUND OF SOLAPUR.**

Solapur is famous for its linguistic, Historical, Political, Social and business point of view. The author has included this chapter in his thesis as the background. The purpose behind it is to through light on the view of the past of this district, as this thesis is written on the title of "A Study of Urdu Literature of Solapur District." So it is necessary to know the background of this district. This background is a must to analyze the literature & the literary contributions of this area. By the way Ten has written that it is necessary for critic to know the linguistic, Historical, Political, Social, Educational situation of the period of literary work and its author. So that he can finalize the period. As the thesis is related to the literature of Solapur, the short analysis of the linguistic, Historical, Political & Social background of Solapur has been mentioned in this chapter.

Very few books have been written on the history of Urdu literature in Solapur. The local writers such as advocate Arshad Janwadkar, Advocate Sayyed Shah Gaziuddin Abdul Mannan Naseem & other have written some sculptured articles on it. Mujahid Qasmi has written a book on it the other references have been taken from the gazette of government of Maharashtra. Due to the research it is noticed that this district came in existence since 90

B.C. from 90 B.C. to 300 A.D. the emperors related to Shatkarni family governed on Solapur. The Chalukya family ruled over Solapur from 300 A.D. to 670 A.D. It came under their rule of NewChalukya emperor during 670 to 1184 A.D. Solapur came under the rule of Mughal Subedars in 1318 A.D. This area came under the Behmani Empire during 1348, to 1417.

B.C. from 90 B.C. to 300 A.D. the emperors related to Shatkarni family governed on Solapur. The Chalukya family ruled over Solapur from 300 A.D. to 670 A.D. It came under their rule of NewChalukya emperor during 670 to 1184 A.D. Solapur came under the rule of Mughal Subedars in 1318 A.D. This area came under the Behmani Empire during 1348, to 1417.

**Epigraphic :** As Solapur situated on the border of Nizam Shahi & Aadil Shahi Empire. The fort of Solapur was built. The importance of this area increased due to the construction of this fort, meanwhile Solapur was ruled over either by Aadilshah

or by Nizam Shah. There were seventeen wars occurred between above mentioned. When Aurangzeb attacked on the Deccan, Solapur came under his control. After the death of Aurangzeb. in 1732, Solapur, Came under the control of the Nizam of Hyderabad. In 1757, Nanasaheb Peshwa captured the fort by giving 25,000 rupees to the Kiledar Khaliluddin Khan. Solapur was in the control of Marathas during 1857 to 1818. The Britisher conquered Solapur in 1818. It remained under their control till 1947. Meanwhile Solapur became a part of freedom straggled of India in 1930, the freedom fighters made it free from the rule of Britisher for three days. They burnt the police stations of the Britishers. There was not a single policeman or officer in Solapur. Afterward the Britishers implemented Marshal law. The freedom struggle continues & finally the country became free in 1947. From the beginning their was a influence of congress party. The candidates of this party were being elected with a good lead of votes. Basis of no mea of Solapur is also very interesting. According to some historians Solapur was the capital of sixteen villages so it was called Solapur. After that Solapur became Sholapur. In historical documents of Yadav Period "its name is found as "Sonalgi" Abulqasim farishta has named it "Sandlapur" in his book named Tarikhe farishta. The epitaph (Katba) inscription plaque of the fort "Sandlapur" in some places. At the moment its name is Sholapur. Hazrat Auragzeb stayed here for four years. He constructed a fort in brahmpuri which exist today also. During 21 May 1695 to 19 October 1699, Aurangzeb stayed here near about four & half years. During this period the royal commandant were given from Solapur. He constructed many buildings during his ruling period. The mint (Taksal) was also existed here. Solapur is a multi ligual & multi religions place from the ancient past. Here Telugu, Kannada, Marathi & Urdu languages are being used. The Lingayat community the Telangi community & the Muslims live together. Solapur consists of three communities and the influences of these languages are seen on Urdu. The literary language of Solapur is different from the dialect. The styles, pronunciations & the diction power of the Urdu literature is quite different. But the people of Solapur knew the literary Urdu very well. Because of it only the works of Urdu literature are created here. The influences of historical social political & languages of past are clearly seen on the Urdu literature of Solapur.

## **Chapter - II**

### **LITERARY CONTRIBUTION OF SUFIS IN SOLAPUR.**

After the study of Solapurs Linguistic, Historical, Political & Social background it is clearly seen that this area suffered from diversity, confusion and anxiety for a long time. It was under many rulers but not a single ruler tried to beautify it or to develop it. Due to this only, any specific culture could not develop. The people remained ignorant & illiterate because of the lack of the proper facilities of education & training. During the period of British Empire the colonies of workers were promoted because of the establishment of mills here. Most of the population was mad to spend life in this hard work only. The population of educated people was very less due to lack of proper facilities of education. The Sufis of this area worked for leading the direction less and ignorant commune, types to the correct path with

the help of their knowledge wisdom, love affection & guidance. They protected the common culture of this area. They tried to retain the peace, prosperity, love, brotherhood between the Hindus & Muslim communities. The works of Hazrat Maghrib Alishah are noteworthy in this regard. He arranged bhajans every Thursday in his group & garlands the idols of Ganesh during the Ganesh Utsav. (Procession) Due to it a thousands of Hindus became his disciples & the national integration was maintained in Solapur. Other Sufis also guided the people. Most of the Sufis made Urdu their source of propagation of Islam. Due to it the tradition of Urdu poetry was established. The poetry of many Sufis were also published. In this regard the names of Hazrat Sayyed Shahzahoor, Hazrat Malangshahwla, Hazrat Peer Ahmed Alishah. Sayyedutsadat, Hazrat Aarif shah Qadri. Hazrat Salabat Jang. Hazrat Burzrug Wali Shah, Hazrat Rahimbaba Ansar, Hazrat Atta Wali Shah, Hazrat Raushan Wali Shah, Hazrat Chaman Shah Wali, Hazrat Nilurwale baba, Hazrat Haji Fariduddin baba, Hazrat Etebar Ali Shah, Hazrat Bambaiwale Murshad, Hazrat Haji Mahi, Hazrat Katal Husaini, Hazrat Mullababa, Hazrat Magribali Shah, Hazrat Shah Akbar Qasim Siddiquee, Hazrat Gaibipeer, Hazrat Khwaja Makhdum Allaiddin Chishti, Hazrat Jalaluddin Shah Chistee, Hazrat Iqra Ali Shah, Hazrat Israrali Shah Chishti, Peer Ahmed Shah Qadari Ateeque etc. are noteworthy.

The poetic work of Hazrat Shah Akbar Qasim IS 100 years old. His language is pure. Some local words are also seen in his poetry but in all the language are clear, pure & decorative. The topics or the subject Matters are the same as the poetic works of other Sufis. But Siddimeil, Riwayat Siddi (A type of poetry in Urdu) etc, are the traditions laid by him. The incidents of Karbala are depicted in his poetic. This poetic creation was sung during the month Muharram in Solapur. A part from this his disciples used to present it in the taziya procession in the month of Moharram in the form of Dramas. In which music dance & acting was also included. This Siddimels are the beginnings of Urdu dramas in Solapur. His literary work was published at the time of the ceremony of his 100<sup>th</sup> Urs (A type of religious ceremony) only one copy of it was printed and it is in my possession. I feel a great honor in the research of this

literary work. The literary work Peer Ahmed Khan Qadri Ateeque is much more beautiful than Hazrat Akbar Qasim' s work. His work reflects the Sufism (mysticism) & the other problems and sufferings of the world. He has prompted Urdu poem writings by writing a number of Urdu poem. "Jo Hoga Dekha Jaega" is the master piece of his poetic works. All the features & characteristics of subject matter & structure of poetry are seen their which make it a masterpiece. His literary work was published in 1980 because of the efforts of Behrul Faiz Society District Solapur. He propagated religion as well as Urdu language Nazar Sholapuri was his disciple, who were one of the best Kawwali poetic in India. "Wasila" the poetic collection of Hafiz Ibadulla Qadri is the supreme creation of mystical poetry. This was published by Bazm - e - Galib Solapur in 2006. Because of the efforts of these Sufis the religion as well as the language in Solapur was developed and promoted. Due to this efforts Urdu poetry decided its direction & pace. The same topic is discussed in the next topic.

### **Chapter - III**

#### **TRADITION & PACE OF DEVELOPMENT OF URDU POETRY IN SOLAPUR.**

The present poetry of Solapur has chosen and finalized its direction & pace from the ancient poetry of Sufis of Solapur. This traditional poetry was present before the poets of Solapur. The new poets laid the foundations of their poetry on this base. There were a number of poets in Solapur but because of many reasons. These poets could neither establish any literary association nor published their poetic works. But they all have watered the plants of poetic works & succeeded in bringing this to the new generation. Some poets succeeded in publishing their writings, they proved themselves to be noteworthy. The direction and pace of the poetry of Solapur is understood & known with the study of works. The names of books & the poets are given herewith.

Haji Solapuri- "Sarmadi Naghme" (Date of publication not available), Nasim Mannan "Surile geet." (Date of publication not available), Yakta Adni's "Karwan-e-Adab." (May 1988), Qadri Solapur's "Bu-e-Pairahan" (March 1991), Bawar Solapuri's "Lahu Tarang" (1992), Mehboob Jami's "Subh-e-Gazal" (Nov. 1998), Abdurrashid's "Galib-e-Khastha ke Bagair" (1999), Ejaz Nabi Ejaz's "Barg-e-Heena" (April 2000), Ilyas Ahmed Ilyas's "Nok-e-Sozan" (2003), Rafinawaz's "Irtekaz-e-Khyal" (May 2003), Gafur Anis's "Dasht-e-Junun." (Oct. 2004), Abdurrazaque Rind's "Barood ke Phool" (2004), Abdurrazak Nazar's "Iztarab-e-Nazar" (2004), Abdul Hameed Muhib's "Shameem-e-Gazal" (2004), Quadeer Solapur's "Tarane" (2004), Habeeb Ahmed Shauk's "Mata-e-Sukhan" (2005), & Siraj Solapuri's "Teer-e-Neemkash" (May 2006) etc.

Though the tradition of poetry in Solapur is hundred years old, but in the last fifty years there is a clear development in it. The first collection of poetry is Haji Solapuri's "Zikre Jamil." After it Haji Sahab published "Sarmadi Naghme." (Some part of Zikr-e-Jamil is included in Sarmadi Naghme). From this point the strong & firm tradition of Urdu poetry began, the poetic works of Haji Sahab are beatified it the colors of Sufism. Naseem Manan's "Surile geet" is a poetic work of Children's poetry. It is a good addition in the children's literature. Maharashtra State Urdu Academy has rewarded him for this book. (Haste Geet & Rasile Geet). Naseem Manan's two earlier published books are mentioned in the preface of this book. It is also children's poetry book. Yakta Adni promoted the topics of progressive movement in Urdu poetry of Solapur. And he paid attention to Lyrics (Nazm Nigari). His Gazals are having quality and standard. Karwan-e-Adab is a literary association. It published collection of poems of various poets. In all 31 poet's collection is included in it. It shows the total color of the poets of Solapur. Md. Hanif Bechain the poet of Bal-o-Par is purely a lyrist. His work reveals the pains and sufferings of life. Quadeer Solapuri is one of the most prominent poets of Solapur. His collection includes songs poems stanzas & lyrics. His poetry presents the depth of ideas & perfection of his art. The poetry of "Lahoo Tarang's" poet Bawar Solapuri lacks the depth. There are best lyrics in the collection of Mehboob Jami. "Subh-

eGazal. He is purely a poet of lyrics. His poetry reflects the problems of the age as well as the tradition. His lyrics are the best representation of colors of lyrics. There is a poetic adoption of Mirza Ghalib's poem in Abdurrashid Arshad "Ghalib-e-Khastha ke Bagair." There are the best example of satire and pun in the couplets of him. The lines are joined with poetic lines of Ghalib. It shows Ghalib's style. The poetry of Ejaz Nabi Ejaz is full of ideas & thoughts. There are clear glimpse of progressive movement in his poetry. His poetry is affected by Sahir Ludhyanwi. The poem written on "A worker" (Mazdoor) is the master piece of the poet in "Barg-e-Hina." The poetry of a grown up & mature poet is seen in Ilyas Ahmed Ilyas's Nok-e-Sozan." He is also a lyrist. The features of ancient poetry are there in his poetic works. The poems in a Irtekaze Khayal" of Rafi Nawaz are composed on the poems of small meters. He expresses his thoughts in a simple & easy language late Gafoor Anees was a poet of progressive movement. So the poems in this book represent the effects of the progressive movement. The features of modem poetry are seen In Abdurrazaque Rind's "Barood Ke Phool". There is a praiseworthy use of symbols in his poetry. The poetry of Nazar in "Iztrabe Nazar" is completely traditional. The ancient & modem traditions have joined together in Muhib's "Shamime Gazal." In Quadeer Solapuri's "Tarane" there are songs for the children to be sung in different school programs. They are composed on the rhythm of Hindi Film songs. They are beautified with the values & morals. There is a description of day today problems & color of lyrics in Habeeb Ahmed Sahuk's "Mata-e-Sukhan". His style is also traditional. He too is a poet of lyrics. Siraj Ahmed Siraj's "Teer-e-Neemkash" is the best example of humor, satire & pun. There are stanzas lyrics & poems in it. They show the style of Suleman Khateeb. In this way the examples of traditional to humor satire and modernism in the poetry of Solapur is seen. Moreover the works for children's literature are extraordinary.

#### **Chapter - IV**

#### **DEVELOPMENT OF URDU PROSE IN SOLAPUR.**

The history of prose of Solapur is also very ancient. There was some distance between the beginning of prose & Urdu poetry. But some plays were written in the earlier period. As there is a separate section of drama, the details of drama can be found in that chapter. The prose in Solapur began with the story writing of Asar Solapuri in a systematic manner. His collection on of stories was published in July 1974 from Alwi Book Depot Mumbai but his brother A.U.Shaikh resided at 370 Muslim Pachha Peth, Solapur was the distributor of it. There are 14 stories in it. They do not fulfill the requirements of story writing but it has a historical significance in the prose writing of Solapur.

During 1974 to 2007, the collections of prose were published in a continuous manner. The prose writers of Solapur tried to write in various types of prose writing. And children literature was also written in prose. Articles, thesis, historical books. Critical books were also written in the present era. Some biographies are also written by Sayyed Abbas paid attention to story writing after Asar Sholapuri. His collection of stories entitled "Ye Sham Bhi Kahan Hui" was published from Aurangabad. Nowadays he resides at Marathwada. According to Dr. Shuja Kamil Sayyed Abbad

is one of the important story writers of Marathwada. The name of Naseem Mannan deserves to be mentioned specially in concern with prose writing, because he has contributed books on prose apart from poetry. He published two small booklets on children stories. The book "Akdu Jagura" & "Kaliya ka Anjam" the later is not available. But the earlier is a good addition in the children literature. Dr. Ehtesham Nadaf has written a one act play on it. Mannan has published a magazine "Anwar-e-Qamar" in 1994 in which the thought provoking articles on Sufism are written. He published "Maavin-e-Urdu" & "General Knowledge" these two books especially for, children. Some basic criminology of Urdu language are discussed in earlier book and general knowledge is given in the later. His prose writing is very simple & easy to be understood. There is variation in his themes. A collection of speeches named "Hurofe Tabanda" written by Shagil Adeeb was published after it in 1993. It is significantly the first prose writing of Solapur. It is a collection of speeches which was broadcasted on radio. There are very few examples like it. In 1991 "Bu-e-Pairahan" was published & inaugurated on the Jashn-e-Qadir ceremony. There are articles on the personality and art of Qadir Solapuri. On 14th March 1999 a book known "Sholapur Tarikh ke Aaineme" was published under Naseem Mannan (the editor) There is history of Solapur & articles on the literature of Solapur in it. The book is a significant addition in the Urdu prose. In 1999, another book named "Zauk-e-Nazar" was published. It is a collection of valuable articles of M.M. Shaikh. This book is a milestone in the prose of Solapur. Here the prose of Solapur seems to be standard & qualitative. The author has made the Urdu prose upgrade by writing this book.

Meanwhile some prose writers took charge of prose writing in Solapur who are Abdurrazaque Rind, Prof. A. Jalil Shaikh, Bashir Parwaz, Ejaz Nabi Karigar, Prof. M.A. Rangrez Khalil, Iliyas Ahmed Iliyas, Abdurrashid Arshad and Abdurrashid Shaikh most of them are poets. But these prose writers have written prefaces, critical articles, biography of some writers of Solapur.

In 2006 Dr. Ghualm Dastagir laid the foundation of literary criticism by writing "Shahar Sholapur ke Raushan Chirag". Advocate Sayyed Shah Ghaziuddin has written different books on various topics. He wrote a book "Ahad-e-Aalamgir ke Darbari Akhbar" in 2000 presented a valuable book about Aurangzeb to not merely Sholapur but to the Urdu literature. In 2004 he presented the history of Shivaji Maharaj in Urdu in Maharashtra entitled "Shivaji Kaun The" in 2005 he wrote "Mahatma loti Ba Phoole" (life & works) it is a first Urdu biography of Sholapur. He provided this series by giving "Dr. Babasaheb Bhimrao Ambedkar" (life & work) in 2007. it was a second biography. He is the first writer who wrote the grand biography of leaders of Bhojan Community. Meanwhile Mir Afzal wrote "Minar-e-Azimat" in 2006 which consist of the biography & works of Hyderabad's Sufi Saint, Hazrat Abdulkhairat Alhaj Sayyed Anwarullah Shah Sahab. There is a good contribution of prose writings in Sholapur.

## **Chapter - V**

### **CONTRIBUTION OF PLA YWRITERS & DRAMA GROUPS IN THE DEVELOPMENT OF URDU DRAMA IN SOLAPUR.**

Whenever the discussion of Urdu drama comes the first name which comes to our mind is Solapur. Urdu drama is the identification of Solapur. The drama articles are not made but are born in Solapur. The tradition of Solapur is hundred years old. The age when Urdu poetry was began, Urdu poetry play were written in Sholapur. But there is not printed record of drama of that period. In the beginning Urdu plays were performed here by name of "Takht-eRawan" and "Darbar". These plays were presented on roads in the taziya procession during Muharram. Those plays were in the form of street plays. The second type of play was "Siddirnail". This Siddernel, were the adaptations of the works of Sufis.

There are two aspects of drama. One drama writing & second its presentation. A good work has been done on both the aspects of dramas according to our research the first play writer of Sholapur was "Alauddin Munshi" who wrote "Darbar Ki Surat" in 1925. It was the "Written Urdu Drama" of Sholapur. After that Munshi Sahab wrote and presented "Grahaxmi" then H.M. Shaikh wrote "Anarkali". These dramas are not available. After these elder dramatists, the second generation of dramatist is appeared in Sholapur. Those are Naseem Mannan, Tajammul Husain Tamanna, B.H. Karajgi, Manzoor Aalam, Bashir Parwaz, Saeed Ahmed, Abdul Wahab Lunje, Raja Bagban, Saagar Sholapury, Dr. G.M.Patel, Abdul Hameed Dalimbwale, Abdul Rauf Bagban, Hakeem Shaikh, Iqbal Sayyed, Prof. Iqbal Khan. The third generation of the play writes includes Abdul Khalique, Akhtar Shaikh, Haroon Bagban, Tanveer Bijapure, Ejaz Ahmed Shaikh, Ibrahim Shahpure, Wajahat Abdussattar Sagri and writer of the thesis himself.

The above mentioned list of dramatists is very long. These all have written more than one drama. But no work of them is published. The first drama is "Saare Jahan Se Achha" written by Saeed Ahmed. There is a drama in the book on the same title. After him Abdul Wahab Lunje is most important. Lunje's selected drama "Laal Qandil" was published in the magazine (Imkaan), number 15 of Maharashtra State Urdu Academy. Among the young dramatist "Mitha Zaher" of Haroon Rashid is published by the social welfare department of Maharashtra for being awarded second prize for best drama writing. Naseem Mannan's two drama collections named "Hansna Mat" & "Gulgule" was published by his son Tanveer Bijapure. The full length Drama "Khiladi" written by Abdul Wahab Lunje was presented two times on commercial basis, after that the dramas like "Dhilli Khaat" of Naseem Mannan, "Zukham Saahab ki Khansi" of B.H. Karajgikar, "Khala Khalid Ki" translated by Dr. G.M. Patel & Saagar Sholapury. "Mr. Charminar" have been successfully presented & proved a great success. There were many commercial shows of them. The list of excellent and successful play is very long. The description of them is very difficult here.

Sholapur is much ahead in the presentation of dramas. A number of drama groups were formed here for it. Each group has its own history. It is very important to note that more or less all the dramas written in Sholapur were presented by these



groups. Some of them were performed again & again. Those groups are being mentioned here whose role is very important in the promotion of Sholapur's dramas. The groups of the earlier are "Alhilal Ahmed Ali Dramatic Club" of Shaniwar Peth "Muslim Students Brotherhood- Sholapur." "Iqbal Club Sholapur."

Fankaar Drama Association is very important in the history of later groups. As there was a revolution in the presentation of drama of Sholapur. These groups gave birth to a number of new artists who founded new drama groups after words. Some of those artists became schools of drama. Dr. G.M. Patel, Raja Bagban, Sayyed Saeed Ahmed and Sahir Nadaf are some of them. There was again a revolution in presentation of drama in 1976. It was due to Maharashtra State Urdu Academy drama competition.

The period is considered the "Golden Era" of drama because there appeared a series of new groups and artists. Those are "Nishat Academy" (1976), "Anwar Drama Association"(1979), "S.S.A. Urdu High School" "Natya Upasna"(1980), "Maul ana Abul Kalam Azad Club"(1974), "Citizen Urdu High School Art Academy"(1991), "Act Group" (1992), "Sai Baba Vidya Mandir"etc.

Islahi Va falahi tanzim and Bazme Ghalib Solapur has played a significant role in the inter schools drama competition. The earlier association arranged a drama competition on Nov. 22, 1998. Ten Urdu schools participated in it. This drama competitions consisted of eight dramas written by the local dramatists. Bazme Ghalib is conducting these drama competitions for the last four years. Above 24 drama scripts have been written and presented in these competitions by the local writers of Solapur, during January 2006 to January 2009. These local dramas are going to be compiled and published very soon. In short Solapur is the important centre of Urdu dramas in Maharashtra. Where prose writing is growing up.

## **Chapter - VI**

### **LITERARY WORKS OF URDU ASSOCIATIONS IN SHOLAPUR.**

The Urdu Literary associations played a significant role in development of Urdu language and literature and it can't be denied. Such associations were established in Solapur also. These associations tried to work for Urdu on their level. Because of the works of these associations, the language and literature of Urdu was developed. A number of associations were formed by writers. Their aims and objectives were different but all of them aimed at the development and propagation of Urdu language and literature. The literary works of local writers and poets were published as a result of their efforts, All India "Mushairas" were arranged, monthly seating of poetry being conducted. Honorary programs and condolence on death of poets are being arranged. Many libraries were found, Programs were conducted to promote education among poor and needy Muslim students. They were awarded scholarships and financial aids, literary conferences were arranged, Academic books were published, audio cassettes were being made in the poets' own voice as the approval and appreciation of their work, some programs were arranged on national level, these activities have been conducted very successfully, the Urdu Mela of Islahi wa falahi tanzeem(1999) and Iqbal club all India urdu literary conference (2008), are noteworthy.

These associations were started in 1924. When Maulana Mohammed Ali and Shaukat Ali were on the tour of India for the promotion of Khilafat movement, these two brothers came to Solapur in 1924. The local Khilafat committee arranged program in which these two brothers addressed to the people of Solapur. The youngsters were much influenced by the emotionally charged speeches of them and these youngsters established Darul mutaliya in Solapur to fulfill the national interest. This was the beginning of literary associations' establishment in Solapur. The other associations came in to existence because of this association. Darul mutaliya caused the promotion of so many masters of Urdu literature in Solapur. Afterwards those masters worked allot for Urdu language. They contributed a lot in the field of politics, social works, education etc. The associations established afterwards are "Anjuman-e- Tarakki urdu" (1935), Anjuman-e- Tarakki pasand musannifain"( 1941), "Muslim club"( 1941), "Sadique Club"( 1941), "Iqbal Club"(1965), "Galib Club"(1965), "Bazarn-e-Anjum" (1970), "Urdu teachers' federation"(1972), "Karwan-e-Adab"(1981), "Maul ana abulkalam Azad society "(1988), "Bazam-e-Ghalib"(1991), "Isalahi wa falahi Tanzeem"(1993), Idara-eHalka-e-Abad"(1997), "Anjuman-e-Qadir" (2000), "Ghafoor Anees Memorial Trust"(2004), "Hindi urdu kaumi ekta manch"(2007), "Solapur urdu medium teachers' association, Dist. Solapur."(2007). Etc.

All the above mentioned associations arranged different programs and activities and contributed a lot in the development and propagation of Urdu language and literature of Solapur. This is not the end. The journey of the literary works continues. New associations have been taken inspiration and are busy in works due to the contribution of those earlier associations. The purpose of all these associations, according to Azeez Ahmed Azeez Sholapuri is;

**Jab tak Zameen, Shams, Qamar, Asman rahe  
Ya Rab Uruj par meri urdu Zaban rahe.**